

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے ترا ذکر ہے اُونچا تیرا

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ و شاب مفید عاقل موقظ غافل

مستفیہ

جاء الحق وزهق الباطل

المعروف فیصلہ مسائل

(جلد اول)

اضافات جدیدہ و ضمیمہ عجیبہ کے ساتھ
جس میں موجودہ زمانہ کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت متقنہ مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے

مُصَنَّف

حضرت حکیم الامت مولانا مفتی الحاج احمد یار خاں صاحب اجماعی بدایونی مدظلہ
سرپرست مدرسہ نوشیہ گجرات پاکستان

بہا تمام

محمد اقتدار خان عرف مصطفیٰ میاں

ناشر:- مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ - خَالِقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ
 عَلَى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ - أَجْمَلِ الْأَجْمَلِينَ - أَكْمَلِ الْأَكْمَلِينَ
 سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ أَجْمَعِينَ

دیس

دین اسلام کو دنیا میں تشریف لائے ہوئے آج تقریباً پونے چودہ سو برس گزرے اس عرصہ
 میں اس پاک دین نے ہزار ہا بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس بلہا تے ہونے
 چمن پر بہت سی تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ مگر الحمد للہ کہ یہ چمن اسی طرح سرسبز
 و شاداب رہا۔ اس آفتاب پر بار ہا تاریک بادل اور غبار آئے مگر یہ آفتاب اسی طرح چمکتا و نکلتا رہا اور
 کیوں نہ ہوتا کہ رب تعالیٰ خود اس دین کا محافظ و ناصر ہے خود فرماتا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ہم نے ہی قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں
 کبھی اس پر زبردی بادل آئے اور کبھی حجاجی غبار۔ کبھی مامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے
 کی جرأت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں، کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا اور کبھی
 رنص کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب کی سب اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو
 گئیں۔ اور یہ پہاڑ اسی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اَقَامَهَا اللَّهُ وَآدَامَهَا اللَّهُ تعالیٰ اس
 کو قائم و دائم رکھے۔

مگر ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت دہ بیوں نجدیوں کا
 فتنہ تھا۔ جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی اور طرح طرح
 سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمین والناسم میں بخاری کے
 حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریا نے
 رحمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں ہے بارگاہ الہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جا رہی ہے۔

اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَايَئِنَا اے اللہ ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت دے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا دینی تجدیدنا یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ ہمارے نجد میں برکت دے پھر حضور علیہ السلام نے وہ ہی دعا فرمائی۔ شام اور یمن کا ذکر فرمایا۔ مگر نجد کا نام نہ لیا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ دینی تجدیدنا حضور یہ بھی دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت ہو عرض تین بار یمن اور شام کے لیے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلائے پھر نجد کو دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا۔

هَذَاكَ الْمَرْءُ لَا يَزِيْءُ وَالْفَيْئُ | میں اس ازلی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں دلا
وَمِنْهَا يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔ | تو زور لے دو رفتے ہو گئے۔ اور وہاں شیطان کی گردہ پیدا ہوگا
اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں وہاں کے تقدس کے بعد نجد کا تقدس تھا جس کی اس طرح خبر دی۔

اسی طرح مشکوٰۃ جلد اول کتاب القصاص باب قتل اہل الردۃ میں بحوالہ نسائی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار کچھ مال غنیمت تقسیم فرما رہے ہیں۔ ایک شخص نے پیچھے سے عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہ کیا حضور علیہ السلام نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ہمارے بعد تم کو ہم سے بڑھ کر کوئی عادل نہ ملے گا۔ پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم اس سے پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا اور اسلام سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار سے۔ پھر فرمایا۔

سَيَمَاهُمُ الشَّخِيقُ لَا يَزِيْءُ الْوَنُ يَخْرُجُوْنَ | یعنی ان کی پہچان سرمنڈانا ہے یہ نکلے ہی ہیں
حَتّٰى يَخْرُجَ اَخُوْهُمْ مَعَ الدَّجَالِ قَاذَا | گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے
لَقِيْمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْغُلَيْقِ | ساتھ ہوگی اگر تم اُن سے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلق میں سے
اس میں ان کی پہچان فرمائی گئی۔ سرمنڈانا آج بھی وہاں اس سے خالی شکل ہی سے ملیں
گے۔ کہیں فرمایا کہ بت پرستوں کو پھوڑیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ دیکھو بخاری جلد
اول کتاب الانبیاء متصل قصصا بوج و ما بوج۔ وسلم اور مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول۔ اسی

جگہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے۔

لَيْتُ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّاهُمْ قَتَلَ عَاجِدَ | اگر انہیں ہم پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرمادیتے۔

آج بھی دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں۔ مگر لغت کرتے ہیں تو مسلمانوں سے اور ان کے ہمیشہ چلنے مسلمانوں پر خاص کر اہل حرمین پر ہی ہوئے۔

اس فرمان عالی کے مطابق بارہویں صدی میں نجد سے محمد ابن عبدالوہاب پیدا ہوا۔ اس نے کیا کیا۔ اہل حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کیے۔ اس کی داستان تو سیف الجبار اور بلاق محمدی علی ارفغات النبیہ وغیرہ کتب تاریخ میں دیکھو۔ ان کے کچھ ظلم علامہ شامی نے اپنی کتاب رد المحتار جلد سوم باب البغات کے شروع میں اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

جیسے کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکہ و مدینہ شریف پر انہوں نے غلبہ کر لیا اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن انکا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اس لیے انہوں نے اہل منت والجماعت کا قتل جائز سمجھا اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ نے وہابیوں کی شکست توڑ دی اور ان کے شہرہوں کو ویران کر دیا۔ اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی یہ واقعہ ۱۲۳۲ھ ہجری میں ہوا۔

حَمْدًا وَقَعْنَا فِي زَمَانِنَا فِي أَتْبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ
الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوا
عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوا يَنْتَحِلُونَ إِلَى
الْحَنَابِلَةِ لَيْكِنْ هُمْ اعْتَقَدُوا أَنَّ هُمْ
الْمُسْلِمُونَ وَأَنَّ مَنْ خَلَفَ اعْتِقَادَهُمْ
مُشْرِكُونَ وَاسْتَبَاحُوا بِذَلِكَ قَتَلَ
أَهْلَ السُّنَّةِ وَقَتَلَ عُلَمَاءَهُمْ هُمْ حَتَّى
حَسَرَ اللَّهُ مَسْئَلَهُمْ وَخَرَّبَ
بِلَادَهُمْ وَطَفَّرَ بِهِمْ عَسَاكِرَ الْمُسْلِمِينَ
عَامَ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ وَمِائَتَيْنِ وَآلِفٍ -

سیف الجبار وغیرہ میں ان کے مظالم بیشمار بیان فرمائے کہ مکہ کو تہ و مدینہ طیبہ میں بے گناہوں کو بے دریغ قتل کیا اور حرمین شریف کے سنے والوں کی عورتوں اور لڑکیوں سے زنا کیا ان کو غلام بنایا انکی عورتوں کو اپنی لونڈیاں۔ سادات کو ام کو بہت قتل و غارت کیا مسجد نبوی شریف کے تمام قالین اور جہاز و فانوس اٹھا کر نجد سے گئے۔ تمام صحابہ کرام اور اہلیست عظام کی قبروں کو گرا کر زمین سے ملا دیا یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ تمام گنبد خضر جس کے گرد روزانہ صبح و شام ملائکہ صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ اس کو

بھی گزرا دیا جائے۔ مگر جو شخص اس بڑی نیت سے دھڑپاک پر گیا اس پر خدا نے پاک نے ایک سائب مقرر فرمایا۔ جس نے اس کو ہلاک کیا اور رب الغلین نے اپنے نبی کی اس آخری آرمگاہ کو ان سے محفوظ رکھا۔ غرضیکہ ان کے مقابلہ پر حد تکلیف وہ ہیں۔ جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یہ زید نے اہل بیت کی دشمنی ان کی زندگی میں ہی کی۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو ان کی قبروں میں ستانان و ہمایوں ہی کے ہاتھ سے ہڑا۔ اب بھی جو کچھ ان سعود نے حرمین شریفین میں کیا وہ برحاجی پر روشن ہے کہ مکہ میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی صحابی کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ بھی پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت میں میں نے ایک شامیاء لگا ہوا دیکھا جہاں کتے گدھے بے تکلف چر رہے تھے۔ اس جگہ پہلے ایک قبر بنا ہوا تھا جہاں لوگ جا کر ناریاں پڑھتے تھے اور اس کی زیارت کرتے تھے یہ حضرت آمنہ خاتون کا مکان تھا اور اسی جگہ اسلام کا آفتاب چمکا۔ مگر اب اس کی یہ بے حرمتی کی گئی فی اللہ المشتکی۔

یہ تو تھے عرب کے واقعات۔ لیکن ہم کو اس وقت ہندوستان سے گفتگو کرنی ہے وہاں میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام تھا مولوی اسماعیل، اس نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں خلاصہ کیا۔ جس کا نام رکھا تقویۃ الایمان اور اس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔ دہلی انہیں شہید کہتے ہیں کیونکہ یہ حضرت اسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے مگر انوار آفتاب صداقت۔ مگر مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مرے۔ ان علی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ دہلیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبح کا، وہ شہید بیٹے نجد تھا وہ ذبح تیغ خیار ہے

اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے۔ کیونکہ یہ ہی سکھوں کا مرکز تھا۔ سرحد تو پٹھانوں کا ملک ہے وہاں یہ مارے گئے معلوم ہوا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کر دی۔ اسی لیے ان کی قبر ہی نہیں۔

نیز یوہندیوں کی مشہور کتاب ارواحِ ثلاثہ کے صفحہ نمبر ۱۲۹ پر ہے کہ سید احمد صاحب نے پہلا جہاد یا محمد خاں حاکم یا نستان سے کیا۔ اس جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب کھنوی۔ مولوی محمد اسماعیل دہلوی، مولوی محمد حسین صاحب پامپوری سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ نیز مولوی اسماعیل صاحب کا میرٹھی میرالال تھا (حیاء طیبہ) اور توپچی راجہ رام تھا غرضیکہ دہلی

دیوبندیوں کے قلمی، زبانی اور تلواروں کے حملے مسلمانوں ہی پر ہوئے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے۔ جو ۲۴ دسمبر ۱۹۹۱ء کے کوہستان وغیرہ تمام اجارات میں چھپا کر ایک دیوبندی عبدالقادر نامی نے پہلے تو حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے آستانہ مقدس پر قلمی اشتہارات لگائے جن میں تحریر تھا کہ میت کے پاس دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں۔ ان کے مزارات پر غنیمت مانگنا شرک و بدعت ہے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں تمام آستانہ پر مٹی کے تیل میں بھیکے ہوئے کپڑے رکھ دیئے سوئے ہوئے زائریں کے کپڑوں میں بھی مٹی کا تیل چھڑک دیا، دیا سلائی جلا کر آگ لگا ناچا بتا ہی تھا کہ پکڑا گیا۔ یہ واقعات کے تین بجے ہوئے اگر یہ ایک سیکنڈ کا موقع پالیتا تو سارا دربار اور سارے محلے اور ان تمام انسانوں کو جلادیتا۔ یہ سب ان ظالموں کی توحید اور تبلیغ اسی گروہ نے ایک دن پہلے مسجد وزیر خاں کے صحن میں جو مزار۔ جسے آگ لگانے کی کوشش کی جاگ لگا بھی دی مگر چونکہ وہاں کڑی کا سامان نہ تھا۔ اس لیے صرف دیواریں کالی تو ہو گئیں مگر آگ باقاعدہ نہ لگ سکی۔ کوہستان ۲۴ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز پیر۔

اسمعیل کے معتقدین دو گروہ بنے ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا جو غیر مقلد یا دہائی کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا۔ نثار روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے۔ ان کو کہتے ہیں، گلابی یا دیوبندی۔ بھلا میرے آقا دوسرے معرب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم مہجرہ دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے تَوْتُ الشَّيْطَانِ یعنی شیطانی گروہ نکلا گا۔ اردو میں تَوْتُ الشَّيْطَانِ کا ترجمہ ہے دیوبند۔ دیوار دوں کہتے ہیں شیطان کو اور بند یعنی گروہ تابع دیا۔ شناخت مقبوی ہے۔ یعنی بندو شیطان کی جگہ یعنی۔۔۔ لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں۔ اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے۔ دونوں محمد ابن عبد الوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔ اس کے عقائد کے حامی، چنانچہ دیوبندیوں کے عیشو امولوی رشید احمد صاحب لنگو ہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب التعلیق صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں۔

محمد ابن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا فضلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو بد

بڑھ گئے۔ ان میں فساد اُگیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اہمال میں فرق حقیقی نشانی
مانگی، جنیل کا سا ہے۔ رشید احمد۔

لیکن موجودہ زمانہ میں بقایہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں کیونکہ عام مسلمان انکو
پہچانی نہیں سکتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کیں کہ کوئی کھلا ہوا
مشرک بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا ہشتے ہیں اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے مفقذ الایمان میں حضور علیہ السلام کے علم کو با نوروں کے
علم کی طرح بتایا۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنی کتاب برہین قاطعہ میں شیطان اور
ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا۔ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے نماز میں
حضور علیہ السلام کے خیال کو گمراہی اور میل کے خیال سے ہٹ کر لکھا۔ مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے
تخذیر الناس میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ حضور
علیہ السلام کے بعد گمراہ بھی نبی آجائیں تب بھی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا خاتم کے معنی میں اصلی نبی دیگر
نبی عارضی ہیں۔ یہ جی مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں بروزی نبی ہوں۔ نرنیک مرزا غلام احمد اس
مسئلہ میں اُن ہاشاک درشید ہوا۔

ان صاحبوں کے یہاں توحید کے معنی میں انبیاء کی توہین جیسے کہ روافض کے یہاں حب علی کے
معنی میں گنہگار کلام حالاکہ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے اس نے حضرت آدم کی عظمت سے انکار
کیا۔ نبی کے سامنے نہ جھکا۔ پھر جو اس کا حشر ہوا وہ آج تک لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اس کی لادخول سے
تواضع کی جاتی ہے۔

اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کا ایک باننا، اس کے محبوبوں کی عزت و عظمت کرنا جس کی تعلیم ہے لا ایلہ
الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہ پہلے بزد میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ دوسرے میں عظمت مصطفیٰ کا
انداز آج کل جس جگہ بھی دیکھا گیا مسلمانوں میں اہل سنت اور دیوبندیوں میں جھگڑے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر جگہ
خاندہ جنگی ہے ہر کارخیز کو روکنے کی کوشش کہیں علم غیب پر بحث ہے تو کہیں حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر
ہونے پر تکرار کہیں محفل میلاد فاتحہ پر بحث کہیں مزارات اولیاء اللہ پر قبہ بنانے پر مناظرہ۔ اگرچہ ان میں
سے ہر ایک مسائل میں اہلسنت نے اعلیٰ درجہ کی تصانیف شائع فرمائیں جیسے مسئلہ تقلید میں انتصار الحق

معتقہ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا مصنفہ حضرت صدر الافاضل استاد می مرشد مولانا الحاج محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہ، مکتبہ فاتحہ وغیرہ میں انوار ساطعہ مصنفہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سیدل رامپوری اور مسئلہ حاضر و ناظر عروس و زیارت قبور و تمام مسائل میں تصنیفات اعلیٰ حضرت مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سترۃ العزیز وغیرہ۔ مگر خیال یہ تھا کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جو ان تمام بحثوں کی جامع ہو جس کے پاس وہ کتاب ہو وہ تقریباً ہر مسئلہ میں مخالف سے گفتگو کر سکے اور مسلمانوں کے عقائد کو ان لوگوں سے بچا سکے اس لیے میں نے حسبتہ اللہ اس کام کی ہمت کی۔ بہت تو کدوی مگر اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا بھجھ کھچھ کھچھ پورا پورا احساس ہے شروع کرنا میرا کام ہے اور اس کو اختتام پر پہنچانا میرے رب کے کرم پر موقوف ہے۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو زیادہ تفصیل منظور ہو وہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں کہ ایسی کتاب اس مسئلہ میں آج تک نہیں لکھی گئی اسی طرح دیگر مباحث میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سترۃ العزیز کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔

ہدایات

اس کتاب میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

- (۱) اپنے دعوے کی وضاحت۔
- (۲) اس کے دلائل قرآن و حدیث اور بزرگان دین، محدثین و مفسرین کے اقوال سے۔
- (۳) اس کی تائید مخالفین کی کتابوں سے۔
- (۴) مخالفین کے اعتراضات آیات قرآنیہ اور احادیث و اقوال فقہاء سے۔
- (۵) اعتراضات کے جوابات قرآن و احادیث و اقوال علماء کی روشنی میں۔
- (۶) اپنے دعویٰ کے عقلی دلائل۔
- (۷) مخالفین کے عقلی اعتراضات۔
- (۸) ان کے عقلی جوابات۔

۹) اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان کتابوں کا صفحہ نقل کیا جائے کیونکہ صفحے بدل جانے میں بکے باب اور فصل اور اگر تفسیر کا حوالہ ہو تو پارہ، سورۃ اور آیت۔

ناظرین اگر غور سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو ایک سمندر پار میں گئے جس سے بیش قیمت موتی حاصل ہوں گے اس کتاب میں سنت الفاعلی اور کج بختی سے پرہیز کیا گیا ہے اہل انصاف سے امید ہے کہ حق قبول کریں اور باطل سے پھیں کر اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے دَمًا تَوْفِیقِیْ اِلَّا بِاَللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْہِ اُنِیبُ۔

اس کتاب کا نام حضرت قبلہ عالم امیر ملت شیخ المشائخ قطب الوقت عالم ربانی پیر سید جامعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری مدظلہ العالی وراثت برکاتہم القدسیہ نے جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ تجویز فرمایا ہے میں نہایت فخر سے اس کتاب کو اسی نام سے موسوم کرتا ہوں اور اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اسم بامستی فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے۔ میرے لئے کفایت بناے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ضیوری نوٹ، مسلمانوں کا اصرار تھا کہ اس کتاب میں یمن مباحث اور زیادہ کیے جائیں سلطنت مصطفیٰ عصمت انبیاء میں رکعت تراویح۔ چنانچہ اس سے پہلے ایڈیشن میں یہ یمن بحثیں بڑھا دی گئیں اور بھی دلائل کی زیادتی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔

ناچیز احمد یار خاں نعیمی ادجوانوی بلوچی

ناظم مدرسہ نثریہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۳ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ بروز ایمان افزہ شنبہ مبارکہ

اس ایڈیشن میں مضامین اور دلائل بہت سے زیادہ کیئے گئے اور ایک رسالہ طلاق الاولہ فی حکمہ الطلاق
الثلثہ بڑھایا گیا۔ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی نہ کہ
ایک۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

الحمد للہ یہ کتاب اب ۲۸۵ اردو میں اٹھائیسویں بار چھپ رہی ہے اکثر بار دو دو ہزار چھپی اور
اللہ تعالیٰ کے فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، افریقہ، لندن و غیرہ
دور دراز ممالک میں پہنچی یہ سب رب تعالیٰ کی کرم نوازی ہے اس ایڈیشن میں بہت
تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ہے۔

احمد یار خاں نعیمی بدایونی

مدیرِ خوشیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ ۲۲ فروری ۱۹۶۶ء دوشنبہ

خوشنویس عنایت اللہ بقیام بھٹی محرم ڈاکخانہ ٹھٹھہ عالیہ تحصیل پھالیکہ ضلع گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

چونکہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کی جاویں گی۔ اور ان آیات کی تفسیر بھی بیان ہوگی۔ اس لیے تفسیر قرآن کے متعلق حسب ذیل باتیں لحاظ میں رکھنا ضروری ہیں۔
ایک تو ہے قرآن کی تفسیر، دوسری قرآن کی تاویل۔ تیسری قرآن کی تحریف، ان کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں میں اور علیحدہ علیحدہ احکام۔

۱) قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ بلکہ اس کے لیے نقل کی ضرورت ہے قرآن کی جائزہ تاویل اپنے علم و معرفت سے کرنا جائز اور باعثِ ثواب ہے، قرآن پاک کی تحریف کرنا کفر ہے۔
تفسیر قرآن کریم کے وہ احوال بیان کرنا ہیں جو عقل سے معلوم نہ ہو سکیں۔ ان میں نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا آیات کا نسخ و منسوخ ہونا۔ اگر کوئی شخص بغیر حوالہ نقل اپنی رائے سے کہے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں آیت کا یہ شان نزول ہے تو معتبر نہیں۔ بلکہ کہنے والا لنگھار ہے۔
۲) مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے:-

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلَيْسَ بَشَيْءٍ مَّقْعَدٍ مِنَ النَّارِ۔
جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا ہے۔
مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَاصَابَ مَقْعَدًا خَطَاً۔
جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے اس نے غلطی کی۔

اب تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔ تفسیر القرآن۔ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث۔ کیونکہ حضور علیہ السلام صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ۔ پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کے قول سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر۔
پھر تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر یا خود اعلا کلمۃ اللہ للعلماہ گوڑی قدس سرہ۔

۳) تاویل قرآن یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے مضامین اور اس کی باریکیاں بیان کرے۔ اور صرفی و نحوی

قواعد سے اس میں طرح طرح سے نکات نکالے۔ یہ اہل علم کے لئے جائز ہے۔ ان میں نقل کی ضرورت نہیں اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث نبویہ و اقوال نقباء سے ہے۔

رب کریم فرماتا ہے پارہ ۵ سورۃ نساء۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ لَوْ كَانُوا مِنْ عِنْدِ
غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ماتحت يَتَذَكَّرُونَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں يَتَذَكَّرُونَ وَيَتَفَقَّهُونَ
مَا فِيهِ یعنی کیوں نہیں غور کرتے اس کے معنی ہیں اور کیوں نہیں عقل سے دیکھتے۔ ان غویہوں کو جو قرآن میں ہیں۔

مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اول میں ہے کہ کسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور بھی عطیہ مصطفیٰ ہے علی الصلوٰۃ والسلام۔ تو فرمایا کہ
مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِنِ الْآخِرُ مِمَّا يُعْطَى
وَجُعِلَ فِي كِتَابِهِ۔

اسی حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔

وَالْمَعْرُومَةُ مَا يَسْتَنْبِطُ بِهِ الْمَعَانِي
وَيَذَرُكَ بِهِ الْأَشَارَاتُ وَ
الْعُلُومُ الْخَفِيَّةُ۔

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآنی معنی میں غور کرنا اور علم و عقل سے کام لینا اس سے مسائل کا استنباط کرنا جائز ہے۔ ہر جگہ نقل کی ضرورت نہیں۔

جمل حاشیہ جلالین میں ہے۔ أَصْلُ التَّفْسِيرِ
الْكَشْفُ وَأَصْلُ التَّأْوِيلِ الرَّجُوعُ وَعِلْمُ
التَّفْسِيرِ عِلْمٌ عَنْ أَحْوَالِ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ
وَدَلَّتْهُ عَلَى مَرَادِ اللَّهِ تَعَالَى بِحَسَبِ الطَّاقَةِ
الْبَصَرِيَّةِ ثُمَّ هُوَ قِسْمَانِ تَفْسِيرٌ وَهُوَ مَا لَا
يُذَرَّكَ إِلَّا بِالنَّقْلِ كَأَسْبَابِ التَّزْوِيلِ وَتَأْوِيلُ

تفسیر کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنی
ہیں لوٹنا علم تفسیر قرآن پاک کے ان حالات کا
جاننا ہے جو اللہ کی مراد کو بتائیں طاقت انسانی کے
مطابق پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو تفسیر و تفسیر وہ ہے جو نقل
کے بغیر معلوم ہو سکے اور ایک تاویل اور تاویل وہ
ہے جس کو سب تاویل سے معلوم کر سکیں پس تاویل

هَؤُلَاءِ يَكُونُ إِذْ رَأَوْهُ بِالْعَوَاكِدِ الْعَرَبِيَّةِ
فَقَالُوا مِمَّا يَتَخَلَّوْنَ بِالدَّرَاجَةِ وَالْأَيْمِ فِي جَوَارِ
النَّارِ يُبَلِّغُنَا بِالسَّرَّادِ بِسَرَّادِهِ دُونَ التَّغْيِيرِ
أَنَّ التَّغْيِيرَ كَشْرَاهِدَةٍ عَلَى اللَّهِ تَطْعُ بِاللهِ
عَمَى بِهَذَا اللَّفْظِ هَذَا الْمَعْنَى وَلَا يَجُوزُ إِلَّا
بِالتَّوَقُّفِ وَلَيْدَ اجْتِهَادِ الْحَاكِمِ بِأَنَّ تَغْيِيرَ
الْعَمَى فِي تَحْكِيمِ الْمَرْفُوعِ وَالنَّارِ يُبَلِّغُنَا
إِلَّا حَيْثُ الْمُحْتَكَاتِ بِدَلَالَةِ تَطْعُ -

کا تعلق فہم سے ہے اور تاویل کے واسطے سے جائز
ہونے میں اور تفسیر کے واسطے سے ناجائز ہونے میں
یہ ہے کہ تفسیر تو ان کے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس
کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہ
ہی معنی مراد رکھے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں کسی
لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابہ کی تفسیر مرزا حدیث
کے حکم میں سب سے زیادہ دلیل چندان حالات میں سے بعض
کو ترجیح دے دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین -

مرزا شرح مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں منی قال فی القرآن ان ہذا یہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔
یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی
قرأت میں اپنی طرف سے کلام کر کے لغت اور زبان
جاسنے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے شری
قائد و نگاہ لحاظ نہ رکھے بلکہ اس طرح کہہ دے جسکو اسکی عقل
چاہے حالانکہ یہ معنی ایسے ہوں کہ جن کا سمجھنا نقل پر موقوف
ہو جیسے کہ شان نزول اور ناخ و منسوخ -

أَمَّا تَكَلَّمَ فِي مَعْنَاهُ أَوْ فِي قِسْمَاتِهِ مِنْ تَلْقَاءِ
نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ تَتَبَعَ أَوَّلَ الْأَيْمَةِ مِنْ
أَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ
بَلْ بِحَسَبِ مَا يَقْنَعُ بِهِ عَقْلُهُ وَهُوَ مَا
يَتَوَقَّفُ عَلَى النُّقْلِ كَأَسْبَابِ النُّزُولِ وَالنَّاسِخِ
وَالْمُنْسُخِ -

ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر کے شروع میں ہے۔

بعض اہل علم صحابہ کرام وغیرہ سے یہ ہی روایت ہے
کہ وہ حضرات اس میں بہت سختی کرتے تھے - کہ
قرآن کی تفسیر بغیر علم کی جائے -

وَهَكَذَا أُرِيدَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ
أَصْحَابِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ
سَدُّوا فِي هَذَا أَنْ يُقَرَّرَ الْقُرْآنُ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اس حدیث کے حاشیہ میں مجمع البحار سے نقل فرمایا۔

یہ تو جائز نہیں کہ اس عبارت کی یہ مراد ہو کہ کوئی بھی
قرآن میں بغیر علم سے ہونے کو کچھ کلام ہی نہ کرے کیونکہ صحابہ
کرام نے قرآن کی تفسیر میں یقین اور اس میں بہت طرح

لَا يَجُوزُ أَنْ يُرَادَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ أَحَدٌ فِي
الْقُرْآنِ إِلَّا بِمَجْمَعِهِ فَإِنَّ الْقَاعَابَةَ كَسَدِ
قَسَرُوا وَأَخْتَلَفُوا أَقْبَى عَلَى وَجْهِهِ دَلِيلٌ

كُلُّ مَا قَالُوْهُ سَمِعُوْهُ مِثْلَهُ وَلَا تَنْهَ
لَا يَصِيْحُ دُعَاءُكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ
تَقَبَّلْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلَيْهِ التَّوْبَةُ -

ان میں اختلاف رہا اور ان کی سرایت تو سنی ہوئی تھی
نیز پھر حضور علیہ السلام کا یہ دعا فرمانا یہ کفار ہو گا کر اے
اللہ انکو دینی فقہ دے اور ان کو تامل سکھا دے۔

نیز حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم باب ششم میں فصل چہارم اس مقصد کے لیے مقرر کی ہے کہ قرآن کا
سمجھنا بغیر نقل بھی جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی علماء ظاہری
معنی کی تحقیق کرتے ہیں۔ اور صوفیائے کرام باطنی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو
سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ۷۰ اوسٹ بھر دوں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے
وہ فانی علوم کو بیان کر سکتا ہے۔ پھر جو حدیث میں یہ آیا کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کہے وہ خطا کا رعبہ
اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ جن باتوں کا علم بغیر نقل نہیں ہو سکتا۔ ان کو رائے سے بیان کرنا حرام ہے۔ دیکھو
اس کی پوری بحث احیاء العلوم شریف کے اسی باب اسی فصل میں۔

نیز ائمہ دین کا قرآنی آیات میں بڑا اختلاف رہتا ہے ایک صاحب کسی جگہ وقف کرتے ہیں۔ تو دوسرے
اور جگہ ایک صاحب اسی ایک آیت سے ایک مسئلہ نکالتے ہیں۔ دوسرے صاحب اس کے خلاف۔ جیسے کہ
تہمت زنا لگانے والے کی گواہی متشابہات کا علم وغیرہ۔ تو اگر آپ اپنے علم سے کلام الہی میں بالکل کلام
نہیں کر سکتے ہر بات کے لیے نقل کی ضرورت ہے تو یہ اختلاف کیسا۔

۴۳) تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنی یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلام یا اجماع
مفسرین کے خلاف ہو یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو اور کہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنی
ہیں۔ جو میں نے کہے یہ صریح کفر ہے جیسے کہ آیات قرآنیدہ اور قرائت متواترہ کا انکار کفر ہے ایسے ہی قرآن کے
متواتر معنی کا انکار کفر جیسے کہ مولوی قاسم صاحب نے حقائق النبیین کے معنی کیے۔ اصلی نبی۔ اور معنی آخری
نبی کو خیال عوام یعنی غلط کہا اور نبوت کی دو قسمیں کر ڈالیں۔ اصلی اور عارضی۔ حالانکہ امت کا اجماع اور
احادیث کا اتفاق اس پر ہے کہ حقائق النبیین کے معنی میں آخری نبی۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یا
بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ یہ تحریف ہے۔ اسی طرح ان کو ایم کی جن آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت
کی گئی ہے وہاں مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد غیر خدا کو پوجنا ہے جیسے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ خدا کے سوا ان کو نہ پوجو جو نفع نقصان نہ پہنچا سکیں۔

نیز قرآن کریم خود اس کی تفسیر فرماتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَحْمِلْهُ اللَّهُ سَعِيرًا (۱) اور دوسرے معبود کو چمچے

اب اس تفسیر اور اجماع مفسرین کے ہوتے ہوئے جو کہے کہ غیر اللہ کو پکارنا منع ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرتا ہے اس بحث کو خوب اچھی طرح خیال میں رکھنا چاہئے بہت فائدہ مند ہے اور آئندہ کام آئگی۔

تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں۔ (۲) تقلید کو کسی ضروری ہے اور کوئی منع (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے مکمل جوابات اس بیٹے اس بحث کے پانچ باب کیے جاتے ہیں

باب اول

تقلید کے معنی اور اس کے اقسام میں

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی۔ دوسرے شرعی۔ لغوی معنی میں۔ قلاوہ در کردن بستن گلے میں بار یا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جانتا یہ سمجھ کر اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّقْلِيدُ اتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ فِيمَا سَمِعَهُ يَقُولُ
أَوْ فِعْلَهُ عَلَى مَرَعٍ أَنَّهُ صَحِيحٌ وَلَا
تَقْلِيدُ فِي الدَّلِيلِ -

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا
اس میں جو اسکو کہتے ہوئے یا کہتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر
کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے بغیر دلیل میں نظر کیے ہوئے

نیز امام غزالی کتاب المستصفیٰ جلد دوم صفحہ ۴۸ میں فرماتے ہیں التَّقْلِيدُ هُوَ قَبُولُ قَوْلِ بِلَا حُجَّةٍ -

مسلم الثبوت میں ہے التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ تَرْجُوهُ ہوا پر بیان ہوا اس
تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا سر قول و فعل
دلیل شرعی ہے تقلید میں جو کتاب ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی
کہلا میں گئے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم
کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عاملوں کی بات یا ان
کے کام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی میں کتاب سے
دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا۔ کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی
معی نہ مانے بخلاف قول امام ابو حنیفہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مشد فرمادیں تو
بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہو گا یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی
کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں ائمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے
اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے جیسے طبیب لوگ علم طب میں بومل سینا کی اور
شاعر لوگ دانت، امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی و صرفی لوگ سید سرور اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی
طرح ہر پیشہ وراپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید
دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں
تقلید نہیں ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بڑھی
عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاب کی ہوئی شادی میں کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں
تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بومل سینا و منیر و کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو
جائز ہے اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے
والوں کی برائی فرماتا ہے۔

اور اس کا کہا نہ مانو جبکہ اہل ہم خط اپنی یاد سے غافل کر دیا

وَلَا تَطِيعُ مَنْ أَغْضَيْنَا قُلُوبَهُ عَنْ ذِكْرِنا

وَاتَّبِعْ صَوَاهِرَهُ وَكَانَ أَمْرُهُ قُرْطًا
مَسْدُورًا جَاهِذَاكَ عَلَى أَنْ تَقْتُلَ فِي مَالِكَيْنِ
لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِيعُوهُمَا۔

وَأَذِيقُوا قَوْمَهُمْ نَارًا مِمَّا نَزَّلَ اللَّهُ وَآلِي
الرَّسُولِ قَالُوا احْسَبْنَا مَا وَبَدَنَا عَلَيْهِ
أَبَاؤُنَا أَوْ لَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
عَيْنًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔

وَأَذِيقُوا قَوْمَهُمْ نَارًا مِمَّا نَزَّلَ اللَّهُ قَالُوا
بَلَى نَقْبِعُ مَا الْفَرِيقَانَا عَلَيْهِ
أَبَاؤُنَا۔

اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام دوسرے
گزر گیا۔ اور اگر وہ تجھ کے کوشش کریں کہ تو میرا شریک
بھی رہا تو اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔

اور جب ان سے کہا جاتے کہ ادا اس طوف ہو اللہ
نے اتارا اور رسول کی طوف کہیں جو کہ وہ بہت ہے
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے
باپ دادا کچھ نہ جانتے اور نہ راہ پر ہوں۔

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اشارے
ہوئے چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلے گئے جس پر
اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں
کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام
جائز ہو یا ناجائز۔ یہی شرعی تقلید اور آئمہ دین کی اطاعت۔ اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آیتوں
سے تقلید آئمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اس کا بہت خیال ہے۔

دوسرا باب

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل میں طرح کے ہیں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحتہ قرآن
یا یک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے
استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورہ ہود زیر آیت نَصِيْبُهُمْ غَيْرُ مَنْقُوضٍ
مِنْ دَفْنِ الْآيَةِ دَمَرُ التَّقْلِيدِ وَهُوَ تَبَوُّلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِإِلَازِلٍ وَهُوَ جَارِئٌ فِي الْفُرُوعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ

ذَلَا يَجُوزُ فِي أَصُولِ الدِّيْنِ وَالْإِعْتِقَادِ ثَابِتٌ بَلْ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْإِسْتِزْلَالِ اِذَا كُنِيَ سَمًّا
 پرچے کے توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فراتے
 سے یا کفر اکرے بلکہ دلائل توحید و رسالت سے کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید
 المفصول مع الافصل میں ہے۔

رَعَى مُعْتَقِدًا مَا آتَى عَمَّا تَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ
 السَّائِلِ الْغَرَضِيَّةَ مَا يَجِبُ اِمْتِنَادُهُ عَلَى
 كُلِّ مَكْلَفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ اِلَّا حَيْثُ دَهْمَا عَلَيْهِ اَهْلُ
 السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمَا الْاَشْكَرُ وَالْاَمْرُ بِتَرْكِهَا
 نیز تفسیر کبیر بارہ دس زیر آیت فَاجْزِءْ حَتَّى يَنْفَعَكُمُ كَلَامُ اللَّهِ میں ہے طَبَقَ الْاَلِيَّةُ تَدَلُّ عَلَى
 اَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرُ كَاثِبٍ فِي الدِّيْنِ دَأْسُهُ لَا بُدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْاِسْتِزْلَالِ صَرَحَ احْكَامِ میں
 بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا
 یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحت ہے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں
 یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ فقہ اکر میں لکھا ہے یا امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے بلکہ اس کے لئے
 قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد
 پر تقلید کرنا واجب ہے مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتایا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے
 نہیں اس کا بہت لحاظ ہے بعض موقع پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے
 مسائل نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب
 بھی اس امر میں آگیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مولائے احکام خبر
 وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر یزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہا کا قرآن و حدیث سے
 دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کے لئے ہوتا ہے وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام
 سے مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ کہ دلائل
 سے مسائل حل نہ کرے۔

تیسرا باب

کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مختلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے۔ جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات درمور سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ نسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت، وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو دیکھ بھولتے ہو۔ احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لیے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں (۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب الترتیب (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التیمیز و مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء (۷) مجتہد فی الشیخ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابو حنیفہ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم جمعیں۔

(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شریعہ فرمایا خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ جمعیں۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرمیں دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن سے متعلق آئمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طہاوی اور قاضی خان، شمس الآئمہ سمرخانی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریج وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، بل ان آئمہ میں سے کسی کے محل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

(۵) اصحاب ترتیب وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں

سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہذا اولیٰ یا ہذا صحیح دنیو جیسے صاحب قدوری اور صاحب بدایہ (۱۶) اصحاب تمیزہ حضرات میں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقوال میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی مذہبوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتادیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب حسن و جبر کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما رحمۃ حق ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جا رہا تھا کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں۔ اہل خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب اگیا کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دینا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارک کی ہوا کیو کہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابو حنیفہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے اصول اور قوانین پر بستے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر عمل ہے کہ کتب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت

ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی بیچ حدیث پاک اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی ہی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب صحیح من الاما اور اذ اصحہ الحدیث فہو مذہبی امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث بیچ ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مشکا اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مشکا کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصر سی تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکلوں کو انشاء اللہ حل کر دے گی اور بہت کام آویگا بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لیے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لیے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضور غوث پاک حضرت بابائے اسیطامی۔ شاہ بہاول الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام حقد بھی نکر کر میں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ کے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہدینے کیلئے کافی نہ ہوتا۔ تو جن بے چاروں کو امامی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا تھا میں نے اُن سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ تکوین کے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح و کنایہ ظاہر و باطن کتنے ہیں۔ ان بے چارے نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

چوتھا باب

تقلید واجب ہونے کے دلائل میں

اس باب میں ہم دو تفصیلات کہتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقایر کے دلائل ہیں۔ دوسری میں تقلید شخصی کے دلائل۔

فصل اول - تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور اہل اُمت اور اقوال مفسرین

سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے
احسان کیا۔ (سورہ فاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوئے اور تمام مفسرین
محدثین فقہاء و ادیار اللہ و غوث و قطب و امرا اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے
لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر و ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔
پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کہ تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں۔ کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

(۲) لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دَسَّحَهَا كَسِرَّةٍ بِقَرَّةٍ
اللہ کسی جان پر جوہ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرنا اور اس سے استنباط کرنا طاقت سے زیادہ بوجھ بڑا لٹا ہے۔ جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط لڑنا کیونکر ضروری ہوگا۔

اور سب میں اگلے پھلے و اجود انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو جوئے اللہ ای سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

معلوم ہوا کہ ان رائے سے راضی ہے جو مباہرین اور انصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی تقلید مولیٰ

۴۵) أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أَسَاقِطَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔
 اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور
 حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن، رسول علیہ السلام کی احادیث) اور والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء، مگر کلمہ اطیعوا اور جگہ لایا گیا۔ اللہ کے لئے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے لئے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہر ہی فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں مگر ان کو فرات عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں غلات نبی علیہ السلام دامام مجتہد کے کہ ان کا حکم ان کا سرکام اور ان کا کسی کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ عینوں چیزوں میں پیروی کی جارہے گی۔ اس فرق کی وجہ سے وہ جگہ أَطِيعُوا اِذَا اَمَرَ اَنْ تَفْعَلُوْا کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں تقلید کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرتے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہدین یا نتیجہ وہ بتی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوتے اور اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد ہو جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی۔ عالم کی نہ ہوئی بادشاہ کی ہوئی۔ یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحتہ قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ و دس دن ہے ان کے لئے حکم مَرْءَا طِيعُوا اللہ دو سرے وہ جو صراحتہ حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے لئے فرمایا گیا وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ قیصر ہے وہ جو نہ صراحتہ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ چاول مسنونہ کی حرمت قطعی ہے۔ اس کے لئے فرمایا گیا اُذْنِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ تین طرح کے احکام اور تین حکم۔

۱۵) فَاسْأَلُوْهُ اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ | تو اسے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔
 اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا مہرہ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ

اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کیے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

(۷) وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ اِنَّمَا

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

(۸) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَمْرٍ وَإِجْتِنَا ذُرِّيَّتَنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔

اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

تَفْتَدِي بِالْمُتَّقِينَ دِيْعَتِي بِمَا

ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

(۹) قُلْ لَا تَقْرَءُ مِنْ حَيْثُ فَتَايَةً وَلَا تَقْرَءُ لِيَسْخَرُوا مِنَ الدِّينِ وَلَا تَسْخَرُوا مِنَ الدِّينِ لَعَلَّكُمْ يَخْجَلُونَ۔

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے سرگودہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ ان کی سجدہ حاصل کریں اور آپس اگر اپنی قوم کو ڈر سناں اس امید پر کہ وہ بھی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر مجتہد بنا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض توفیقہ بین اور بعض دوسروں کی تقلید کریں۔

(۱۰) وَلَوْ رُدُّهُ إِلَى الْمَسْئُولِ وَالْأُولَى الْأَمْرُ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَخْطُونَ۔

اور اگر اس میں رسول اور امر وے لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان میں سے اس کی حقیقت جان لیتے وہ جو استخاط کرتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات کو پہلے استخاط کرنے والے علماء

کے سامنے پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ فرمادیں اس پر عمل کرے۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے لہذا اس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) يَوْمَ نَسُفُ السُّيُوفَ بِأَمَامِ مِصْرَ | جس دن ہرجامت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیگے۔
اس کی تفسیر تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

أَوْ مُقَدِّمٍ فِي الدِّينِ فَيَقَالُ يَا خُنْفَىٰ | یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جائے گا کہ اے خنفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلا یا جاوے گا۔ یوں کہا جائیگا کہ اے خنفی اے شافعی اسے مالکیو حملو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا۔ اس کو کس کے ساتھ بلا یا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیہ کلام فرماتے ہیں کہ بس کا کوئی امام نہیں۔ اس کا امام شیطان ہے۔

(۱۱) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَتُؤْمِنُ بِكَمَا آمَنَ الشُّرَقَاءُ | یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ جیسا کہ مخلص مومن ایمان لاتے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لاتے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے جو صالحین کا سامنہ۔ تو نہ سب بھی وہ ہی ٹھیک ہے جو نیک بندوں کی طرح ہوا۔ وہ تقلید ہے۔

اقوال مفسرین محدثین

دارمی باب الاقتدار بالعلماء میں ہے۔ أَخْبَرَنَا يَعْلَى قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ عَطِيَّةٍ وَأَطِيعٍ أَنَّ اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ قَالُوا أُولَئِكَ الْعُلَمَاءُ وَالْفُقَهَاءُ۔

تفسیر خازن زیر آیت۔

فَأَسَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

پس پوچھو تم ذکر والوں سے اگر تم نہیں جانتے

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ | تم ان مومنین سے پوچھو جو قرآن کریم کے علم میں۔

تفسیر منثور میں اسی آیت فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ کی تفسیر میں ہے۔

ابن مردودہ نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ فرماتے تھے کہ بعض شخص نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں حج اور جہاد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ منافق ہوئے ہیں عرض کی کہ یا رسول اللہ کس وجہ سے ان میں نفاق آگیا۔ فرمایا کہ اپنے نام پر طعن کرنے کی وجہ سے امام کون ہے فرمایا کہ رب نے فرمایا فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ

أَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرَّجُلَ يَصُومُ وَيَصُومُ وَيَحُجُّ وَيَحُجُّ وَإِنَّهُ لَمُنَافِقٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ بِمَاذَا دَخَلَ عَلَيْهِ النِّفَاقُ قَالَ لِيُطْعِمَهُ عَلَى إِمَامِهِ وَإِمَامُهُ مَنْ قَالَ تَالِ اللَّهِ فِي حَتَابِهِ فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

تفسیر صاوی سورہ کہف وَاذْكُرْ ذِكْرَكَ إِذَا نَسِيتَ کی تفسیر میں ہے۔

یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیوں کہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔

وَلَا يَجُوزُ تَقْلِيدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبَ الْأَرْبَعَةَ وَلَوْ دَاقَ قَوْلِي الشَّعَابَةَ وَالْحَدِيثَ الصَّحِيحَ وَالْآيَةَ فَالْخَارِجُ مِنَ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُضِلٌّ وَمَنْ بَدَأَ ذَلِكَ يُكْفَرُ إِنْ أَخَذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ أَصُولِ الْكُفْرِ۔

احادیث۔ مسلم جلد اول صفحہ ۵۵ باب بیان اِنَّ السَّابِقِينَ الصَّابِقَةَ میں ہے۔

تیسم داری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی۔ اور مسلمانوں کے امام کی اور عام مومنین کی۔

عَنْ تَيْمِيزِ الدَّارِمِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَدِثْتُ الصَّيِّعَةَ نُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَبِكَلَامِهِ وَلِيَسْؤُلِيهِ وَلَا يَمْتَنِعِ الْمُسْلِمِينَ دَعَا مَتِّهِمْ۔

اس حدیث کی شرح نووی میں ہے۔

یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دینی

وَتَدَيَّنَاوَلْ ذَلِكَ عَلَى الْأَمَّةِ الْبَاقِيَةِ

ہیں اور علماء کی خیر خواہی سے ہے ان کی روایت کی ہوں احادیث کا قبول کرنا اور ان کے احکام میں تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمان کرنا۔

هَمْ عَلَمَاءُ الدِّينِ وَإِنْ مِنْ تَبِيعَتِهِمْ
قَبُولُ مَا سَرَوْهُ وَتَقْلِيدُهُمْ فِي الْأَحْكَامِ
وَالْحَسَنَاتِ الْقَلْبِيَّةِ بِهٖ

دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بجا امام مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہو رہے جاہتا ہو کہ تمہاری لاعلمی توڑ دو اور تمہاری جماعت کو متفرق کر دے تو اس کو قتل کر دو۔

مَنْ آتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ
وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ وَيَفْرِقَ بَيْنَ
جَمَاعَتِكُمْ فَأَقْتُلُوهُ۔

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جائز نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا باب دُجُوبُ طَاعَةِ الْأَمْرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب البیوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لَا تَسْتَلُوا إِنِّي مَا دَامَ هَذَا الْخَبَرُ فِيكُمْ جِبْ تَكْ كَرِهَ لِمَا تَمَّ فِي رَأْيِي۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔ مَنْ تَوَلَّى أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ
شَيْئًا مَا سَتَعْمَلُ عَلَيْهِمْ رَجُلًا لَا يَعْلَمُ أَنَّ
فِيهِمْ مَنْ هُوَ أَوْلَى بِدَارِ الْإِلَهِ وَأَعْلَمُ مِنْهُ
بِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فَقَدْ خَانَ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھر ان پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن و حدیث کا جانتے والا ہے تو اس نے اللہ و رسول علیہ السلام اور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔

جو رہ جائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بقاؤ فی زمانہ بندہ تنائی و ہلاکی کن سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ چند آیات و احادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قیاس کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ توحیح تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مروجہ اس ہی تقلید کی حامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے ہوا راستہ پہلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اسکو درخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پٹنے کی ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ فَوُكِّلْهُ مَا يَوَدُّ وَيُضْلِهِ جَهَنَّمَ وَمَا لَهُ مِنْ صَاحِبٍ۔

جس سے معلوم ہوا کہ ہر راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتقاد بالكتاب والسنة میں ہے۔

بڑے گروہ کی پیروی کر دو کیونکہ ہر جماعت مسلمین سے علیحدہ راہ و علیحدہ کر کے جہنم میں بھیجا جائیگا۔ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اتَّبِعُوا السُّبُلَ الَّتِي كَفَّلَ اللَّهُ مِنْ شَرِّ مَا شَفَعَنِي النَّاسُ۔
نیز حدیث میں ہے۔ مَا سَأَلَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا قَرَّبَهُ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور تقلید ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہو وہ اجماع کا منکر ہو اگر اجماع کا اعتبار نہ کر دو تو خلافت صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کر دے وہ بھی تو اجماع امت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں خلفائوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے کانفر ہے دیکھو شامی وغیرہ ای

طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت دُکُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مجاہدین کو صادقین کہا اَدَلِّیْکَ شُعْبَةُ الصَّادِقِیْنَ اور پھر فرمایا دُکُونُوا مَعَ الصَّادِقِیْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی میں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

عقلی دلیل :- دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر چیز اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس نے تصنیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں تباریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری میل والے تقلید کرتے ہیں۔ نفسیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے۔

اِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ | جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنالیں

پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسند تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک داحیات طعنہ اور مسخران کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین

دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں:-

سوال (۱۱): اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقلد کیوں نہ ہوئے؟
جواب: صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا میں کرآمد دین امام ابو حنیفہ و شافعی و غیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ یاب فضائل الصحابہ میں ہے۔

اَسْتَحْبٰی کَالنَّجْوٰمِ بِاَتِهْمُ اِتْتَدٰیْتُمْ
 اِهْتَدٰیْتُمْ۔
 میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔

۲۔ تم لازم کمزور میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو یہ سوال تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ السلام کسی کے امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ السلام تو خود نبی ہیں سب آپ کی امت ہیں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ کرام تمام کھام میں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ بکترین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھیکا جو امام سے دور ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صنف اول کے مقدیوں کو بکترین کی ضرورت نہیں صحابہ کرام صنف اول کے مقدی ہیں۔ وہ بلاد وسطہ میں پاک مصطفیٰ علیہ السلام سے فیض لینے والے ہیں ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنا ایسے ہی حضور علیہ السلام۔ آب رحمت کے سمندر ہیں۔ اُن سینہ میں سے جو نہر امام ابو حنیفہ کے سینہ سے جوتی ہوئی آئی اُسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام جدا گانہ اور ان نہروں کی ہمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لیے ہے صحابہ کرام کیلئے نہیں۔

سوال (۱۲): رہبری کے لیے قرآن و حدیث کافی ہیں ان میں کیا نہیں جو کفر سے محال کریں قرآن فرماتا ہے
 وَلَا تَطِيعُوا الْاَوَّلٰی اِلَّا فَاِیْیَیْہِ الْکِتٰبِیْنِ ۝ اور نہ ہے کوئی زور خشک چیر جو ایک کُتُب میں بھی نہ ہو

اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّكٍ۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب سے آسان قرآن سب کے لیے آسان بھی ہے پھر کس لیے مجتہد کے پاس جاویں۔

جواب: قرآن حدیث بیشک راہبری کے لیے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہیے۔ سمندر میں توتی میں۔ مگر ان کو نکالنے کیلئے غوطہ خور کی ضرورت ہے۔ آئمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ آئمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ ان میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کیلئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لیے نبی کیوں آئے۔ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن حدیث روحانی دوا ہیں۔ امام روحانی طبیب

سوال (۴): قرآن کریم نے تقلید کرنے والوں کی برائیاں فرمائی ہیں۔ فرماتا ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ دُخْلًا وَأَنُتَّخَذُوا فِيهِ مَكِينًا۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔

وَإِنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ۔

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا۔

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے سامنے امام کی

بات ماننا طریقہ کفار ہے اور یہاں سنا ایک ہی ہے چار راستے حنفی، شافعی وغیرہ ٹیڑھے راستے ہیں غیور۔

جواب: جس تقلید کی قرآن کریم نے بُرائی فرمائی ہے۔ اس کو ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فِي يَهُودِيَّةٍ يَانَصْرَانِيَّةٍ وَغَيْرِهِ خِلَافِ اسْلَامِ رَاسْتِے مراد میں جتنی شافعی وغیرہ
چند راستے نہیں۔ بلکہ ایک شکیں کی چار سرکیں یا ایک دریا کی چار نہریں ہیں۔ در نہ پھر تو غیر مقلدین کی
جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے۔ چند راستے ہوتے ہیں۔ عقائد بدلنے سے چاروں مذہب کے
عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فزوی اختلاف ہے جیسا کہ خود صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔

سوال (۴) ہوتے ہوئے مسطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار

دین حق را چار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند !

جواب :- یہ شعر اصل میں چار اولیوں کا ہے ۔

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و کردار

دوسرا شعر بھی اس طرح ہے ۔

مسجد درخت علیحدہ ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے ۔

چار سل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں

آتش بابِ خاکِ ببادِ سب کا انبی سے ہے ثبات چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتاب میں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بنائے انسان کا
خیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچنا ناممکن کیونکہ
راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ عائد کعبہ کے اور گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حفظ
علیہ السلام کو کعبہ ایمان میں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لیئے۔ وہاں کس راستے سے وہاں پہنچینگے؟
کسی نے کیا خوب کہا ۔

مذہب چار چوں چہار راہ اند بہر منت جو جاہ و بیانی

خود کیے مینی از چہار طرف کعبہ را چوں تو سجدہ بنائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے

فقہ کی ضرورت ہے فقہ قرآن و حدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو

فقہ ہی بیان فرماتا ہے ۔

سوال ۱۵: تقلید میں غیر خدا کو اپنا حکم بنانا جہاد پر شرک ہے لہذا تقلید شخصی شرک ہے ب
 تعالٰیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحُكْمَ اِلٰہِیَّہِ | نہیں ہے حکم مگر اللہ کا

جواب: اگر غیر خدا کو حکم پاچھ بنانا شرک ہے۔ تو حدیث ماننا بھی شرک ہو نیز مارے عقیدین
 مفسرین شرک ہو گئے کیونکہ ترمذی ابو داؤد و مسلم وغیرہ حضرات تو معتقد ہیں۔ اور امام بخاری وغیرہ معتقد
 کے شاگرد و کچھ معنی شرح بخاری۔ ہم نے دیوان سالک میں اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ
 جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثین سالک ہوتے شرک بخاری و مسلم امام اعظم ابو حنیفہ!
 کہ جتنے فقہا محدثین میں تمہارے دشمن تھے خیر چاہیں یہ ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ!

جس روایت میں ایک فاسق راوی آجائے۔ وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے تو جس روایت میں
 کوئی معتقد آجائے تو شرک آیا لہذا وہ بھی باطل۔ پھر ترمذی و ابو داؤد تو خود معتقد ہیں شرک ہو گئے
 ان کی روایات ختم ہوئیں بخاری وغیرہ پہلے ہی ختم ہو چکی کہ وہ مشرکوں کے شاگرد ہیں اب حدیث کہاں
 سے لاؤ گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَانْعِثُوْا
 حَصْحَبًا مِّنْ اٰہِلِہِ وَحَکْمًا
 مِّنْ اٰہِلِہَا۔

اور اگر تم کو میان بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو
 ایک حکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک
 عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حکم بنایا۔ خود حضور علیہ السلام نے بنی
 قرظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰیٰ عنہ کو حکم بنایا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی
 حکم خدا ہے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سوا کے احکام میں۔ علماء فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث
 یہ تمام بالواسطہ خدا ہے تعالیٰ ہی کے حکم میں۔ اگر یہ معنی ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے تو
 آج تمام دنیا حج کا فیصلہ کچھ یوں کے مقدمات کو مانتی ہے۔ سب ہی مشرک ہو گئے۔

سوال ۱۶: قیاس مجتہدین ہے اور ظن کرنا گناہ ہے۔ قرآن میں اس سے ممانعت ہے۔ قرآن فرماتا ہے
 یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا
 کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ
 اِلٰہِیَّہٌ رَّیْبٌ لَّیْسَ بِحَدِیْثٍ

اسے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی
 گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب ڈھونڈو اور ایک
 دوسرے کی غیبت نہ کرو لہذا دین میں صرف کتاب و

بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔

سنت پر عمل چاہیے۔

اصل دین آمد کتاب اللہ مقدم داشتن
 پس حدیث مصطفیٰ از جان مسلم داشتن
 جواب۔ اس کا جواب غائے میں آدیکا کہ قیاس کے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں۔

سوال (۷) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جاوے۔ وہ ہی میرا مذہب ہے
 لہذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پاکہ چھوڑ دیئے انشاء اللہ غیر متقدموں کو اس سے زیادہ دلائل نہ
 ملیں گے ان ہی کو بنا بگاڑ کر یا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

جواب۔ بیشک امام صاحب کا یہ حکم ہے کہ اگر میرا قول کسی حدیث کے مقابل واقعہ ہو جائے
 تو حدیث پر عمل کرنا میرے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ یہ تو امام صاحب کا انتہائی تقویٰ ہے اور واقعہ
 بھی یہ ہے کہ قیاس مجتہدوں میں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں
 دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر علم رکھتا ہو کہ تمام احادیث پھر اس کی تمام تشابہات
 پر اطلاع رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر
 صحاح ستہ سے آگے نہیں ہوتی پھر کس طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں
 یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے (مقدمہ فقہ احمدیہ صفحہ ۴)

إِذَا بَلَغَ لَكُمْ مِثْرِي حَدِيثٌ فَأَعْرِضُوا عَنْهُ كَمَا
 اللَّهُ فَإِنَّ وَافَقَهُ فَأَقْبَلُوهُ وَإِلَّا فَارْجُوهُ

تو اگر کوئی چکرالوئی کہے کہ بہت احادیث چونکہ خلاف قرآن ہیں اس لئے ہم حدیث کو چھوڑتے ہیں
 قرآن میں ہے کہ میراث تقسیم کو حدیث میں ہے کہ نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ جس طرح یہ کلام وارد
 ہے تمہارا قول بھی رد ہے۔

سوال (۸) امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان کی روایات بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ سب ضعیف
 جواب۔ امام اعظم بہت بڑے محدث تھے۔ بغیر حدیث والی اس قدر مسائل کیسے استنباط ہو سکتے
 تھے ان کی کتاب مسند امام ابو حنیفہ اور امام محمد کی کتاب مؤطا امام محمد سے ان کی حدیث دانی معلوم ہوتی ہے
 حضرت صدیق اکبرؓ کی روایات بہت کم ملتی ہیں تو کیا وہ محدث نہ تھے کمی روایت استنباط کی وجہ سے ہے۔
 امام صاحب کی تمام روایات صحیح ہیں کیونکہ ان کا زمانہ حضور سے بہت قریب ہے بعد میں بعض روایات

میں ضعف پیدا ہوا بعد کا ضعف حضرت امام کو معزز نہیں جس قدر اساد برہمی ضعف بھی پیدا ہوا۔

لطیفہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذہب حق ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے حق تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کے صحیحے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے تو یا تو واجب ہوگی یا مکروہ۔ دونوں مسئلے صحیح کس طرح ہو سکتے ہیں۔

جواب : یہ ہے کہ حق کے معنی یہاں صحیح یا واقعہ کے موافق نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی کی پیروی کرو خدا کے یہاں پکڑ نہ ہوگی۔ کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ لیس معاذ اور مولیٰ علی اسی طرح عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں جنگ بھی ہوئی اور حق پر ایک ہی صاحب تھے مگر دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی پکڑ عند اللہ نہیں ہوگی جنگل میں ایک شخص کو خبر نہیں کہ قبہ کدھر ہے۔ اس نے اپنی رائے سے چار رکعت چار طرف پڑھیں کیونکہ رائے بدلتی رہتی یہ بھی منہ پھیرتا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا مگر نماز صحیح ہو گئی چاروں قبلہ درست ہیں۔ بلکہ مجتہد خطا بھی کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہاد کی خطا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی درستی رائے بیان فرمائی۔ مگر کسی پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا: **كَلَّا اَتَيْنَاكَ حُكْمًا وَّعِلْمًا** مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء میں ہے۔

اِذَا حُكِمَ بِالْحُكْمِ فَاجْتَهِدْ وَاَمَّا قَوْلُهُ
اَجْرَانِ وَاِذَا حُكِمَ فَاجْتَهِدْ فَاخْطَا
قَوْلُهُ اَجْرٌ وَاَحَدٌ (متفق علیہ)

جسکے حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے اور صحیح کرے
تو اس کو دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد
کرے اور خطا کرے تو اس کو ایک ثواب ہے۔

اس سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو جرم ہے کیونکہ شافعی حاکم شرع مجتہد سے فیصلہ کر کے رفع یدین کر رہا ہے اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہ کرایا۔ لہذا اگر صحیح بھی کرتا ہے تو بھی خطا کا رہے جیسے کہ آج حاکم کے بغیر فیصلہ کوئی شخص خود ہی قانون کو مانتا ہے کہ کوئی کام کرتا ہے مجرم ہے لیکن اگر حاکم کچھ بھی فیصلہ نہ کر رہا ہے کام کیا تو اس پر جرم نہیں۔ حاکم جوابدہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے تو بھی اس کی پکڑ نہیں دیکھو حضور علیہ السلام نے ہر کے قیدیوں سے محض قیاس پر نہ دیا پھر آیت اسکے خلاف آئی یہ معلوم ہوا کہ اس قیاس سے رب راضی نہیں مگر وہ نہ دیکھ کر یہ داپس نہ کرایا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا: **فَاَوْصُوا بِمَا اَنْتُمْ عَلَمٌ بِهٖ**

حَدَّثَنَا لَا طَبَّاءُ لَهُ مَالٌ كَمَا لَوْ مَلَّالٌ طَلَبَ، مَعْلُومٌ هُوَ أَنَّكَ مَنَظَرًا اجْتِهَادِيٌّ بِكَوْنِكَ يَكْفُرُ مَنِينٍ۔

حاقمہ قیاس کی بحث۔ شریعت کے دلائل چار ہیں، قرآن و حدیث، اجماع اُمت اور قیاس، اجماع کے دلائل تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حدیث کا بھی کہ عام جماعت مسلمین کے ساتھ رہو۔ جو اس سے علیحدہ ہو وہ جہنمی ہے۔

قیاس کے معنی لغت میں اندازہ لگانا اور شریعت میں کسی فرعی مسئلہ کو اصل مسئلہ سے حکمت اور حکم میں ملا دینا یعنی ایک مسئلہ ایسا دیکھ کر لیا گیا۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثل کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن و حدیث میں ہے اس کے حکم کی علت معلوم کر کے کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہذا اس کا یہ حکم ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ غلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ عادتِ حیف میں عورت سے جہاں حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ اور اس میں بھی پلیدی ہے لہذا یہ بھی حرام ہے۔ کسی نے پوچھا کہ جس عورت کے کسی کے باپ نے زنا کیا۔ وہ اس کے لیے حلال ہے یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت کے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے۔ ولی یا جزیہ کی وجہ سے لہذا یہ عورت بھی حرام ہے۔ اس کو قیاس کہتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ قیاس کرنا ایسا مجتہد ہو جس پر کس نہاں کا قیاس معتبر نہیں۔ قیاس اصل میں حکم شریعت کو ظاہر کرنا ہے خود مستقل حکم نہیں۔ یعنی قرآن و حدیث کا حکم ہوتا ہے مگر قیاس اسے یہاں ظاہر کرتا ہے قیاس کا ثبوت قرآن و حدیث لفظاً و عملاً ہے قرآن فرماتا ہے:

فَاَعْتَبِرُوا يَا اُولٰٓئِیْ اَلْبَصَارَ
تو عبرت لو اسے نگاہ والو۔

یعنی کفار کے حال پر اپنے کو قیاس کر دو اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔

نیز قرآن نے قیامت کے دن کو نیند پر اسی طرح کھیتی کے خشک ہو کر سرسبز ہونے پر قیاس فرما کر بتایا۔

اول سے آخر تک کفار کی مثالیں بیان فرماتی ہیں یہ بھی قیاس ہے۔ بخاری کتاب الاعتصام میں ایک باب انشاءً
بَابُ مَنْ شَبَّهَ أَحَدًا مَعْلُومًا
جو کسی قاعدہ معلوم کو ایسے قاعدے سے تشبیہ
يَا مُسْلِمِي مَسِيرِينَ قَدْ سَبَّحَ اللَّهُ حُكْمَهُ؟
وہ جس کا حکم خدا نے بیان فرمایا ہے تاکہ سائل
يَفْقَهُ بِهِ السَّائِلُ
اس سے سمجھ لے۔

اس میں ایک حدیث نقل کی۔ جس میں حضور علیہ السلام نے ایک عورت کو قیاس سے حکم فرمایا۔

اِنَّ اِمْرَاًا قَدْ جَاءَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ | ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی

وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَصُحَّ
أَنَا حَجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حَجِّي عَنْهَا أَوْ يَنْتِ
تَوْكَانَ عَلَى أَوْلَيْكَ دَعِيَ أَكُنْتُ تَقْضِيهِ
قَالَتْ لَعَنَهُ قَالَ أَقْضُوا الَّذِي لَكَ فَإِنَّ
اللَّهَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ -

اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذرمانی تھی، کیا
میں اس کی نذر سے حج کروں؟ فرمایا ہاں کرو اگر
تمہاری ماں پر قرض ہو تو تم اس کو ادا کرتیں عرض کیا
ہاں۔ فرمایا وہ بھی قرض ادا کرو جو اللہ کا ہے کیوں کہ
اللہ اسے قرض کا زیادہ مستحق ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الاولاد اور ترمذی جلد اول شروع ابواب الاحکام اور دارمی میں ہے
کہ جب حضرت معاذ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے یمن کا حکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟
عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا اگر اس میں نہ پایا تو عرض کیا اگر اس کے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس
میں بھی نہ پایا تو عرض کیا کہ۔

أَجْهَدُ بِرَأْيِي ذَلِكَ قَالَ فَصَوَّبَ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ
وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي دَفَّقَ رَسُولُ
رَسُولِ اللَّهِ لِمَا رَضِيَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ

اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا کہ
پس حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور
فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے
قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں
اس سے قیاس کا پر زور ثبوت ہوا۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں اجماع نہیں ہو سکتا
اس لیے اجماع کا ذکر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بہت سے احکام اپنے
قیاس سے دیئے حضرت امی سمور رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قیاس فرما کر مثل دلویا جو بغیر مہر

نکاح میں آئی اور شوہر مر گیا (دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۸۸)

نسائی شریف جلد دوم کتاب القضاء باب الحكم باتفاق اهل العلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت ہے
آن کے بعد سے جس پر کوئی فیصلہ پیش آجائے تو قرآن
شریف سے فیصلہ کرے اگر ایسی چیز پیش آگئی جو
قرآن شریف میں نہیں ہے تو اس سے فیصلہ کرے
جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا لیکن اگر ایسی
چیز پیش آجائے جو نہ تو قرآن شریف میں نہ رسول اللہ

فَتَرَى عَرَضًا لَهُ مِنْكَ قَضَاءٌ بَعْدَ أَيَّامٍ
فَلْيَقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ جَاءَهُ
أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلْيَقْضِ بِمَا تَقَضَى
بِهِ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ
جَاءَهُ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا تَقَضَى

بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْضِ
بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ جَاءَكَ
أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا قَضَى بِهِ
نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَضَى
بِهِ الصَّالِحُونَ فَلْيُجَاهِدْ رَأْسَهُ -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو اس پر
فیصلہ کرو جو نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو لیکن اگر وہ
چیز پیش آگئی جو نہ تو قرآن شریف میں ہے اور نہ
اس کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ صالحین
نے تو اپنے قیاس سے اجتہاد کرے۔

امام نسائی اسی حدیث کے متعلق اسی جگہ فرماتے ہیں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ هَذَا الْحَدِيثُ جَيِّدٌ

یہ حدیث بڑی کھری ہے بڑی کھری ہے۔

نسائی شریف میں اس جگہ حضرت قاضی شریح سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں دریافت کیا کہ میں فیصلے کیسے کروں تو آپ نے جواب دیا۔

فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ
وَلَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ نَبِيُّهُ رَسُولُ
اللَّهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي
سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ
بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي
كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ
لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُونَ
فَلْيُجَاهِدْ رَأْسَهُ -

انہیں حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قرآن شریف فیصلہ کرو۔
اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول اللہؐ سے فیصلہ کرو۔
اور اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول اللہ
میں تو اس سے فیصلہ کرو جو اللہ کے نیک لوگوں نے
فیصلہ کیا ہو (اجماع امت) لیکن اگر نہ تو وہ مسئلہ
قرآن میں ہو نہ سنت میں اور نہ ہی اس کے
متعلق صالحین کا فیصلہ ہو تو چاہو تو پیش قدمی
کر دو اور چاہو مہلت لو میں تمہارے لیے مہلت
ہی کو بہتر مانتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں میں کتاب، سنت، اجماع امت اور قیاس کا ایسا صریح ثبوت ہے کہ اس کا رد
انکار ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی تاویل۔ اب وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں اِجْتَنِبُوا الْيَتْرَافِينَ الْفَلَقِ
کہ بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر بدگمانیاں نہ کیا کرو اسی نے اس
آیت میں اس کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے ورنہ قیاس اور غیبت میں کیا تعلق جیسے رب تعالیٰ
فرماتا ہے اِنَّمَا النَّبِيُّ مِنَ الشَّيْطَانِ مَشْوَرَةٌ كَمَا أَنَّهُ شَيْطَانُ كَامٍ

ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشررے ہوں وہ شیطانی ہیں ایسے ہی یہ ہے اور جس قیاس کی برائیاں آتی ہیں۔ وہ وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پا کر قیاس کیا اور حکم الہی کو رو کر دیا یہ کفر ہے۔ غیر مقتدیہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا لَوْحٰی اِلٰی اِنَّمَا حَصَرَ کَیۡسَ ہے جس سے معلوم ہوا کہ سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جاسکتے نہ اجماع کی نہ قیاس کی صرف قرآن و حدیث کی پیروی ہو مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اجماع و قیاس پر عمل بھی قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے۔

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن و حدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کر دے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت چھپے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہو گا؟ اس میں بہتر ہے کہ کسی امام کا واسن پکڑ لو۔ اللہ توفیق دے۔

بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ بمنہ ذکر مہم

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل

غیب کی تعریف اور اس کے اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بدوئے عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لیے بڑی غیب نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ مجھے ایک شہر ہے۔ یہ تو اس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبود وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ

چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لیے اس وقت غیب ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور بنائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا عالم کہ کب ہوگی انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کران کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا فَلَا يَظْهَرُ عَلَيْهِ غَيْبُهُ أَحَدًا الْأَمِينَ الرَّضَىٰ مِنْ رَسُولِي تفسیر میضای یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے۔

وَالْمُرَادُ بِهِ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يَدْرِيهِ الْحَيُّ وَلَا تَقْتَنِيهِ بَيِّنَاتُ الْعَقْلِ۔ غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پاسکیں اور نہ بدبخت اس کو عقل پہنچا ہے۔

تفسیر کبیر سورۃ بقرہ کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُ جَمْعٍ هُوَ الْقَسِيرِينَ أَنَّ الْغَيْبَ هُوَ الَّذِي يَكُونُ غَايَةً عَنِ الْعَادَةِ ثُمَّ هَذَا يَنْقَسِبُ إِلَى مَا عَلَيْهِ رَبُّنَا وَإِلَى مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ۔ عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورۃ بقرہ یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے ماتحت ہے۔

وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحَيِّ وَالْعَقْلِ غَيْبُهُ كَمَا وَلَدَتْ بَحِيثٌ لَا يَدْرِيكَ بِوَاحِدٍ مِّمَّا ابْتَدَأَ بِطَرِيقِ الْبَدَآئِ وَهُوَ تَسْمَانٌ تَسْمُرُ لَمْ يَلِ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي أُرِيدَ بِقَوْلِهِ عِنْدَ مَفَاتِحِ الْغَيْبِ دَسْمٌ نَصَبَ عَلَيْهِ دَلِيلٌ كَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ۔ غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء حکم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔

فاسدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بوناگ سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان سے آواز کان

سے محسوس ہوتی ہے۔ تو رنگت زبان و کان کے ایسے غیب ہے اور بونگھ کے ایسے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اصفانی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور عارف پاک فرماتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَا هَؤُلَاءَ أَنْ نَعْلَمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ | تَمَرُّدٌ تَشْقِيقِي إِلَّا أَنَا لِي

کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ عالم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزر جاتا ہے۔ اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا سمیت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آ سکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب۔ جیسے حضور علیہ السلام نے آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہادند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کعبہ دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بند ریحہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جادو سے وہ علم غیب نہیں مثلاً کسی آدمی کے ذریعہ سے عورت کے پیٹ کا پتہ معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو اس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز جو اس سے معلوم ہونے کے قابل ہے آدھے سے جو پیٹ کے بچہ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا جبکہ آدمی نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آدمی چیر کر ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں تو علم غیب نہیں

دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند باتیں خوب خیال میں رکھی جاویں تو بہت فائدہ ہو گا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ بلکہ بری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لیے سیکھنا برا ہے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تقویٰ دوسرے

علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ بڑا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب دہتی
 تَلَّیْهُوَ اللّٰهُ میں تہائی قرآن کا ثواب ہے مگر تَبَّیْتُ یَدَیْنِیْں یہ ثواب نہیں دیکھو روح البیان پر
 آیت دَلُوْا کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ تَوْحِیْدٌ اِیْنِہِ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا لیکن کوئی آیت بڑی نہیں
 اس لئے کہ اگر کوئی بڑا علم ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا پر بانی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو
 خدا کی ذات و صفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بری چیزوں کا علم دیا۔
 اور وہی علم ان کی افضلیت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بری
 چیزوں کا علم بڑا ہوتا تو حضرت آدم کو یہ علم دے کر استاد بنایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز
 ہے کفر و شرک۔ مگر فقہا فرماتے ہیں کہ علم سیدہ بعض اور الفاظ کفریہ و شرکیہ کا جاننا فرض ہے تاکہ اس
 سے بچے۔ اسی طرح جہاد و سیکھنا فرض ہے دفع جہاد کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعِلْمُ الزَّیْنَاءِ وَعِلْمُ الْحَسْبِ وَالْعَجَبِ وَعِلْمُ الْأَلْفَاظِ
 یعنی علم پر یا اللہ حسد حرام اور کفریہ کلونما سیکھنا فرض ہے
 اور دلائل بہت ہی ضروری ہے۔

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم درمل میں فرماتے ہیں۔

دَفْنِ دَخِیْرَةِ النَّظَرِ تَعْلِمُہُ کَرَّ حَقِّ لِسَرِّهِ
 ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جہاد و سیکھنا فرض ہے
 اہل حرب کے جہاد کو دفع کرنے کے لئے۔

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم برے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی
 وجہ سے نہیں بلکہ بندوں کے حق میں یقین و جہول سے ہے الخ

اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شے کا بڑا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور
 علیہ السلام کو بری چیزوں، چوری، زنا، جہاد، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ
 خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لئے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ
 مانا یہ تو ایسا جہاد جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدا کے پاک بری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بری چیزیں پیدا
 کرنا بھی بڑا ہے۔ نفوذ باشد۔ اگر علم جہاد بڑا ہے تو اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے دو فرشتے مارت
 و مارت کیوں زمین پر اتارے؟ مومن علیہ السلام کے جہاد گردوں نے جہاد کے علم کے ذریعہ سے موتی علیہ
 السلام کی حقانیت پہچانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جہاد ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

وہ سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم صاحب نافو قوسی نے تحذیر القاس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملاہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا علم دے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لیے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

(۳) قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان و مایکون میں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و انبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لیے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر فرشتہ کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔

یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

تیسری فصل علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۱)

(۱) اللہ عز و جل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(۲) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت میں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔

(۱) قسم دوم ادبیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے سب سے جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ صد ہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۱) قسم سوم حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ جب ہوں گی۔

(۲) تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

(۳) حضور علیہ السلام کو تحقیق تدرج اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔

چوتھی فصل :- جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا

ضروری ہے جسے (ازاحتہ الغیب صفحہ ۸۴)

- (۱) وہ آیت قطعی الدلائل ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ شکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔
- (۲) اس آیت یا حدیث سے علم کے عطائی نفی ہو کر ہونے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرمایا میں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔
- (۳) صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔
- (۴) جس کے لیے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صفات الہیہ اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

پہلا باب

علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے ائمہ اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود مکتوبین کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اور آیات اللہ کے علم غیب کا بیان۔

پہلی فصل آیات قرآنیہ میں

(۱) وَ عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ - اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء لاکھ پر پیش کیں۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کو وہ تمام جنسیں دکھا دیں جس کو پیدا کیا ہے اور ان کو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَرَادَ الْأَجْنَاسَ الَّتِي خَلَقَهَا وَ عَلَّمَهُ أَنَّ طَعْنُ الرَّسْمِ قَسْرٌ وَ هَذَا الرَّسْمُ

كَبِيرٌ وَهَذَا السُّمُّ كَذَا وَمِنْ اِسْمِ
عَبَّاسٍ عَلَّمَهُ اِسْمُ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى
الْقُصَّةِ وَالْمَعْرِفَةِ -

اور اس کا نام اونٹ اور اس کا نام نکال دے حضرت ابن
عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیے
یہاں تک کہ یہاں اور چلو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ بھی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔
وَقِيلَ عَلَّمَهُ اَدَمَ اَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ
اَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَقِيلَ عَلَّمَهُ اللُّغَاتِ
كُلَّهَا -

کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے
نام سکھا دیے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام
اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔
قَوْلُهُ اَتَى عَلَّمَهُ صِفَاتِ الْأَشْيَاءِ وَتَقْوِيهَا وَ
هُوَ الْمَشْهُورُ أَنَّ الْمَرْءَ إِذَا اسْمَاءُ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ
خَلْقٍ مِنْ أَجْسَادِ الْمَخْدُوكَاتِ مِنْ جَمِيعِ
اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِي يَتَكَلَّمُ بِهَا وَلَدًا مَرَّةً
الْيَوْمَ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ وَالزُّبَيْدِيَّةِ

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے
حالات سکھا دیئے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق
میں سے ہر حادثہ کی جنس کے سارے نام ہیں
جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جبکہ اولاد آدم آج
تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔

تفسیر الرواسعور میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ اَسْمَاءُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ وَقِيلَ
اَسْمَاءُ خَلْقِهِ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ وَالْمَحْسُوسَاتِ
وَالْمُتَخَيَّلَاتِ وَالْمَوْجُودَاتِ وَالْهَمَمَةِ
مَعْرِفَةِ ذَوَاتِ الْأَشْيَاءِ وَاسْمَاءُ هَا
وَهَا وَصِفَاتِهَا وَمَعَارِفِهَا أَصُولُ الْعِلْمِ وَ
تَوَاضُعِ الصَّنَعَاتِ وَتَفَاصِيلِ الْأَشْيَاءِ
وَكَيْفِيَّةِ اسْتِعْمَالِهَا -

کہا گیا ہے کہ حضرت آدم کو گزشتہ اور آئندہ چیزوں
کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق
کے نام بتا دیئے عقلی، حسی، خیالی اور وہی چیزیں بتا
دیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے
ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنر و کمال، ان کے
اثر و رد کی تفصیل اور ان کے استعمال کے طریقے کا علم منتقل
آدم کو الہام فرمایا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا أَنَّهُ أَحْوَالُهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنَ الْمَنَافِعِ

اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان کے

الدَّيْنِيَّةَ وَالْدُّنْيَوِيَّةَ وَعَلَّمَ أَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ
وَأَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَأَسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ وَ
الْجَمَادَاتِ وَصَنَعَةَ كُلِّ شَيْءٍ وَأَسْمَاءَ الْمَدِينِ
وَالْقُرَى وَأَسْمَاءَ الطَّيْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ
وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ يَخْلُقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ
وَأَسْمَاءَ الْمَطْعُومَاتِ وَالْمَشْرُوبَاتِ وَكُلِّ
نَعِيمٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فِي الْخَيْرِ
عَلَّمَهَا سَبْعَ مِائَةِ أَلْفِ لُغَاتٍ -

میں دینی دنیاوی نفع میں وہ بتائے اور اگر فرشتوں کے نام انکی اولاد اور حیرانات اور حجابات کے نام بتائے اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام پر مندوں اور درختوں کے نام جو ہو چکا یا جو کچھ بھی ہو گا ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائیں گے ان کے نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر نعمت و رفیقہ ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے کہ حضرت آدم کو سنا دکھ زبانیں سکھائی گئیں۔

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا ماکان اور مایکوں کے مدارس علوم حضرت آدم علیہ السلام کو ویشے گئے زبانیں چیزوں کے نفع و ضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھا دیئے۔ لیکن اب میرے آقا و مولیٰ علیہ وسلم کے علوم کو تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔

شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ باب دہم میں فرماتے ہیں ۔

اَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَحَلِيفَتُهُ اَدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت آدمؑ تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو بھلا کر لیا جیسے کہ حضرت آدمؑ علیہ السلام کو سب نام سکھائے

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّضَتْ عَلَيْهِ الْخَلَاءُ
مِنْ لَذِيبِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ الشَّاعَةِ قَعَرَهُمْ
مَرَّضَهُ كَمَا عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا -

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔
 (۲) وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا | اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔
 تفسیر مزیدی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضور علیہ السلام اپنے خود نبوت کی وجہ سے
 ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے
 کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت
 کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع
 ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور
 تمہارے ایمان درجات کو اور تمہارے نیک با اعمال اور نیک
 اخلاق اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دینا میں
 حکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است بخبر نبوت ہر
 متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ
 و حقیقت ایمان و وصیت مجاہد کہ بل از ترقی محبوب
 ماندہ است کلام است پس درے شناسد گناہان شمارا
 و درجات ایمان شمارا و اعمال بدو نیک شمارا و اخلاق
 و نفاق شمارا انما شہادت اور دنیا بحکم
 شرع در حق امت مقبول واجب العمل
 است۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبر دار کے
 معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں
 اس طرٹ اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی
 گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا
 ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے
 معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے
 ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو ان کے ایمان
 کی حقیقت کو ان کے اچھے بُرے اعمال کو ان کے اخلاص
 اور نفاق وغیرہ کو خوب حق سے پہچانتے ہیں اور حضور
 علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے
 یہ حالات جانے لگی کہ حضور علیہ السلام کے نور سے

هَذَا أَصْبَغِي عَلَى تَقْوِيْمِنِ الشَّهِيدِ مَعْنَى
 الرَّقِيبِ وَالْمُطْلِعِ وَالْوَجْهَةِ فِي إِعْتِبَارِ تَقْوِيْمِنِ
 الشَّهِيدِ كَوِشَادَةِ إِلَى أَنَّ التَّعْدِيدَ يُلْ
 وَالْزُّكِّيَّةَ إِنَّمَا يَكُونُ عَنْ خُبْرَةٍ وَمَوَاقِفَةٍ
 بِحَالِ الشَّاهِدِ وَمَعْنَى شَهَادَةِ الرَّسُولِ
 عَلَيْهِمُ إِطْلَاعُهُ رَبَّنَا كُلَّ مُتَدَرِّجٍ بَدَائِلِهِ
 فَهُوَ يَعْرِفُ دُنُوبَهُمْ وَحَقِيقَةَ إِيْمَانِهِمْ
 وَأَعْمَالِهِمْ وَخَنَائِهِمْ وَسَيِّئَاتِهِمْ وَ
 إِخْلَاصَهُمْ وَنِفَاقَهُمْ وَغَيْرَ ذَلِكَ بِتَوَرُّ
 الْحَقِّ دَامَتْهُ يَعْرِفُونَ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ
 الرُّسُلِ بِتَوَرُّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَمْ يَوْتِيْ بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فَيَسْأَلُهُ عَنْ اُمَّتِهِ فَيُرِيْهِمْ
وَيُشْهِدُ بِصِدْقِهِمْ۔

پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا پس رب تعالیٰ
حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو
آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دیں گے۔

تفسیر بلذک پارہ ۲ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَوْمَ تَوْتٰى بِمُحَمَّدٍ فَيَسْأَلُ عَنْ حَالِ
اُمَّتِهِ فَيُرِيْهِمْ وَيُشْهِدُ بِعَدَالَتِهِمْ
وَيُؤَيِّدُ بِهِمْ وَيُعَلِّمُ بِعَدَالَتِهِمْ۔

پھر حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور آپ کی امت کے حال پوچھے
جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کریں گے اور انکی
عدالت پوچھی جائے گی پھر انکی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دیں گے۔

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الہی
میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں
گئے، تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کیے۔ رب تعالیٰ کا ایذا کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو
اپنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے مسلمان گواہی دیں گے کہ
خدایا تیرے پیغمبر تھے ہیں انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اول یہ کہ یہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں دقت اس دن باوجود کافر
کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پر بیہ گار کی گواہی قبول ہے، دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے
پیغمبر و نواز ما نہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے
محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے
رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ یہ لوگ
فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پرہیزگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان
سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان
اشمال روزہ، نماز و نیت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا
بھوکھ کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا

کہ خدایا الٰہی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی وَلَا یَبْلُغُ ذَاکَ الْفَلَجِ الْقَارَہُ ہذا تو ان کو غرق کر دے حضرت حضور علیہ السلام نے جس پختہ کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے بذور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوتی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی ابتدا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ نبی سچے ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خبر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہوتا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن بہ آیات القرآن میں دیکھو۔ اسی گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

۱۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا | اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ بنا کر ہم لاؤ گے۔
تفسیر غیاثی پوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لَا تَنْزِلُ رُوحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهِيدًا عَلَىٰ | اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام رگوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے
جَمِيعِ الْأَرْوَاحِ وَالْقُلُوبِ وَالنَّفُوسِ نَقُولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يُعَرِّضُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ | حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں لہذا آپ امت کو انکی علامات جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دیں گے۔
السَّلَامُ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ عَدْوَةٌ وَعَيْشِيَّةٌ فَيَعْرِفُهُمْ بِسَيِّئَاتِهِمْ أَعْمَالَهُمْ فَلِذَاكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ
تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ شَهِيدٍ أَعْلَىٰ مِنَ أَمَنِ بِأَلْوِيَانٍ وَعَلَىٰ | حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر ان کے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے اور منافقوں پر ان کے نفاق کے
مَنْ كَفَرَ بِالْكَفْرِ وَعَلَىٰ مَنْ نَاقَضَ بِالنِّفَاقِ
اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان

وفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لیے آپ سب کے ہی گواہ ہیں یہی تو علم غیب ہے۔

۴۴) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔
 وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور کچھ ان کے پیچھے

تفسیر: پورا میں ہی اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ أَرْبَابَاتٍ الْأُمُوتِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ
 حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے اولی معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال میں وہ بھی جانتے ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ الْأُمُوتِ الرَّدِّيَّاتِ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَفَنَجِ الْخَلْقِ وَغَضَبِ الرَّبِّ۔
 حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گنجائش اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں مَنْ ذَا الَّذِي سے لے کر الْإِنَّمَا شَاءَ اللّٰهُ تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان ہو گئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لیے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہوتا کہ نا اہل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت اس سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لیے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کہ جس کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کرنے کے لیے علم غیب لازم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا انجام کیا ہو گا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے وَلَا يَجِدُ طَوْنَ لَيْسَ مِنْ عَلَيْهِ إِلَّا يَمَاشَاءُ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَحْمِلُ أَنْ تَكُونَ الْهَامُ كُنَايَةً عَنْهُ عَلَيْهِ
السلام يَعْنِي هُوَ شَاهِدٌ عَلَى أَهْوَالِ هِمِّ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ سِيرِهِمْ وَمَعَامِلَهُ
هِمْ وَتَصْصِيهِمْ وَمَا خَلَفَهُمْ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ
وَأَهْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
شَيْئًا مِنْ مَعْلُومَاتِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ مِنْ مَعْلُومَاتِهِ
عِلْمُ الْأَوْثِيَاءِ مِنْ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ بِمَنْزِلَةِ
قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ أَنْجَارٍ وَعِلْمُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ
عِلْمِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَذِهِ الْمَنْزِلَةِ وَعِلْمُ
نَبِيِّنَا مِنْ عِلْمِ الْحَقِّ سُبْحَانَهُ بِهَذِهِ الْمَنْزِلَةِ
فَكُلٌّ مِنْ سُوْلِ وَتَجِي وَفِي أَحَدٍ وَدَرْ
يَقْدِرُ الْقَائِلِيَّةِ وَالْأَسْتَعْدَادِ
مِمَّا لَيْسَ لَهُ وَلَا يَحْدُ أَنْ يَعْدُدَ
أَدَيْتَقْدَمَ عَلَيْهِ

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي أَنْ يَطْلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَ
الرُّسُلُ وَلِيَكُونَ مَا يَطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ
غَيْبِهِ دَلِيلًا عَلَى نَبَوِّيَّتِهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
لَا يَظْهَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرٌ مِنْ سُوْلِ

تفسیر معالم التنزيل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْنِي لَا يَخْطِئُونَ شَيْئًا مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ
إِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا أَخْبَرَ بِهِ الرُّسُلُ

احتمال یہ بھی ہے کہ اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہیں
یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ کرنے والے
ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں ان کے اخلاق
معاملات اور ان کے قصے وغیرہ اور ان کے سچے کے حالات بھی
جانتے ہیں آخرت کے احوال جنتی و دوزخی لوگوں کے حالات اور
وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں
جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اور اللہ کا علم علم
انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندر
کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے
اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب
الغلیب کے سامنے اسی درجہ کا پس ہر نبی اور ہر رسول
اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق
حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ
حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

یعنی خدا تعالیٰ ان کو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء
ورسول ہیں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا ان کی نبوت
کی دلیل ہو جیسے رب فرماتا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا
اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس رسول کے جسے رب مانتی ہے۔

یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ
خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے کہ خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب نے تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعہ سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی یہ عظمت الہی علم غیب حاصل ہوا۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم علم اذکر کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اسے عام لوگوں کو علم غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چاہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

۵۱، مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رِّسَالِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

تفسیر سیادی میں اس آیت کے تحت ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُؤْتِيْ أَحَدًا كُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُطْلِعَ عَلَى مَا فِي الْقُتُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَإِيمَانٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ لِرِسَالَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُؤْتِيْ اللَّهَ وَيُخْبِرُكَ بِبَعْضِ الْمُغْتَبَاتِ أَوْ يُصِيبُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

تفسیر خازن میں ہے۔

لَكِنَّ اللَّهَ يُصْطَفِيْ وَيَخْتَارُ مِنْ رِّسَالِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت ہے۔

فَإِمَّا مَعَرَفَةٌ ذَٰلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْإِعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْأَنْبِيَاءِ (مَعْلُومُ الْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ أَنْ يُصْطَفِيْ مِنْ

خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دیتے تاکہ مطلع کرے اس کفر و ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیب کی انکو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے لاشعرا قائل فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کر لیں

لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبردار کرتا ہے بعض علم غیب پر

لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (مَعْلُومُ) معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا

رُسُلِهِ مَنِ يَشَاءُ قِطْلُهُ عَلَى الْغَيْبِ رِجَالِينَ
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغَيْبِ قَتَرًا
الْمُنَافِقِينَ قَبْلَ التَّمْيِيزِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُجَدِّدُ
يُجَنِّدُ مَنْ يَشَاءُ قِطْلُهُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أَطْلَعَ
الشَّيْءَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى حَالِ الْمُنَافِقِينَ

روح البیان میں ہے -

قَالَ غَيْبُ الْحَقَائِقِ وَالْأَحْوَالِ لَا يَكْشِفُ
يَلَا دَايِطَةَ الرَّسُولِ

ہے جن بتاتا ہے اس کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔
خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرے گا تاکہ فرق کرنے
سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے
جہانت لیتا ہے تو اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے
جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا

کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر
ہوتے البتہ رسول علیہ السلام کے واسطے سے -

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض عقلمند
نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان و مایکون بھی مذکور ہے۔ علم کا بعض ہے۔
اور تم کو سکھایا۔ جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا
تم پر بڑا فضل ہے۔ (مجلدین)

اللَّهُ عَلِيمٌ عَظِيمٌ
أَمَّا مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ
أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَأَطْلَعَكَ
عَلَى أَسْرَارِهِمَا وَأَوَفَّقَكَ عَلَى حَقَائِقِهِمَا
يَعْنِي مِنَ الْأَحْكَامِ الشَّرْعِ وَأُمُورِ الدِّينِ وَ
قَبْلَ عِلْمِكَ مِنَ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَقَبْلَ مَعْنَاهُ عِلْمَكَ مِنْ حَقَائِقِ
الْأُمُورِ وَأَطْلَعَكَ عَلَى صَمَائِرِ الْقُلُوبِ وَ
عِلْمَكَ مِنَ أَحْوَالِ الْمُنَافِقِينَ وَكَيْدِهِمْ
مِنْ أُمُورِ الدِّينِ وَالشَّرَائِعِ أَوْ مِنْ حَقَائِقِ
الْأُمُورِ وَصَمَائِرِ الْقُلُوبِ -

یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر)
اللہ نے آپ پر قرآن اُتار اور حکمت آداری اور اُکھو
اللہ کے مجیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔
یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور
کہا گیا ہے کہ انکو علم غیب میں وہ باتیں سکھائیں جو آپ
جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی میں کہ انکو چھپی چیزیں
سکھائیں اور لوگ ان پر مطلع فرمایا اور منافقین کے
مکر و فریب آپ کو بتادیئے (ملک)
دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوئی
باتیں دلوں کے راز بتائے۔

تفسیر حسین بن بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں -

”اَلْعِلْمُ مَا كَانَ دَمَا يَكُونُ هَسْتُ كَرَحِي سَجَانَهُ دَر شَبِ
اسرارِ ابدان حضرت عطا فرمود چنانچہ در حدیثِ معراج
ہست کہ من در زیرِ عرش بودم تظہر در حلق من رُفَعْتِ وَقَعْلَتْ
مَا كَانَ دَمَا يَكُونُ -
جامع البیان قَبْلَ تَزْوِيلِ ذَالِکَ مِنْ
حَقِیْقَاتِ الْاُمُوْر -

یہ ماکان اور یا کون کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شریعت
میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریعت
کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک طرف ہمارا حلق
میں ڈالیں ہم نے سارا گوشہ اور آئینہ کے واقعات علوم کر لیے
یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول
سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے
دی گئی۔ کلمہ ماعربی زبان میں علوم کے لئے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام
دین کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا
دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن و حدیث اور
امت کے عقیدے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

(۲) مَا قَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ
اِنَّ الْقُرْآنَ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْاَحْوَالِ
تفسیر نورا التزیل میں اسی آیت کے تحت ہے۔

یَعْنِي النَّوْحَ الْمُحْفُوظَ فَانَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلَىٰ
مَا يَجْبُرُ فِي الْعَالَمِ مِنْ جَلِيلٍ وَ دَقِيقٍ
لَمْ يُحْمَلْ فِيهِ اَمْرٌ حَيَوَانٍ وَ لَا جَمَادٍ
تفسیر وائس البیان میں اسی آیت کے تحت ہے۔

اَيُّ مَا قَرَطْنَا فِي الْكِتَابِ ذِكْرُ اَحَدٍ مِنَ
الْمَخْلُوقِ لِكُنْ لَا يَجُوزُ ذِكْرُهُ فِي الْكِتَابِ اِلَّا
الْمَوْثِقُ وَنَ يَا نُوَاسِرَ الْمَعْرِفَةِ -
یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ
چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ
جنگلی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔

امام شعرانی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از اذخال السنن صفحہ ۵۵
اَلَا تَرَىٰ اَنَّ اللّٰهَ عَنِ قُلُوْبِكُمْ اَفْعَالَ السُّدُورِ

لَا طَلْعُكُمْ عَلَى مَا فِي الصُّرُوفِ مِنَ الْعُلُومِ وَ
اسْتَعْمَلْتُمْ عَنِ النَّظَرِ فِي سِوَاهِ قِيَانٍ فِي
جَمِيعِ مَا رُفِعَ فِي صَفَحَاتِ الْوُجُودِ قَالَ اللَّهُ
تَعَالَى مَا فَطَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ -

تم ان علوم پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن
کے سوا دوسری چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ کیونکہ قرآن میں
تمام وہ چیزیں ہیں جو جوہر کے صفوں میں بھی ہیں رب تعالیٰ
فرماتا ہے۔ مَا فَطَرْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

اس آیت اور ان تفسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں
اب کتاب سے مراد یا تو قرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ
بھی جیسا کہ آیتہ اوسے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوتے
کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن و لوح محفوظ حضور کے علم میں۔

(۸) وَلَا تَرَىٰ طَبَقًا وَلَا يَابِسَ إِلَّا فِي كِتَابِ
مُتَيْنٍ ۝

اور نہیں ہے کوئی تر اور خشک جو روشن کتاب
میں نہ لکھا ہو۔

روح البیان، هُوَ اللّٰوْحُ الْمَحْفُوظُ فَقَدْ ضَبَطَ
اللّٰهُ فِيهِ جَمِيعَ الْمَقْدُورَاتِ اَلْكَوْنِيَّةِ لِقَوْلِهِ
تَوْجِيعَ اِلَى الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ -

تفسیر سیری ہی آیت، وَقَدْ لَا هَذَا الْكِتَابِ
أَمْوَرٌ أَحَدٌ هَا أَنَّهُ تَعَالَى لَكُنَّ هَذِهِ الْأَحْوَالُ
فِي اللّٰوْحِ الْمَحْفُوظِ لِتَقِيفِ الْمَلَائِكَةِ عَلَى يَقَازِ
عِلْمِ اللَّهِ فِي الْمَعْلُومَاتِ فَيَكُونُ ذَلِكَ عِبْرَةً
تَامَةً كَامِلَةً لِلْمَلَائِكَةِ الْمُؤَيَّدِينَ بِاللّٰوْحِ
الْمَحْفُوظِ لِأَنَّهُمْ يَقَابِلُونَ بِهَا مَا يَحْدُثُ
فِي صَحِيفَةِ هَذَا الْعَالَمِ فَيَحْدُثُ وَتَهُ مَوَاقِفًا
تفسیر خازن سیری آیت، وَالشَّيْءُ أَنَّ الْمَرْءَ أَوَّلَ الْكِتَابِ
الْمُتَيْنِ هُوَ اللّٰوْحُ الْمَحْفُوظُ لِأَنَّ اللَّهَ كَتَبَ
فِيهِ عِلْمَهُ مَا يَكُونُ وَمَا كَانَ كَانَ قَبْلَ أَنْ

وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ نے اس میں ساری ہونے
والی چیزیں جمع فرمادیں ان فائدہ دہکی وجہوں سے جو
بندوں کی طرف لوٹتے ہیں لگو ملاتے رہا بنے ہیں
اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ
ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لیے لکھا تھا تاکہ وہ
خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الہی جاری ہو جائے
پس یہ بات ان فرشتوں کے لیے پوری پوری خبر بن
جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان
واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرنے میں جو عالم میں
نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے طریق پانے
دوسری توجیہ یہ ہے کہ کتاب میں سے ملو لوح محفوظ
ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہو گا اور جو کچھ
آسمان زمین کی پیداوار سے پہلے ہو چکا سب علم

أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَفَاسِدَةً
يَحْصُرُ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا فِي هَذَا الْكِتَابِ يَتَقَيَّفُ
الْمَلَكُ عَلَى إِنْقَادِ عَلَيْهِ -

تفسیر: کہ یہی آیت ہے عَلَّمَ اللَّهُ الذَّلِجَ

تفسیر: نور القیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے -
كُلُّ ذَلِكَ فِي الذَّلِجِ الْمُحْفَظِ مُبَيَّنٌ
مِيْقَاتُهَا وَوَقْتُهَا -

لکھ دیا اور ان تمام چیزوں کے کھنے سے اس کتاب میں
نافذ یہ ہے کہ فرشتے اس کے علم کے جاری کرنے پر
واقف ہو جائیں -

وہ کتاب یا تو علم الہی ہے یا روح محفوظ

یہ تمام چیزیں روح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار
اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے -

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ روح محفوظ میں ہر شے کا وترانے والے چیز ہے اور روح
محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے
لہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں -

اور جو ہم تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے
ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی
ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیل
واجمالی -

اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں
اور اس میں سے امتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں
حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عالم میں کوئی شے
ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ مگر کچھ
ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے
کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں
کوئی ریت نہ ہو اور تمہارا دھل سا مان ہو -

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ
تفسیر: یہی آیت نَزَّلْنَا فَزَلَمْنَا عَلَیْكَ
الْكِتَابَ ہر قرآن تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بیان روشن ہر
ہم چیز از امور دینی و دنیا تفصیل و اجمال

تفسیر: روح البیان یہی آیت یَتَعَلَّقُ بِأُمُورِ الدِّينِ
مِنْ ذَلِكَ أَحْوَالُ الْأُمَمِ وَأَسْبَابُ هِمِّ
تفسیر: اقصان یہی آیت قَالَ فَجَاهِدْ يَوْمًا مَا
مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ الْأَخْوَفِ كِتَابِ اللَّهِ
فَقِيلَ لَهُ فَإِنَّ ذِكْرَ الْخَانَاتِ فَقَالَ فِي
قَوْلِهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا
غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ -

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر اونے والی چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ
نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا الذَّلِجُ ۵ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۵ یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں ہیں

۱۰) وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ -

جہاد میں یہ ہی آیت، تفصیل الکتاب تبیین
مَا كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا
رحم میں یہی آیت، آئی فی التَّوْحِيدِ الْمُحْفُوظِ
روح البیان یہی آیت، آئی وَتَفْصِيلَ مَا حَقَّقَ
وَأَثْبَتَ مِنَ الْعَقَائِدِ وَالشَّرَائِعِ وَفِي الْأَثَرِ
الْبَحْثِيَةِ آئی تَفْصِيلَ الْعَمَلَةِ الَّتِي هِيَ الْمُقَدَّمُ
الْمَكْتُوبُ فِي الْكِتَابِ الَّذِي لَا يَنْطَرِقُ إِلَيْهِ
الْحُجُومُ وَالْإِثْبَاتُ لِأَنَّهُ أَرَادَ بِآيِدِي -

اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی
تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔
یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا
دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔
یعنی لوح محفوظ میں تمام تفصیل ہے۔

یعنی یہ قرآن اُن شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی
تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلات غمیں
ہے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور
اس کتاب میں کچھ جا چکی ہیں جس میں رد و بدل نہیں ہوتا
کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

اس آیت و تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں اس آیت
پر نگاہ کر قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ وَلَا تَطْبَعُ
وَلَا يَأْبِسُ كَمَا فِي كِتَابِ مُبِينٍ اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ
لہذا سارا لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

۱۱) مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ
وَقَعِيرَانِ بِهِيَ آیت، یعنی فی ہذا الْقُرْآنِ
الْمُتَرَلِّ عَلَيْهِ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ
صَنَاجِعُ إِلَيْهِ مِنَ الْحَدَثِ وَالْحَرَامِ وَ
الْحُدُودِ وَالْأَحْكَامِ وَالْفَصَصِ وَالْمَوَاضِعِ
وَالْأَمْثَالِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ
الْعِبَادُ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ۔

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں
کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔
یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔ اے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی
آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام منزاتیں اور احکام
اور قصے اور فصیحیں اور مثالیں سال کے علاوہ اور
چیزیں جن کی تبدل کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات
میں ضرورت پڑتی ہے۔

یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا

تفسیر میں ہے وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ بَرِیَانِ ہر

چیز بلکہ محتاج باشد در دین و دنیا۔

مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى
(۱۲۱) الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

تفسیر معالم التنزیل و معنی یہی آیت خَلَقَ
الْإِنْسَانَ اِنِّی مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ
الْبَيَانَ یَعْنِی بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا یَكُونُ

تفسیر غارن یہی آیت ۔

قِيلَ ارَادَ بِالْإِنْسَانِ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ یَعْنِی بَيَانَ مَا كَانَ وَ
مَا یَكُونُ لِذَلِكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ یَعْنِی عَنْ خَبَرِ
الرُّؤُوسِ وَالْأَحْزَابِ وَ عَنْ یَوْمِ الْقِيَامِ ۔

روح البیان یہی آیت ۱ و عَلَّمَهُ نَبِیَّتًا عَلَیْهِ
السَّلَامُ الْقُرْآنَ وَ أَسْرَارَ الْأَلْوْهِیَةِ كَمَا
قَالَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔

تفسیر مدارک یہی آیت ۱ الْإِنْسَانُ أَيْ الْوَحْشُ
أَوَّادًا وَ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ ۔

و معالم التنزیل یہی آیت ۱ قِيلَ الْإِنْسَانُ
هَؤُلَاءِ مُحَمَّدًا عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ بَيَانُهُ عَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔

تفسیر حسینی یہی آیت ۱ یا جو محمد را یا موزانید

اور سکھایا ان کو جو ہر چکا ہے یا ہوگا ۔

ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ و

میں ضرورت ہو ۔ کتاب الامتاز لابی سراقہ میں ہے

علم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو
رجحان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی
جان نکر کو پیدا کیا ماکان و مایکون کا بیان اُس کو سکھایا
اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی
باتوں کا بیان سکھادیا ۔

کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھادیا گیا کیونکہ حضور
علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے
دن کی خبر سے دی گئی ۔

یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور
اپنی ربوبیت کے مجید سکھا دیئے جیسا کہ خود رب تعالیٰ
نے فرمایا کہ آپ کو سکھادیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے
انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام
یا حضور علیہ السلام ۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور
علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ
تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے ۔

یامراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو
اور سکھایا ان کو جو ہر چکا ہے یا ہوگا ۔

السلام کو دیا گیا۔

(۱۳) مَا أَنتَ بِنِعْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ يُحَبِّئُ لَكَ
تَفْسِيرُ رُوحِ الْبَيَانِ یہی آیت (یَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا
كَانَ فِي الْأَرْضِ وَمَا سَيَكُونُ إِلَّا الْآبَسُ
رَبِّكَ الْبَحْرُ هُوَ الشَّكْرُ بَلْ أَنْتَ عَلَیْهِمْ
كَانَ وَخَبِيرٌ بِمَا سَيَكُونُ)۔

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کی ثابت ہوا۔

(۱۴) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا
مُتَحَوِّضٌ وَنُلَعَبُ۔

تفسیر و مشہور طبری یہی آیت (مَنْ مُجَاهِدٌ أَنَّهُ
ثَالِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ
قَالَ سَرَجُلٌ مِّنَ الْمُنَافِقِينَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدٌ
أَنَّ نَاقَةَ فَلَانٍ بَوَادٍ كَذَا كَذَا وَمَا يَذَرِيهِ
بِالْغَيْبِ)۔

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے
کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
اس آیت کے نزول کے بارے میں وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ
کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
خبر دیتے ہیں کہ فلان کی اور مثنی فلان جنگل میں ہے
ان کو غیب کی کیا خبر۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جس کو
قرآن نے کفر قرار دیا۔

تو اپنے غیب پر کسی کو مستط نہیں کرتا سوائے اپنے
پسندیدہ رسولوں کے۔

(۱۵) فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ
أَمَرَ تَعْنِي مِنْ رَسُولٍ۔

تفسیر کہ یہی آیت (أَمَرَ تَعْنِي مِنْ رَسُولٍ
مِّنَ الْغَيْبِ الَّذِي لَا يُظْهِرُهُ اللَّهُ لِأَحَدٍ
يَا نَقِيلُ فَإِذَا أَحْمَلْتُمْ ذَلِكَ عَلَى الْقِيَمَةِ
تَكْمِيفٌ قَالَ إِلَّا مَنِ أَمَرَ تَعْنِي مِنْ رَسُولٍ مَّعَ
أَنَّهُ لَا يُظْهِرُ هَذَا الْغَيْبَ لِأَحَدٍ قُلْنَا بَلْ

یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے
ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرمائا پس اگر کہا
جاسدے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو
اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا کہ پسندیدہ رسول کو مالا مال
یہ غیب کو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب

يُظهِرُهُ عِنْدَ قَرِيبٍ الْقِيَمَةِ -

تفسیر عزیزی صفحہ ۱۴۳ - آچہ بہ نسبت بر مخلوق
غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت
و احکام کو فیروز مشربہ باری تعالی در بروز و مشربہ
و مثل حقائق ذات صفات او تعالی علی اسمائیل
از قسم غیب خاص او تعالی نیز می نامند فلا یُظهِرُهُ
عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا اِیْنِ مَطْلَعِ نَبِیِّ کَنْدِیْرِ غِیْبِ نَاصِحِ خُودِ
بِیْنِکُمْ لَکُمْ کَرَمِیْ لَکُمْ پَنْدِیْ کَنْدِیْ کَنْدِیْ کَنْدِیْ کَنْدِیْ
خُودِ اَزْ جَنْسِ مَلْکِ خُودِ اَزْ جَنْسِ مَشْرِیْ مَشْرِیْ مَشْرِیْ
عَلِی السَّلَامِ اَوَّلِ نَهَارِ اَحْسَنِ اَزْ نَوْبِ نَاصِحِ خُودِیْ فَرَمَاد -
و تفسیر غازی یہ ہے اَیْتِ اَلْاَمِنْ یَعْنِ طَیْفِیْہِ لَیْسَ اِلَیْہِ
و تَبْوِیْتِہِ فِی ظَہْرِہِ عَلٰی مَنْ یَشَاءُ مِنْ الْغَیْبِ
خَفِیْ یَسْتَدْلٰی عَلٰی تَبْوِیْتِہِ بِمَا یُخْبِرُ بِہِ
مِنْ الْمُخْتَبِیَّاتِ فِیْکُوْنُ ذٰلِکَ مُعْجَزَۃً لِّہِ
رَدِّیْ اَلْبَیَّانِ یہ ہے اَیْتِ قَالَ اَبْنُ الشَّیْخِ اَنَّہُ
تَعَالٰی لَا یُطْلِعُ عَلٰی الْغَیْبِ الَّذِیْ یَخْصُصُ بِہِ
تَعَالٰی مِنْہُ اِلَّا لِمَنْ تَقْضٰی اَلَّذِیْ یَکُوْنُ رَسُوْلًا
وَمَا لَا یَخْصُصُ بِہِ یُطْلِعُ عَلَیْہِ غَیْرُ الرَّسُوْلِ

تعالی قیامت کے قریب ظاہر فرمادے گا۔

جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے
جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر چیز
کے پیدائشی اور مٹنے کی احکام اور جیسے پروردگار کی
ذات صفات بر طریق تفصیل اس قسم کو رب
تعالی کا خاص غیب کہتے ہیں جس اپنے خاص غیب
پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو پسند
فرماوے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس
سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ
السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب پر ظاہر فرماتا ہے۔
سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کیلئے چاہن
یا اس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب کا کمال
نبوت پر دلیل کثرتی باد سے اُن غیب چیزوں سے جس
کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ اُن کا معجزہ ہوتا ہے۔

ابن شیخ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے
خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے بڑے بڑے رسول
کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر
رسول کو بھی مطلع فرمادیتا ہے۔

اس آیت اور ابن تفسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی
حضرت علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔
۱۶۰ قَدْ اَدْحٰی اِنِّیْ عَسِیْدٌ مَّا اَدْحٰی -
اب وحی فرمائی اپنے بند سے کہ جو وحی فرمائی۔

ما راج النہۃ جلد اول دمل رویت الہی میں ہے۔

معراج میں نے حضرت علیہ السلام پر جو اس سے علم

فَاَدْحٰی اَلَا یَہِیْہِمْ اَلْمَہْمُ مَعَارِفِ وَحَقَائِقِ وَبَشَارَاتِ

و اشارات اخبار و آثار و کلمات و کلمات در
محیط این ایام داخل است و بعد از اشل و کثرت و
غفلت اوست که بهیچ آرد و بیان نه کرد اشارات
آنکه چه علم غلام الغیوب در موبل محبوب بد آن محیط
تواند شد مگر آن چه آن حضرت بیان
کرد -

اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں نکلتا
وہی فرماتے وہ اس ایہلم میں داخل ہیں اور بکے شامل ہیں
انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ایہلم
ذکر کیا بیان نہ فرمایا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم
غیبیہ کو سوائے شب تعالیٰ اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں
احاطہ کر سکتا۔ ہاں جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو وہ وہ علوم عطا ہوئے۔ جن کو نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان و مایکون تو صرف بیان کے لئے ہے۔ ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی۔

(۷) دَمَاهُو عَلَى الْغَيْبِ بِضَمِّ يَنْ ۝ | ادر یہ نمی غیب بتانے میں مجمل نہیں۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کو اس سے مطلع فرما دیتے ہوں۔

وَمَا أُنْزِلَ بِهِ آيَاتٍ عَلَى الْغَيْبِ وَخَبِيرِ
الْأَمَلِ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَخْبَارِ الْقَصَصِ
بِضَمِّينِ أَيْ بِتَجْوِيدٍ يَقُولُ إِنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ
الْغَيْبِ فَلَا يَخْلُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يَعْلَمُكُمْ وَ
يُخَبِّرُكُمْ وَرَأَيْتُمُ كَمَا يَكُونُ الْكَافِرُ
(فَإِنْ يَرَى آيَاتٍ) يَقُولُ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَخْلُ بِهِ عَلَيْكُمْ
بَلْ يَعْلَمُكُمْ -

حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور ان خبروں و قصوں پر بخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ اس میں تم پر خیل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کامن چھپاتے ہیں ایسے نہیں چھپاتے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے تو تم پر اس میں خیل نہیں فرماتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں۔

اس آیت و عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں اور سکھاتے گا۔ وہ
 سی جو خود جانتا ہے۔

(۱۸) دَعَلَمْنَاهُ مِنْ كَدِّ تَائِلَمْنَا۔ اور ان کو اپنا علم لدنی عطا کیا یعنی حضرت خضرؑ کو

ایضاً دی میں یہی آیت، اِنِّیْ مِمَّا یَخْتَفِیُّ نَبَاؤُ
لَا یَعْلَمُہُ اِلَّا یَتُوْقِیْنَا وَہُوَ عِلْمُ الْعَلِیْب۔

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیْ حَبْرًا كَانَ
مِنْ جَلَدٍ یَعْلَمُ عِلْمُ الْعَلِیْب قَدْ عَلِمَ ذَلِكَ
(روح البیان یہی آیت) فَوَعْلَمُ الْعَلِیْبِ
وَالْمُخْبَارُ عَنْهَا یَا ذِیْہِ لَعَلَّہُ کَمَا مَآذِہِ
اَیْنِہُ ابْنُ عَبَّاسٍ۔

(تفسیر دارک یہی آیت) یَغْنِی الْاِخْبَارُ
بِالْعَلِیْبِ وَقِیْلَ اَلْعِلْمُ السَّدَاقِیُّ مَا
حَصَلَ لِلْعَبْدِ یَطْرُقُ اِلَیْہَا۔
(تفسیر خازن یہی آیت) اِنِّیْ عِلْمُ الْبَاطِنِ اِلَیْہَا۔

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔
جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم
ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَكَذَٰلِكَ نُرِیْ اِبْرٰہِیْمَ مَلٰٓئِکَتِنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِنْ۔

(تفسیر خازن یہی آیت) اَقِیْمْ عَلٰی صَحٰفَہٗ وَ
کَشِفْ لَہٗ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رَیَ الْعَرٰشَ
وَاکْکُرْ سِیِّئَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَکَشِفْ لَہٗ
عَنِ الْاَرْضِ حَتّٰی نَظَرَ اِلِیْ اَسْفَلِ الْاَرْضِیْنِ
وَمِنْ اٰی مَا فِیْہَا مِنَ الْعَجَایِبِ۔

(تفسیر دارک یہی آیت) قَالَ مُجَآہِدٌ فُرِجَتْ لَہٗ

حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں یعنی
ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے۔

حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰ سے کہ تم میرے
ساتھ صبر کرو کیونکہ وہ خضر کو غیب جانتے تھے کہ انہوں نے کیا
حضرت خضر کو جو لدی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے
اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا
کہ اس طرف ابن عباس لگے ہیں۔

یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں دیں اور کہا گیا ہے
کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ
پر حاصل ہو۔

یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا
اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔

جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم
ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری
بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صغیرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان
کیلئے آسمان کھول دیئے گئے یہاں تک کہ انہوں نے موش
کرسی اور کچھ آسمانوں میں سے دیکھ لیا اور آپ کیلئے
زمین کھول گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمین کی کچی زمین
اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔

مجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لیئے ساتوں

الْمَمُوتِ السَّيِّعِ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِمْ
حَتَّىٰ اِنْتَهَىٰ نَظْرُهُ إِلَى الْعَرْشِ وَفَرِحَتْ
لَهُ الْأَرْضُ صَوْتِ السَّيِّعِ حَتَّىٰ نَظَرَ إِلَى مَا
فِيهِمْ -

روح الیوان یہی آیت عجائب و بدائع
آسمانہ میں ہمارے عرشِ ماعت الثریٰ پر منکشف

آسمان کھل دیتے گئے ہیں انہوں نے دیکھ لیا۔
جو کچھ آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش
تک پہنچ گئی اور ان کے ایسے سات زمینیں کھلی گئیں
کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔
ابراہیم کو آسمان درمیان کی عجائبات و غرائب دکھا
اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھل دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے تحت ہے -

إِنَّهُ جَلَّ لَهُ الْأَمْرُ وَهُوَ دَعَا رُسُلَهُ فَلَمَّا
يَخْفُ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِ الْخَلَائِقِ -
(تفسیر کبیر یہی آیت) إِنَّ اللَّهَ شَقَّ لَهُ السَّمَوَاتِ
حَتَّىٰ تَرَأَىٰ الْعَرْشَ وَ الْكُرْسِيِّ وَ إِلَى
حَيْثُ يَنْتَهَىٰ إِلَيْهِ قُوَّةُ الْعَالَمِ
الْجَمْعَانِ وَ تَرَأَىٰ مَا فِي السَّمَوَاتِ مِنْ
الْعَجَائِبِ وَ الْبَدَائِعِ وَ تَرَأَىٰ مَا فِي بَطْنِ
الْأَرْضِ مِنْ الْعَجَائِبِ وَ الْغَرَائِبِ -

حضرت ابراہیم پر کھلی پوشیدہ تمام چیزیں کھلی گئیں
پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا
یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہان تک جہانی
علم کی فرقت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و
غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور
وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے
پیٹ میں ہیں۔

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو
دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے
تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی۔ اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان
کر چکے۔ لہذا ماکان دیا کیون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا۔ اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام
حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ كَمَا طَعَمْتَنَا مِنْ قَانِهِ إِلَّا نَبْتُكُمَا يَتَا وَيْلِهِ۔ اس کی
تفسیر میں روح الیوان و کبیر و خازن میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ و آئندہ کے

سارے حالات بتا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔
 ذَلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّیْ۔
 یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔
 اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطر ہے اور عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ
 فِی بُيُوتِكُمْ۔
 میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے
 ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام موجود نہیں تھے اور انکی خبر آپ باہر سے رسے میں
 یہ ہے علمِ غیب۔

۱۲۱) یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن
 أَشْيَاءٍ إِن تَسْأَلُوا تُكَذَّبُوا۔
 اے ایمان والو ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ
 اگر تم پوچھا کر دی جاؤ گے تو تمہیں ناکار ہوں۔

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عن ابن عباس قَالَ كَانَ قَوْمٌ
 یَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَخْرُوا الرَّجُلَ مَنْ أَنَّى يَقُولُ الرَّجُلُ
 أَنَّى نَأْفِيكَ فَأَقُولُ اللَّهُ فِيهِمْ هَذِهِ آيَاتُهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن أَشْيَاءٍ۔
 تسمیہ۔ مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات
 میں کُلُّ شَيْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَا لَكُمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ وحی پر
 اس کے پیشے چن دلائل لاتے ہیں۔

۱۱) کُلُّ شَيْءٍ غیر متناہی ہے انہما میں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدہ
 سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

۱۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلُّ شَيْءٍ کے معنی کیے ہیں مِیْنِ أُمُورِ الدِّیْنِ یعنی دین کے احکام
 جیسے جلالین وغیرہ۔

۱۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَيْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے
 أُوتِیْتُمْ مِّنْ کُلِّ شَيْءٍ لِّقِیْسٍ کُلُّ شَيْءٍ دی گئی۔ حالانکہ لقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں

گمیرہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں:-
عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ ماعوم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس
میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث آمادہ سے
بھی خاص نہیں بنا سکتے چربا کیجئے محض اپنی رائے سے۔

۱) كُلُّ شَيْءٍ غَيْرُ مُتَنَاهٍ نَبِيٍّ۔ بلکہ متناہی ہیں۔ تفسیر کبیر زیر آیت وَ أَخْطَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا
قَلْبًا لَّكَ شَكٌّ اِنْ اِخْصَاءَ الْعَدَدِ اَيَّمَا يَكُونُ
فِي الْمُتَنَاهِي فَاَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّهَا لَا تَدُلُّ
عَلَى كَوْنِهِ غَيْرَ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّيْءَ عِنْدَ نَاهٍ
الْمَوْجُودَاتِ وَالْمَوْجُودَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ
تفسیر روح البیان میں اسی آیت وَ أَخْطَى كُلِّ شَيْءٍ کے ماتحت فرمایا۔

اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ
معلوم و غیر موجود شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی
ہوتی تو چیزیں غیر متناہی رہنے لگتا اور جو باتیں۔ اور
حیز و کما شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں
کیونکہ عدد سے شمار متناہی کی ہو سکتی ہے۔

۲) اگر بہت سے مفسرین نے كُلِّ شَيْءٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لیئے ہیں تو بہت سے
مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو
ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

۳) اور انوار بحث تعارض میں ہے۔ وَالْمُتَنَاهِيَةُ اُولَى مِنَ النَّاسِ فِي ثَابِتِ كَرْنِ وَالْءِ دَلَالِ نَفْيِ كَرْنِ
والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ توضیح تفسیر دل کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کثرت ہے
لہذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز كُلِّ شَيْءٍ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے اہل سنت کے اقوال سے ہم بیان
کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں کچھ
چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالحدیث اور تفسیر دل سے بہتر ہے لہذا حدیث ہی کی تفسیر مانی جاوے گی۔

نیز جن مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تَقْنِیْکُمْ الْحَسْرَ یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سی چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو کھل شئی آیا ہے۔ دہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کھل شئی سے مراد سلطنت کے کاروبار کی کل چیزیں ہیں۔ اس لئے وہاں گویا عجازی معنی مراد شئے گئے یہاں کو نسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے کھل شئی کے حقیقی معنی اچھوڑ کر عجازی معنی مراد شئے عجازی خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہد ہد کا قول نقل فرمایا کہ اس نے کہا اَوْ دُنِیَّتْ مِیْنِ کھل شئی بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر دی۔ ہد ہد سمجھا کہ بلقیس کو دنیا بھر کی تمام چیزیں مل گئیں مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ نَبِیُّنَا اِنَّکَ لَکَ شَیْءٌ ہَد ہد غلطی کر سکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اس نے تو یہ بھی کہا اَوْ دُنِیَّتْ مِیْنِ عَظِیْمَہٗ کیا تخت بلقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ کھل شئی سے مراد یہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَلَا تَطِیْبُ وَلَا یَا لَیْسَ اِلَّا فِی کِتَابِیْنِ عِیْنِیْنِ کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جو لوح محفوظ یا قرآن کریم میں نہ ہو پھر آنے والی احادیث اور علماء اور محدثین کے قول بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا حضور علیہ السلام کو علم دیا گیا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ بتائیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے ساتھ ایسا ہے۔ جیسا ایک طشت۔ اور ابلیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگاتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہذا اثابت ہو کہ حضور علیہ السلام کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعہ ہر حال میں ثابت ہے۔ وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ۔

دوسری فصل

علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم ہزار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدء الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔
 قَامَ قَيْنَا مَرْسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدءِ الْخَلْقِ حَتَّى
 دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ
 مَنَازِلَهُمْ حَقِيقَةُ ذَلِكَ مَنْ حَقِيقَةُ وَ
 نَسِيَةٍ مَنْ نَسِيَةٍ۔

حضرت علیہ السلام نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا۔
 پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک
 کہ صحنی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی
 میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا
 وہ بھول گیا۔

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی۔ ۱۔ عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح
 ہوئی ۲۔ پھر عالم کی انتہا کس طرح ہوگی یعنی از روز ازل تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ و قطرہ بیان کر دیا
 (۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے روایت عمر ابن الخطاب اسی طرح منقول ہے مگر اس
 میں اتنا اور ہے۔

فَأَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ
 الْقِيَامَةِ فَأَعْلَمْنَا أَحْفَظْنَا۔

ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک کے
 ہیں پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔

(۳) مشکوٰۃ باب الخلق میں بخاری و مسلم سے روایت حضرت حذیفہ سے۔
 مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ إِلَى
 يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَقِيقَةُ مَنْ
 حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی
 چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد
 رکھا یا یاد رکھا بھول گیا وہ بھول گیا۔

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے روایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔
 إِنَّ اللَّهَ رَدَّىٰ لِي الْأَرْضَ مِنْ قُرْبَىٰ مِثْلَ مَشْرِئِي

اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی پس میں نے

الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا۔

زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے۔

ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دوست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جسکی ٹھکانہ ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔

رَوَيْتُ مِنْ أَبِي عَمْرٍو وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ
فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ
بُؤْدَ هَاتَيْنِ شَرِّ بَعِي فَقَلِمْتُ مَا فِي
التَّكْوِيَةِ وَالْأَرْضِ۔

(۶) شرح مواہب لدینیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمایا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک جوڑا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ دَفَعَنِي إِلَيْنَا فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا
وَأِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ
كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا۔

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

پس ہمارے لئے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لی

فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ دَعَرْتُ۔

(۸) مستدام احمد بن حنبل میں بروایت ابو زر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

ہم کو حضور علیہ السلام نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا۔ مگر اس کا ہم کو علم بتا دیا۔

لَقَدْ تَرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَا يَحْرُكُ طَائِرٌ جَنَاحَهُ إِلَّا ذَكَرْنَا مَنَّهُ عَلَانًا۔

(۹) مشکوٰۃ باب الفتن فصل ثانی میں حضرت حدیثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

میں نے چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلائیوں کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بتلایا۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ
قَائِدٍ فِتْنَةٍ إِلَى أَنْ تَقْضَى الدُّنْيَا يَلُغُ مِنْ
ثَلَاثٍ مِائَةٍ فَصَاعِدًا قَدْ سَمَاهُ لَنَا بِاسْمِهِ
وَأَسْمِ آبِيهِ وَأَسْمِ قَبِيلَتِهِ زِدَادُ أَبُو دَاوُدَ۔

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ملکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑہ کو زمین لگانے کا حکم دیتے تھے

خَفِيفٌ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنُ أَنْ فَكَانَ يَأْمُرُ
دَوَابَّهُ فَعَسَرَ جُ قَبِيعَرُ الْقُرْآنُ أَنْ تَبْلُ

أَنْ تُسَرِّحَ

یہ حدیث اس جگہ اس بیانیہ گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازاول تا آخر وقت بیان فرمادیتے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت واؤدان کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔
(۱۱) مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تِلْدُ قَاطِمَةً إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَلَّامًا يَكُونُ فِي حَجْرِكَ - حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند پیدا ہوگا۔ جو قبری پرورش میں رہے گا۔

(۱۲) بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرِ بْنِ يَعْدَبَانَ فَقَالَ إِنَّهُمَا يَعْذَّبَانِ وَمَا يَعْذَّبَانِ فِي كَيْبَرٍ أَمْ أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَهُ لَيْسَتْ لَهُ مِنَ الْبُؤْسِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً وَطَبَّهَ فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرِ وَاحِدَةً وَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يَخْفَقَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا - حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی دشواریات میں عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے بچتا تھا اور دوسرا چٹائی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ لے کر اسکو آدھا آدھا چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔

(۱۳) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسْأَلُوا عَنْ شَيْءٍ أَنْ تَبْدَأَ لَكُمْ بِهِ۔

ثُمَّ عَلَى الْمُنْبَرِ كَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنْ يَكُنَّ يَوْمَئِذٍ أُمُورٌ عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ أَحَبَّ أَنْ يُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلَيْسَتْ عَنْهُ قَوْلَ اللَّهِ لَا تَسْأَلُوا فِي شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرَكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ إِنْ مَدَّحِي قَالَ الثَّانِي فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ بَابُ

حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات میں پھر فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھے قسم خدا کی جب تک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم نہ پوچھو گے مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبد اللہ

حَدَّثَنَا فَقَالَ مَنْ أَبِي قَالَ أَبُوكَ حَدَّثَنَا
ثُمَّ كَثُرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي سَلُونِي -

ابن جذاذ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون
ہے فرمایا مذاذ پھر بار بار فرمائے کہ پوچھو پوچھو۔

خیال رہے کہ جہتی یا جنتی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا
ہے یہ ایسی بات ہے کہ سب کا علم سولہ اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا قربان ان نگاہوں کے
ہو کہ اندھیرے ابلے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) مشکوٰۃ باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ خِيْبَرَ كَرَّمَ عَطِيَّتَ هَذِهِ الزَّايَةِ
قَدْ اسْرَجَلًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ يَحِبُّ
اللَّهُ وَرَسُولَهُ -

حضور علیہ السلام نے خیبر کے بن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا
اس کو دیں گے جسکے ہاتھ پر اللہ خیر فتح فرمادینگا اور
وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

عَرَضْتُ عَلَى أَعْمَالُ امْتَنِي حَسَنَةً وَسَيِّئَةً
فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا أَكْذَى يَمَاطُ
عَيْنَ الطَّرِيقِ -

مہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کیے گئے اچھے بھی
اور بُرے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف وہ
چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہاد باب مغزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا
مَضْرَعُ فُلَانٍ يَضْعُ يَدَهُ عَلَى الْأَرْضِ هَهُنَا
هَهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعٍ يَدِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ
ہے اور اپنے دست مبارک کو اوپر اڑھڑا رہے ہیں پر رکھتے
تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور
علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔

خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ ہند
میں ایک روز پہلے ہی دے رہے ہیں۔

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجرات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

فَقَالَ رَجُلٌ تَاللَّهِ إِنْ رَوَيْتُ كَالْيَوْمِ
ذُنْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذَّنْبُ أَتَجِبُ

شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ
دیکھا کہ مجھ پر باتیں کر رہا ہے تو مجھ پر بلا کہ اس سے

مِنْ هَذَا اَرْجُلٌ فِي النَّحْلَاتِ بَيْنَ
الْحَرَّتَيْنِ يُخَيِّرُكُمْ بَيْنَ مَا طَيَّ وَمَا هُوَ
كَائِنْ بَعْدَ كُمْ -

عجیب بات یہ ہے کہ (ایک صاحب حضور) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (دینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔

(۱۸) تفسیر ترازن پارہ ۴ زیر آیت - مَا كَانَ اللَّهُ لِيُكَذِّبَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ -

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّ مَرَّةً عَلَى
أَمَّتِي فِي صَوْدِهَا فِي الطَّيْنِ كَمَا عَرَّ ضَنْفَ
عَلَى آدَمَ وَأَعْلَمْتُ مَنْ يُؤْمِنُ بِي وَمَنْ
يَكْفُرُ بِي قَبْلَهُ ذَلِكَ الْمُنَافِقِينَ قَالُوا أَلَيْسَ هَذَا
زَعَمَ مُحَمَّدٌ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَ
مَنْ يَكْفُرُ بِهِ مَنْ لَمْ يَخْلُقْ بَعْدَ وَ تَحْنُ
مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُنَا قَبْلَهُ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ
وَأَشْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا
فِي عِلْمِي لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ فِيمَا بَيْنَكُمْ
وَبَيْنَ السَّاعَةِ إِلَّا أَنْتُمْ تَكْتُمُونَ بِهِ -

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی ہے، اسی صورتوں میں ہی میں جس طرح کہ حضرت آدم پر پیش بروی تھی ہم کو بتایا گیا کہ ان ہم پر ایمان لادیا اور ان کو کفر کیا یہ خبر منافقین کو بھی تو دہنیں کر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مؤمن کی خبر ہو گئی ہے ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو بھی پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ تو مومن کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں طعن کرتے ہیں اب قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم جس سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعن کرنا منافقوں کا طریقہ ہے دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل ازل میں مسلم سے روایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے -
إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ
وَأَوَّلَانَ خَبِيرٌ لَهُمْ خَيْرٌ كَوَاسٍ أَوْ مِنْ
خَيْرٍ كَوَاسٍ عَلَى ظَهْرِ الْأَمْسِ -

ہم ان کے (وجہ) سے جہاد کی تیاری کریں گے، نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روئے زمین پر بہترین سوار ہیں۔

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کیا کوئی ایسا نبی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ان وہ عمر ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیل علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے بھی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابر ہی یا کمی بیشی وہ ہی بنا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے۔ جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوا اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان، عالم ملکوت، عرش و فرش وغیرہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تہائی کے اندر جو کام کیئے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والد حفصہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیسری فصل

شراحین احادیث کے اقوال میں، دوبارہ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الاری شرح بخاری۔ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے تحت ہے کہ اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حال کی ازبکلہ تانا بہتا خبر دے دی۔

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَحِيدِ بِجَمِيعِ أَعْوَالِ الْمَخْلُوقَاتِ مِنْ ابْتَدَائِهَا إِلَى انْتِهَائِهَا۔

(۲) مرقاة شرح مشکوٰۃ اور مشرح شفا الملام علی قاری و زر قانی شرح مواہب۔ نسیم اریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۱ میں ہے۔

وَمَا حَبْلُهُ أَنَّهُ طَوَىٰ لَهُ الْأَرْضَ وَجَعَلَهَا
مَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفِّ فِيهِ مِرْوَةٌ يَنْظُرُ
إِلَىٰ جَمْعِهَا وَطَوَاهَا بِتَقْرِيبِ بَعِيدِهَا
إِلَىٰ قَرِيبِهَا حَقًّا ۖ أَطْلَعْتُ عَلَىٰ مَا
فِيهَا -

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین
سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرمایا گیا جیسے ایک ہاتھ
میں آئینہ ہوا وہ شخص اُس پُر سے آئینہ کو دیکھتا ہے
اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کیا اسکے
قریب کی طرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھا یہاں تک کہ وہ کوئی چیز نہیں

(۱۵) قرآنہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت ہے -

فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ دُخُولِ ذَلِكَ الْفَيْضِ مَا
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْنِي مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ
مِمَّا فِيهِمَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهَا
وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عِلْمِهِ الَّذِي تَقَعُ اللَّهُ
وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَيْ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ الَّذِينَ
فِي السَّمَوَاتِ بَلْ وَمَا قَوْلُهَا كَمَا يُسْتَفَادُّ
مِنْ تَصْنِيعِ الْمَعْرَاجِ وَالْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى
الْجَنَسِ وَجَمِيعِ مَا فِي الْأَرْضِ مِنَ السَّبْعِ
بَلْ وَمَا تَعْبَهُمَا كَمَا أَفَادَهُ إِخْبَارُهُمَا عَلَيْهِ
السَّلَامُ عَنِ النَّوْمِ وَالْحَوْمِ الَّذِي عَلَيْهِمَا
الْأَرْضُ مَوْنٌ -

اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان
لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین
میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور رخت وغیرہ
یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ نے
آپ پر ظاہر فرمایا ابن عباس نے فرمایا کہ جان لی وہ
تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے)
جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین
میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو
اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا
ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور مچھلی کی خبر
دی ہے جن پر زمینیں قائم ہیں -

اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے -

عبادت است از حصول تمام علوم جہدی و دلی و احادیث
یہ حدیث نام جنتی و دلی علموں کے حاصل ہونے اور اسکے اساطیر کا بیان ہے

(۱۶) اشعة اللمعات میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا -

پس ظاہر شدہ امر چیز از علوم و شناختہ جہدہ
علامہ رزقانی شرح میرا سبب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں -
یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم

بِجَمِيعِ مَا فِيهَا قَالَا أَنْظِرْ إِلَيْهَا وَإِلَى
مَا هُوَ كَارِئٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ خَالَمَا
أَنْظَرُ إِلَى لَقْنِي هَذِهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ نَظَرُ
حَقِيقَةٍ دُنِعَ بِهِ أَنَّهُ أَرِيدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ-

نے کسی تمام چیز کو دیکھا احوال کو دیکھا پس ہم اس دنیا کو
جو کچھ اس میں قیامت تک رہنے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں
جیسے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے
حقیقتہً ملاحظہ فرمایا یہ استعمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۸) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں زیر حدیث نمبر فرماتے ہیں۔

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَطْلَعَهُ عَلَى أَزِيدٍ مِنْ
ذَلِكَ وَالْقَى عَلَيْهِ عِلْمَهُ الْأَوَّلَيْنِ وَالْآخِرَيْنِ

اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ
پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے کچھ پہلے حضرات کا علم دیا

ملا علی قاری مرقاة میں حدیث نمبر ۱۰ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَى أَمَى سَبَقَ مِنْ خَبَرِ
الْأَوَّلِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَارِئٌ بَعْدَكُمْ
أَمَى مِنْ تَبَاوُلِ الْآخِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَمِنْ
أَحْوَالِ الْأَجْمَعِينَ فِي الْعُقُبَى -

تم کو حضور علیہ السلام اگلوں کی گزری ہوئی خبریں
دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پھلوں کی خبریں ہیں
وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے
سارے حالات۔

(۹) مرقاة میں حدیث نمبر ۱۱ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فِيهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ دَلَالَةٌ عَلَى
أَنَّ عِلْمَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُحِيطٌ بِالْكَلِّيَّاتِ
وَالْجَزَائِيَّاتِ مِنَ الْكَائِنَاتِ وَغَيْرِهَا -

اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی
دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلی اور جزئی
واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

محمدؐ میں ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازاوّل تا اب جو
وے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ماتحت میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس
عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام لوگوں و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ
کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں
حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور انکا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے۔ تو حضور
کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم غیبی بھی آگئے۔

چوتھی فصل

علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں مبراہ علم غیب

مدارج النبوة کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں -

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ
وَهُوَ يَكُنْ شَيْئًا عَلَيْهِ -
وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر ہے وہ
ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے -

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعتِ مصطفیٰ علیہ السلام بھی چنانچہ فرماتے ہیں -

تو سے صلی اللہ علیہ وسلم وانا است بہم چیز از شیوننا
واحکام اللہ و احکام و صفات حق و اسماء و افعال
و آثار و جمیع علوم ظاہر و باطن اول و آخر احاطہ نوہ و
مصدق توئی کُلِّ ذی عِلْمٍ عَلَیْہِ شَدَّ
اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۴۴ میں ہے -

حضرت آدم سے حضور پھر گئے تک تمام حضور علیہ
السلام پر ظاہر فرمایا تاکہ اول سے آخر تک کے
سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام
نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی -
مذہب زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں -

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَاتَّفَقَتْ مَعَانِيهَا عَلَى
إِطْلَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَلَا يَتَنَافَى
الْأَلَيْتِ الدَّلِيلُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا
اللَّهُ إِذَنْ الْمُنْتَفَى عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ
غَيْرِ وَسِطَةٍ أَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِأَعْلَاهِ اللَّهُ
فَمُحَقَّقٌ يَقُولُهُ تَعَالَى الْإِيمَانِ أَرْضَنِي مِنْ رَسُولٍ
احادیث اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ
حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مسلمان آیتوں
کے خلاف نہیں جو اس پر طالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا
کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم غیر
واسطہ ہے ذاتی، لیکن حضور کا غیب مطلع ہونا اللہ کے بتائے
وہ ثابت ہے کہ اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خزینۃ شوح قصیدہ برودہ)

حَصَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْإِجْلَادِ
عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَصَالِحِ
أَمْتِهِ وَكَانَ فِي الْأُمَمِ مَأْسِيَتُهُ فِي أَمْتِهِ
وَمِنَ النَّبِيِّ وَالْقَطْمِيرِ وَ عَلَى جَمِيعِ فَنُونِ
الْمُعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقَلْبِ وَالْفَر_اضِ وَ
الْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ -

اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی اُمت کے مصلحت اور گذشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی اُمت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمادیا اور تمام معرفت کے فنون پر مطلع فرمایا جیسے دل کے حالات، فرائض، عبادات اور علم حساب۔

قصیدہ برودہ میں ہے۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَ تَهْمَا
وَبِنَاوِ آخِرَتِ آبٍ كَيْ كَرَمٍ سَے ہے
شرح قصیدہ برودہ مصنف علامہ ابوالیم بمجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے۔

قَالَ قِيلَ إِذَا كَانَتْ عِلْمُ النَّوْجِ وَالْقَلَمِ بَعْضُ
عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهَا الْبَعْضُ الْأَخَرُ
أُجِيبَ بِأَنَّ الْبَعْضَ الْآخَرَ هُوَ مَا أَخْبَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى
مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لِذَلِكَ الْقَلَمِ إِنَّمَا كَتَبَ
فِي النَّوْجِ مَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ -

اگر کہا جاوے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون کون سے علوم میں جواب دیا جاویگا کہ بعض آخرت کے حالات کس علم سے کی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

علامہ قاضی حلی العبد شرح قصیدہ برودہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَكُنْ عَلُوْمُهُمَا مِنْ عَلُوْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
أَنَّ عَلُوْمَهُ تَتَنَوَّعُ إِلَى الْحِكْمَانِيَّتِ
وَالْجَبِّيَّاتِ وَحَقَائِقِ وَمُعَارِفِ
وَعَوَائِرِ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّغَاتِ
وَعِلْمُهُمَا يَكُونُ تَهْمَا مِنْ مَجْهُوْبٍ عَلَيْهِ
وَحَرْ قَائِمٍ مَسْكُوبٍ عَلَيْهِ -

اور لوح و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لیے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفت کی طرف تک تعلقی ذات اور صفات سے ہے لہذا لوح و قلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک شاخ ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطحوں کا ایک حوت۔

ان عبارتوں کے فیصلہ فرمادیا کہ وہ لوح و قلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ
 وَلَا تَسْأَلْهُنَّ وَلَا يَأْتِيَنَّكَ فِي كِتَابٍ مِّنْهُنَّ | کوئی خشک و تر چیز الہی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو
 اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر میں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ اَلْكَافِرُونَ لَا يَأْتِيَنَّ
 کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بوصیری صاحب تصیدہ برہہ اپنے دوسرے تصیدہ اتم القوط میں فرماتے ہیں۔
 وَسَمِعَ الْعَالَمِينَ عِلْمًا وَجِلْمًا ۝ كَقُرْآنٍ جَزْءٍ لَّمَّا نَعِيَهَا الْكَافِرُونَ
 حضور علیہ السلام نے اپنے علم و خلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے
 والے نہ گھیر سکے۔ شیخ سلیمان جبل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

اَيُّ دَسَمٍ عِلْمُهُ غَوَمَ الْعَالَمِينَ اِلَّا لَيْسَ وَالْجَنِّ
 وَلِلْمَلَائِكَةِ لِاَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ
 كُلِّهِ فَعَلِمَهُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا
 كَانَ وَمَا يَكُونُ وَحَسِبْتَ عِلْمُهُ عِلْمُ
 الْقُرْآنِ وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى مَا تَرْتَبْنَا
 فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔
 یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انس اور
 فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ
 نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پھلوں
 کا علم سکھایا اور ماکان و مایکون بتایا اور حضور علیہ السلام
 کے علم کے لئے علم قرآن کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے
 ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدی میں فرماتے ہیں۔
 لِاَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اَطْلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ
 كُلِّهِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا كَانَ
 وَمَا يَكُونُ۔
 کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
 تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین
 اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا اس کو جان لیا۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت
 آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب
 تو یہ بندی بھی مانتے ہیں۔

امام بوصیری تصیدہ برہہ میں فرماتے ہیں۔
 وَكَلَّمَهُمْ مِنْ رَّسُولِ اللَّهِ مَلْئِكِينَ ۝ نَفَرًا مِّنَ الْبَصَرِ اَوْ مِّنْ شَفَا مِّنَ الدِّنِّ

تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں : ہر سمندر کے ایک چلو تیر بارش سے چھینٹا
علامہ خرپاتی شرح قصیدہ بروہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور
لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے
کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا
جو تیر بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض
دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ
رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا
فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان و مایکون کے
علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب
نے اپنے علوم حضور علیہ السلام سے لیے

اِنَّ جَمِيعَ الْاَنْبِيَاءِ كُلِّ دَلِجٍ مِنْهُمْ طَلَبُوا
وَ اَخَذُوا الْعِلْمَ مِنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
الَّذِي كَانَتْ فِي السَّعَةِ وَالْكَرَمِ مِنْ كَرَمِهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي هُوَ كَالْيَدِ يَدْنُهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مُفِضٌ وَهُمْ مُسْتَقَاضُونَ
لَا نَشَأُ تَعَالَى خَلْقَ اِبْتِدَاءٍ وَ رُوحَهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ وَ وَضَعَ عُلُوَّهُمُ الْاَنْبِيَاءَ وَ عَلِمَ مَا كَانَ
وَ مَا يَكُونُ ثُمَّ خَلَقَهُمْ فَاَخَذُوا عُلُوَّهُمْ
مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور
جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے
علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے
الف ۶۰ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم میں۔

يَعْلَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الْفَرَسِ
وَيَطْلِعُ عَلَى جَمِيعِ مَا فِيهَا وَ هَذَا الْعُلُوُّ
يَا لِنِسْبَةِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَيْفٍ مِنْ
سَيِّئِينَ جَزَاءُ الَّذِي هِيَ الْقُرْآنُ الْعَزِيزُ۔

امام تطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

نبوت نبی سے مشتق ہے جس کے معنی میں خبر یعنی اللہ
نے اُن کو غیب پر خبردار فرمایا۔

الْبَيُوتَةُ مَا خُوِّدَتْ مِنَ النَّبَاءِ بِمَعْنَى الْخَبَرِ
أَيَّ أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ۔

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القسم الثانی فیما

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام
کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر انگوٹوں
پھیلوں کا علم پیش کر دیا۔

لَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَطْلَعَهُ عَلَى
أَمْرٍ يَدَّ مِنْ ذَلِكَ وَ اتَّقَى عَلَيْهِ عِلْمُ
الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات مشریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں ۔

بعض علمائے صالحین سے سنا گیا ہے کہ بعض تاریخ نویس نے کوئی کتاب بھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو تمام علوم الہیہ معلوم کر دیئے گئے تھے ۔ یہ کلام بظاہر تو بہت سے اہل علم کے خلاف ہے مگر معلوم کہ قائل نہ کسی کی طرف سے ۔

یہ عبارت یہاں اس لیے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا کے علم کے برابر مانا اور فرق صرت ذاتی اور عطائی کا جاننا ۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ فرمایا ۔ بلکہ ثابت کیا ۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے علم غیب ماننا شرک نہیں ۔ میرزا بدر رساد کے خطبہ میں ہے :
صَوَادِقُ التَّصْدِيقَاتِ يَطْبِئُ بِهَا مَتَوَجِّهَةٌ إِلَى حَقِّصِ تَبَةِ الْأَقْدَاسِ وَحَقَائِقِ النَّصَوَرَاتِ بِأَنْفُسِهَا مَا يَلِدُ إِلَى جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فَرُوحُهُ الْمَعْلَى مَوْكَلُ الْمُعْقُولَاتِ نَصَوَرَاتِهَا تَصَوَّرَاتِهَا تَصَدِّقَاتِهَا وَنَفْسُهُ الْعُلْيَا مَتَّبِعُ الْعُقُلَاتِ نَظَرُهَا دَوَّاسٌ يَأْتِيهَا اس کی شرح لاء اللہ مصنف غلام مجاہد میں اس عبارت کے ماتحت ہے :
قَدْ آتَاهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاوِزٌ بَيْنَ جَمِيعِ أَسْجَاءِ الْعُلُوِّ مَرِجَانِ السَّادِ اس عبارت نے پرے اٹھا دیئے منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رکھ دی ۔
مولانا ساجد العلوم عبدالحق لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میرزا بدر رساد میں فرماتے ہیں ۔

عَلِمَهُ عُلُوٌّ مَا مَا اخْتَوَى عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْأَعْلَى
وَمَا اسْتَطَاعَ عَلَى احْاطَتِهَا اللُّوْحُ الْأَوَّلِيُّ لَمْ
يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهُ مِنَ الْأَزَلِ وَلَمْ يُولَدْ إِلَى الْبَدِ
فَلَيْسَ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كَمَنْ كَوَّنَ الْخَلْقَ
علامہ شنوان جمع النہایہ میں فرماتے ہیں ۔

قَدْ وَارَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَخْرِجِ الشَّيْءَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
شرح عقائد نسفی صفحہ ۷۹ میں ہے ۔

یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے نکالا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا ۔

بِالْحَمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ أَمْرٌ نَفَرَتْ بِهِ اللَّهُ
تَعَالَى لَا سَبِيلَ إِلَيْهِ لِلْعِبَادِ إِلَّا بِإِذْنِهِ مِنْهُ
أَوْ إِيَّاهُ مَا لَطَفَ فِي الْمَجْزُوءِ أَوْ الْكُرَامَةِ -

در مختار شروع کتاب الحج میں ہے -

فَرَمَنَ الْحَجَّ سَنَةً تَسْعَ وَارْبَعِينَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ يُعْتَمِرُ بِغَيْرِ مَعٍ عَلَيْهِ
يُقَامُ حَيَاتِهِ لِيُكَمِّلَ التَّيْلِيغَ -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو خدا
سے خاص ہے بندو کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب
کے بتائے یا الہام فرمائے مجھ سے یا کرامت کے طریقہ پر

حج ۹۳۷ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سلسلہ
تک مؤخر فرمایا کسی منہ کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی
زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی
خبر تھی کہ ۹۳۷ میں نہ ہوگی - اسی لیے اس سال حج نہ فرمایا - ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری
ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں -

خبر پوری نے شرح قصیدہ بروہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا -

وَأَقْعَوْنَ كَذِبَهُ عِنْدَ حَدِيثِهِ فِي حَدِيثٍ
يُرْوَى عَنْ مَعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ أَلَيْسَ الدَّوَاءُ وَحَرِيًّا نَقْلُ
وَأَقْوَابُ الْبَاءِ وَفَرَّقَ التَّيْنِ وَلَا تَعْوِزُ الْيَمِينُ مَعَانَهُ
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَأْ مِنْ كِتَابٍ إِلَّا بِإِذْنِهِ

حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ
السلام کے سامنے کھڑے کرتے تھے پس حضور علیہ السلام
نے ان کو فرمایا کہ دوست اس طرح رکھو - قلم کو پھیر دو جب
سیدھا کرو - سین میں فرق کرو - اور دیم کو ٹیٹھا کرو - باوجودیکہ
حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ دیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی -

تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا تَخْطُ بِمِثْلِكَ ہے -

كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغُطُوطَ وَيُخْبِرُ عَنْهَا

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے - اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب شاہ
حبیب الرحمن آیات القرآن میں دیکھو - مشہور شریف میں ہے -

سُورَةُ كُنْ وَرِشْمُ خَاكِ اَدْلِيَاءِ

کاملاں از دور نامت بشنوند

بلکہ پیش از زادن تو ساہبا

دیده باشند دست بچندین حالبا

حال تو دانستد یک موبو زانکہ پر بستند از اسرار موبو
اسی شتوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا ہے

بنگرم سہ عالم بنم نہاں آدم دوتا ترستہ از چہاں
من شمار وقت ذرات الست دیدہ ام پالستہ ونگوس وپست
از حدوث آسمان بے عمد آنچہ دانستہ بدم افزون نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم دوتا ترستہ از چہاں قیدیو ہم نے تمہیں میثاق کسے دن مومن اور فاضی دیکھا تھا۔ اس لیے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ یہ ستون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس سے کچھ نہ زیادہ بڑا۔
علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء و ملائکہ سے زیادہ علوم عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین سے مخفی رہی ہو۔

بائچوں فصل

مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔
حاجی امداد اللہ صاحب شہنائم امدادیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء و اولیاء کو نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک مغیبات کا ان کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔

(ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر

وہ مشابہ امور غیبیہ اور تیسفط حضور جن تعالیٰ کا رہتا ہے، گمنا قال الشیخ علیہ السلام: **لَا تَعْلَمُونَ مَا آتَاكُمْ لَخَطَاكُمْ قَلِيلًا وَكَثِيرًا** اور فرمایا اِنِّیْ اُرِیْ مَا لَا تَرَوْنَ (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲) مولوی اشرف علی صاحب دہلوی تکمیل الیقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے اس لیے کہ ہر حادثہ اس کے علم سے اسی کے ارادے کے متفق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہ ہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں کہ قدرت الہیہ کا یہ مقتضی نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے۔ لیکن اگر خدا کسی کو بتا دے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خدا کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اور رسل کو خبر دے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرنا ہو چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو مطلقاً وجہ کے ممنوعات میں نہ آرہتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولانا محمد تاسم صاحب انو توئی تحذیرات اس کے صفحہ ۱۷ لکھتے ہیں۔ **مولا اولین مثلاً اور میں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ میں اور افعال بانی اور اولیاء بالعرض ہیں۔**

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیے کہ مولوی تاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے مالک حلالین عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہو نا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں
چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت النبی کے وزیر اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العالمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ بلکہ کمر کو سارے منہج کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کو سارے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کر سکیں نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت النبی کے لیے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے سجدہ کرنا ان کے اختیارات خصوصاً کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور موعظ و فرشتے کے لوگ آپ کے امتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دیئے جائیں۔ اسی لیے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے چھاؤا۔ ڈوبا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسا۔ پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خدا داد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رباعمل۔ اس میں بظاہر کبھی امتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معنوم ہوا کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امتی تو ملائکہ بھی ہیں لَیْسَ کُنْ لِّلْعٰلَمِیْنَ شَیْءٌ اَوْ عِلْمٌ مِّنْ حِضْرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ناکام و ناکون کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

(۳) چند سال کامل اس کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے حضور علیہ السلام قبل ولادت پاکیزہ درجہ برس رب تعالیٰ کی بارگاہ خاص میں حاضر ہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَدْ جَاءَکُمْ کُتُبُہِمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک تارہ ستر ہزار سال بعد چمکتا تھا اور میں نے

اسے بہتر قرار دے کر چکے لکھا۔ فرمایا: وہ ناراض ہی تھے۔ حساب لگا لو کہ کتنے کروڑوں میں صد بار خاص میں حاضر ہو جی۔
(۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد نااہل
تھا۔ استاذ سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاذ کامل نہ تھا کہ مکمل سکھا نہ سکا۔ سوم یہ کہ استاذ یا تو
بیخبل تھا کہ پورا پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس سے زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا
ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں۔
مہیاں سکھانے والا پورے نگار کیجئے دسے محبوب علیہ السلام کہ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم
بتاؤ آیا رب تعالیٰ کامل استاذ نہیں۔ یا رسول علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؟ حضور علیہ السلام سے زیادہ
کوئی اور پیارا ہے؟ یا کہ قرآن مکمل نہیں؟ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کا مکمل عطا فرمایا
والا محبوب علیہ السلام کامل لینے دسے۔ قرآن کریم کامل کتاب الرحمن ۞ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۞ وہ
جی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر حکم کیوں ناقص ہو۔

۱۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لیے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یاد مردوں کے بنانے کے لیے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہذا اس نے دوسری جگہ کے لیے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لیے ہے (۱۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرمایا گیا۔ لکن توراتی تم ہم کو دیکھ نہ سکو گے۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب مد خدا ہی چھا تم پر کہ رزق درود
 دیدار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب
 الایمان بالقدیر فضل اول کے آخر میں ہے۔

کَمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
رَأَاهُ فِي الدُّنْيَا يُنْقِلُ بِهِ نَوْمًا

حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ
خود نور ہو گئے تھے۔

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ماری۔ گویا شیطان وہاں بیمار رہا ہے۔ اور نبی علیہ السلام طیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع

علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اُسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں مارا جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حد سے۔ ایسے ہی وہ مردین کے ہر مسئلہ سے خبردار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کوڑتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا لَا تُخَيِّرْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضرور ہی کہ دنیا کے طیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس سے کہیں زیادہ علم دے ہوں گا آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ روزِ ہدایت مکمل نہ ہوگی۔ اور رب بے غبار اسرار میں ہے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہذا اگر اسی کو کامل رہی اور ہدایت (۸) رب تعالیٰ نے حقیر صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا آیا اَيْهَذَا الشَّيْءِ اور نبی کے معنی پر خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبردار ہو تو ہر مولیٰ نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مارا ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تار بھیجنے والا نبی ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں نبی خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتہ کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تار، اخبار کا م نہ آسکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جاننا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اویسائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شافعی سے نقل فرماتے ہیں۔
 الْعَبْدُ يَنْقُلُ فِي الْأَحْوَالِ حَتَّى يُصَيِّرَ إِلَى
 نَعْتِ الرَّؤُوفَةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ۔
 بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

اسی مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔
 يَطْلِعُ الْعَبْدُ عَلَى حَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَدَيِّعَتِهَا
 لَهُ الْغَيْبُ وَغَيْبُ الْغَيْبِ۔
 کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۲۸۱ باب الصلوة عَلَى النَّبِيِّ وَفَضْلِهَا میں فرماتے ہیں۔

الْأَنْفُسُ مِنَ الرُّكْنَةِ الْقُدْسِيَّةِ إِذَا تَجَرَّدَتْ
 عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ خَرَجَتْ وَانْصَلَتْ
 پاک دھات نفس جبکہ بدنی ملائقوں سے خالی ہو جائے تو
 تشریف کر کے بزمِ بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ

بِالْمَلَأِ الْأَعْلَىٰ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَهُ حِجَابَ قُورَىٰ أَفَلَا
كَاسْتَأْذَنَ بِنَفْسِهِ أَأَرِئِيكَ بِالْمَلَكِ لَهَا -

باقی نہیں رہتا۔ یہ وہ تمام چیزوں کا مثل محسوس و
حاضر کے دیکھنے میں خواہ تو اپنے آپ یا فرشتے کے اہام سے

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزمیٰ سورہ جن میں فرماتے ہیں : اطلاق بر لوح محفوظ و دیدن نقوش نیز
از بعض اولیاء بتواتر منقول است۔ لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر
منقول ہے۔ امام ابن حجر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الجہام میں فرماتے ہیں۔

أَلْحَاقُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْغَيْبُ فِي قَضِيَّةٍ
أَوْ قَضَايَا كَمَا دَتَعَ تَكْثِيرُ مِثْلِهِمْ وَاشْتَهَرُ -

جائز ہے کہ غائب خاص حضرت کسی معاملہ یا فیصلہ میں غیب
میں جیسے کہ بہت سے اولیاء اللہ سے رقع ہوا اور یہ شہور بھی ہو گیا

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

نفس کلہ بجائے جسد عارف سے شود و ذات و عارف
بجائے روح از ہمہ عالم عالم حضوری سے میت
زرقانی شریح مواہب جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ فِي تَطَايُفِ الْمَنِّ إِحْلَالَ الْعَبْدِ عَلَى غَيْبٍ
مِنْ غُيُوبِ اللَّهِ بِدَلِيلٍ خَيْرِ الْقَوَائِمِ
فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ
لَا يَسْتَعْرِبُ وَهُوَ مَعْنَى كُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِي
يَبْصُرُ بِهِ فِيمَنْ الْحَقُّ بَصَرُهُ فَاتَّجِلَّ عَنْهُ
عَلَى الْغَيْبِ لَا يَسْتَعْرِبُ -

لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے
غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں
اس حدیث کی وجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو
کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہی اس
حدیث کے معنی ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس
کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا

دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس کا غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔

امام شعرانی ایوایت والحواس میں فرماتے ہیں۔

لِلْمَجْهَرِ فِي الْقَدَمِ فِي عُلُومِ الْغَيْبِ | ندبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔

حضور غوث اک فرماتے ہیں کہ

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا * كَخَرِّ دَلِيلَةٍ عَلَى حُكْمِ انْقِصَائِي !

میں نے اللہ کے عمارے شہر کو اس طرح دیکھ لیا۔ جیسے چند رائی کے دانے بونے ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔
 قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَا أَبْطَالُ يَا أَبْطَالُ هَلُمُّوْا
 وَخُذُوا عَنْ هَذَا النَّجِيِّ الَّذِي لَا سَاحِلَ لَهُ
 وَبِعِزَّةِ رَبِّي إِنَّ السَّعْدَاءَ وَالرَّشَقِيَاءَ يَغْرَضُونَ
 عَلَى دَانٍ بَرُّوْهُ عَيْنِي فِي النَّوْمِ الْمُحْفَظِ
 وَأَنَا غَائِبٌ فِي حِجَارٍ عَلَيْهِمُ اللَّهُ -

مولانا جامی لغات الانس میں حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کا قول نقل فرماتے
 حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ کہنے لگے کہ زمین در نظر میں
 چوں سفرۂ ایستہ نامی گویم کہ چوں ناخنۂ استیج
 چیز از نظر ایشان غائب نیست -

انام شعرائی گبریت احمر میں فرماتے ہیں۔
 وَأَمَّا شَيْعُنَا السَّيِّدُ مُحَمَّدٌ يَا الْغَوَّاصُ رَضِيَ اللَّهُ
 عَنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا
 حَتَّى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيدِهِ فِي انْتِقَالِهِ
 فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ يَوْمِ الْاَلْسَتِ إِلَى
 اسْتَيْقَظَ أَمْرَهُ فِي الْجَنَّةِ أَوْ فِي النَّارِ -

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

پھر مرد عادت بارگاہ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں
 پس اللہ کے بندہ ہوتے ہیں اور انکو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے

مشکوۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب الیہ
 رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بندے سے محبت
 ہوں تو اس کے کام بن جاتا ہوں جس سے وہ سستا ہے
 اور انکو بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ

ثُمَّ إِنَّهُ يَجْذِبُ إِلَى حَيْزِ الْحَقِّ فَيُصِيرُهُ
 عَبْدَ اللَّهِ فَيَتَجَلَّى لَهُ كُلُّ شَيْءٍ -

فَإِذَا أَحْبَبْتَهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي
 يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ
 وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا دَرَجَاتِهَا الَّذِي

یَمَّشِي بِهَا۔
 بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔
 یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام و ایساں علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امت مسلمہ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حبیب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے ادنیٰ کے علوم ہیں۔

دوسرا باب

علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیات قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ دوسری فصل احادیث کے بیان میں۔ تیسری فصل اقوال علماء و فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس باب کے شروع سے پہلے بطور مقدمہ چند ضروری بحثیں قابلِ ملاحظہ ہیں۔

۱۔ جن آیات و احادیث یا اقوال فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے۔ یا مامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کی برابر مطابقتی علم کی نفی نہیں درج پھر ان آیات و احادیث میں اہم ثبات میں بیان کر چکے ہیں۔ مطابقت کیوں کر ہوگی۔

علامہ ابن حجر متاخری حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِلَّا تَعْلِيلًا وَ عِلْمُهُ
 إِحْاطَةٌ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى أَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَ
 أَنْكَرُ أَمَاتٍ نَبِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ تَعَالَى۔
 ان کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی اور احاطہ کے طور پر) کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن معجزات اور کلمات پس وہ خدا کے بنانے سے ہوتے ہیں۔

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائل دنیویہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ تو حیران آیات قرآنیہ اور

احادیث صحیحہ و اقوال علمائے اہل سنت کے خلاف ہے جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم اسی طرح محض فو کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے مثل ہاتھ کے ہے لہذا یہ فوج باطل باطل ہے۔

(۳) مخالفین کے پیش کردہ وہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سر کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لیے علم غیب مانے وہ کافر ہے یہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان و مایکون میں اختلاف ہے ان آیات و اقوال فقہا سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف دلائل سالیہ کلیہ کی نقیض مزید ہوتی ہے۔

(۴) مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی۔ تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ماکان و مایکون علم الہی کے مسندوں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لیے علم الہی کے تقاضے میں ہیں ہی علم کے قائل ہیں۔ (۵) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لیے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا سب میں مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا حال کسی بندے کو مانے وہ بھی بدین ہے۔ تمام عالم کا حال کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہہ کر ذاتی علم خدا کی عظمتی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا شرک نہ ہوا۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

پہلی فصل

آیات قرآنیہ کے بیان میں

(۱) اَقْلُ لَا اَوَّلَ لَكُمْ عِنْدَیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ
وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبِ۔

اس آیت کی چار توجہیں مفسرین نے کی ہیں۔ اولاً یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کلام تواضع اور انکسار کے طور پر بیان فرمادیا گیا ہے۔ چہاں یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی۔ ملاحظہ ہوں تفاسیر

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔
يَحْقُلُ أَنْ يَكُونَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفًا
عَلَى لَا أَقُولُ لَكُمْ أَيْ قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ
فَيَكُونَ فِيهِ دَلَالَةٌ أَنَّ الْغَيْبَ بِالْإِسْتِقْلَالِ
لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ۔

اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا
اقول پر ہو یعنی اسے محبوب فرماؤ کہ میں غیب نہیں جانتا
تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال
یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر رضادی یہی آیت۔

لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا لَمْ يُوْحَ إِلَيَّ أَوْ لَمْ
يُلْهَ صِيبَ عَلَيْهِ دَلِيلٌ۔

میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی
جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

یہ اس سے مراد کل عام کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلَى إِمْتِنَانِهِ
بِأَنَّهُ غَيْرُ غَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ۔

یہ فرمان کہ میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس
اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام معلومات نہیں جانتے

یہ کلام بطور تواضع و ادب فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأَمَّا لَفِي عَنْ نَفْسِهِ لَفِي لَفِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ
تَوَاضَعًا لِلَّهِ تَعَالَى وَاعْتِرَافًا لِلْعَبُودِيَّةِ
فَلَسْتُ أَقُولُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَدْعِيهِ۔

تفسیر رائس الیام میں ہے۔ وَتَوَاضَعًا جِئْتُ
أَتَامَ نَفْسُهُ مَقَامَ الْإِنْسَانِيَّةِ بَعْدَ أَنْ كَانَ
أَشْرَفَ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الثُّرَى وَ
أَطْهَرَ مِنَ الْكَرْوَنِ وَبَيْنَ وَرُوحَانِيَّتَيْنِ
خَضُّوعًا لِلْجَبَرُوتِيَّةِ وَخَشُوعًا لِلْمَلَكُوتِيَّةِ۔

حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کو بے نفی فرمائی
رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار
فرما ہوئے یعنی میں اسمیں کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا
حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت
کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق
میں اشریت ہیں اور ملائکہ اور روحانیین سے زیادہ سترے
ہیں حتیٰ تعالیٰ کی شان جہدی کے سامنے عاجزی کے طور پر
اسکی عظمت کے سامنے ہستی کے انکسار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔

یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

یعنی میں تمام مقدور امت پر قدرت رکھنے اور تمام
معلومات کے جلنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ أَيْ لَا أَدْعِي الْقُدْرَةَ
عَلَى كُلِّ الْمَقْدُورَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ۔

تفسیر کبیر یہی آیت۔ اَمَّا لَا اَدْعٰی كُوْنِيْ
مَوْصُوْفًا بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ يَجْمَعُوْنَ هٰذِيْنَ الْكَلَامِيْنَ
حَصَلَ اَنَّهُ لَا يَدْعٰى اِلٰلِهَیَّةَ۔

معنی بیان یہی آیت عَطَفَ عَلٰی عِنْدِيْ
خَرَأْتِ اللّٰهَ وَلَا مَذْكُوْرَةً لِلنَّفْيِ اَيْ وَلَا اَدْعٰی
اَيْ اَعْلَمَ الْغَيْبِ مِنْ اَعْمَالِهِ تَعَالٰی عَلٰی اَدْعٰی
عِنْدِيْ وَلٰكِنْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ فَمَنْ قَالَ اِنَّ
نَبِيَّ اللّٰهِ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ اَخْطَا فِيْهَا اَصَابَ
تفسیر مدارک یہی آیت۔

وَمَحَلَّ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ النَّصْبُ عَطْفًا عَلٰی
مَحَلِّ عِنْدِيْ خَرَأْتِ اللّٰهَ كَاَنَّهُ مِنْ جُمْلَةِ
الْمَقُوْلِ كَاَنَّهُ قَالَ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ هٰذَا الْقَوْلُ
وَلَا هٰذَا الْقَوْلُ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ۔

تفسیر نیشاپوری۔ اَمَّا قَوْلُ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَيْبَ يَاسْتَقِلُّ اَلْعِلْمُ اَللّٰهُ
نکلتہ۔ اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ
میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف
ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتے ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا
ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور
میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اَوْتِيْتُ مَهْلًا يَمْخَرُ اَيْنَ
الْاَدْحِصِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور علم
غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتے ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکلتہ
نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی تو ہمیں نہ کی جاویں
تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی

یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہوں گا دعویٰ نہیں کرتا
اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور
علیہ السلام خدا موزیکاد دعویٰ نہیں کرتے۔

اس کا عطف عِنْدِيْ خَرَأْتِ اللّٰهَ پر ہے اور کلا
زائد ہے نفی کا یا بدولانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ
خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خزانہ اللہ
میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے نبی
اللہ غیب نہیں جانتا تھے اس نے غلطی کی اس آیت میں جس میں میرے پاس

وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ کا اعراب زبر ہے عِنْدِيْ
خَرَأْتِ اللّٰهَ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ
بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں
فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔

تفسیر نیشاپوری۔ اَمَّا قَوْلُ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَيْبَ يَاسْتَقِلُّ اَلْعِلْمُ اَللّٰهُ
نکلتہ۔ اس آیت میں لَا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ
میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَا اَقُوْلُ کے بعد صرف
ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتے ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا
ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور
میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اَوْتِيْتُ مَهْلًا يَمْخَرُ اَيْنَ
الْاَدْحِصِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور علم
غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتے ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکلتہ
نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی تو ہمیں نہ کی جاویں
تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی

ہے۔ نیز یہاں نکتہ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اُسے کافر میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے میں تم چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کرو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاویگا کہ مجھے خزانہ الہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عہدی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے میں خزانچی نہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے چٹھے جاری ہوئے۔

(۱۲) وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَبِيرِ
اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں تبارک میں بہت بھلائی جمع کر لی۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نیم ارباض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ فَإِنِ الْمُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنَ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَأَمَّا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِأَعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى فَأَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ۔
علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ اَلَمْ یَكُنْ لَیْکُمْ نَفِیٌّ عَلَیْمٌ بِغَیْرِ وَاسِطَہِ کی ہے لیکن حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتا واقع ہے تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَیْبِهِ أَحَدًا عَلَی غَیْبِهِ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ہے۔

شرح مواقف میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

الْإِطْلَاعُ عَلَى جَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ لَا يَحْتَاجُ لِلنَّبِيِّ وَلَيْدًا فَإِنَّ عَلَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ (الْأَيْ كُلِّ جَمِيعِ مُغَيَّبَاتٍ غَيْرِ مَنَّا هَبِيَّةٍ)۔
تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ الا یہ تمام غیب غیر تنہا ہی میں۔ یہ کلام انکار کے طور پر ہے۔ اگر تم کہو کہ یہ آیت کدشہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع

کہہ دیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام کا اعلیٰ الغیب
بطور انکسار فرمایا گیا ہے۔

تفسیر خازن میں حمل شاہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت غیب
کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث
صحیحہ وارد ہیں اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا بڑا معجزہ
ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں کوئی شک نہ اعلیٰ
الغیب مطابقت کس طرح ہوگی تو میں کہہ چکا ہوں
احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انکسار کے طریق پر فرمایا ہو
اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا
کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع
ہونے سے پہلے کا ہو جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ
السلام کو غیب پر مطلع فرمایا تو خبریں دیں۔

علامہ سلیمان حمل نے فتوحات المہاشیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی شکل فرمایا۔

یعنی فرمادہ کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس اس آیت
میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی
ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔

حضور علیہ السلام کا علم غیب جانتا نہ جاننے کی طرح
ہے۔ کیونکہ آپ کو اس پیر کے بدلنے پر قدرت
نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں تو معنی یہ ہوئے
کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد
کے واقع کرنے پر قادر ہوتا تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔

یہ تو خیر نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا

اِنَّهُ اُطْلِعَ عَلَى جَمِيعِ مَغِيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
فَالْجَوَابُ اِنَّهُ قَالَ ذَلِكْ تَوَاضَعًا

فَاِنْ قُلْتُمْ قَدْ اَخْبَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
عَنِ الْمَغِيَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ اَحَادِيثُ فِي
الصَّحِيحِ بِذَلِكَ وَهُوَ مِنْ اَعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ
تَكْلِيفَ الْجَمْعِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَوَلِيهِ لَوْ كُنْتُ
اَعْلَمُ الْغَيْبِ كُنْتُ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ
قَالَ تَوَاضَعًا ذَا اَعْبَادٍ وَالْمَعْنَى لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ
اِلَّا اَنْ يُطْلِعَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَيَقْدِرَ لِي
وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ قَالَ ذَلِكْ قَبْلَ اَنْ
يُطْلِعَهُ اللّٰهُ عَلَى الْغَيْبِ فَلَمَّا اُطْلِعَهُ اللّٰهُ
اَخْبَرَنِي بِهِ۔

اَمْ قُلْ لَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ فَيَكُوْنُ فِيهِ
دَلَالَةٌ عَلَى اَنَّ الْغَيْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ
لَا يَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ۔

تفسیر صاوی یہ ہی آیت ادا اَن عَلِمَهُ
بِالْمَغِيَّبِ كَلَّا عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ اِنَّهُ لَا قُدْرَةَ
لَهُ عَلَى تَغْيِيْرِ مَا قَدَّرَ اللّٰهُ فَيَكُوْنُ الْمَعْنَى
حَيْثُ عِيْدُ لَوْ كَانَ لِي عِلْمٌ حَقِيْقِيٌّ اِنْ اَقْدَرْتُ
عَلَى مَا اُرِيدُ وَتَوَعُّدُهُ لَا سَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ

یہ تو خیر نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا

اور مجھ کو تکلیف نہ پہنچتی۔ اور صرف کسی چیز کا جاننا خیر جمع کرنے اور مصیبت سے بچنے کے لیے کافی نہیں۔ جب تک کہ خیر کے حاصل کرنے اور مصیبت سے بچنے پر مستقل قدرت نہ ہو۔ مجھ کو علم ہے کہ بڑھاپا آدھ گیارہ اور اس وقت مجھ کو یہ تکلیف پہنچیں گی۔ مگر مجھے بڑھاپے کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ مجھے آج خیر ہے کہ غلہ چند روز کے بعد گراں ہو جاوے گا۔ کہ میرے پاس آج روپیہ نہیں۔ کہ بہت سا غلہ خرید لوں خرید نہیں سکتا۔ معلوم ہوا کہ خیر حاصل کرنا مصیبت سے بچنا علم اور قدرت دونوں پر موقوف ہے اور یہاں قدرت کا ذکر نہیں۔ تو علم غیب سے وہ علم مراد ہے جو قدرت حقیقی کے ساتھ جو یعنی علم ذاتی جو لازم الوہیت ہے جس کے ساتھ قدرت حقیقی لازم ہے ورنہ آیت کے معنی انہیں درست ہوتے۔ کیونکہ مقدمہ اور تالی میں لزوم نہیں رہتا اور اس کے بغیر قیاس درست نہیں ہوتا۔

تیز دیوبندی تو اس آیت کے یہ معنی کہتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی مصیبت نہ پہنچتی۔ مگر یہ کہ نہ میرے پاس خیر ہے اور نہ میں مصیبت سے بچا ہذا غیب نہیں جانتا۔ ہم یہ ترجمہ کر سکتے ہیں کہ عوز کرو اگر میرے پاس خیر ہوا۔ میں مصیبت سے بچوں تو سمجھ لو کہ مجھے علم غیب بھی ہے میرے پاس بہت خیر ہے۔ مَن يُوْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيرًاۗۤ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَۚ۔ نیز يَعْزِمُ لَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ اور میں مصیبت سے بھی محفوظ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُكَ مِنَ النَّاسِ لِهٰذَاۤ اِنَّمَا اَعْلَمُ غَيْبِ كَثُورَتِ فِيْهِۚ۔ یہ آیت تو علم غیب کے ثبوت میں ہے نہ کہ انکار میں۔

بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کا وقت بھی جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور ان کا یہ کلام اس آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔ عیسا کہ معنی نہیں۔

اور اسی کے پاس میں غیبیاں غیب کی ان کو رہی جانتا ہے۔

روح البیان یہی آیت وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ اِلَى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ ذَنَبَ السَّاعَةِ بِاَعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يَتَاْنِي الْخَصْوُ فِي الرَّايَةِ كَمَا لَا يَخْفُ ۱۳۰ وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ غیب کی کنجیوں سے مراد یا تو غیب کے خزانے میں۔ یعنی سارے معلومات الہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے یا

قادر ہونا۔ کیونکہ کئی کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے نقل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَكَذَلِكَ هُمُنَا لَمَّا كَانُوا عَلِيًّا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ
عَبَّرَ هَذَا الْمَعْنَى بِالْعِبَادَةِ الْمَذْكُورَةِ وَعَلَى
التَّحْقِيقِ الْثَانِي لَمَّا أَدْمِنَتْهُ الْقُدْرَةُ عَلَى كُلِّ امْتِنَانٍ
تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ان چیزوں کے نقش بندھنے کا قلم جو ایسی کئی ہے جس سے
ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے راقی
مناسب صورتوں پر اور وہی ملکوت ہے پس ہر چیز کے
ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا
قلم اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لیے کہ غیب سے مراد پیدا کرنا جانتا

وَقَلَمُ تَصْوِيرِهَا الَّذِي هُوَ مِفْتَاحُ يَفْتَحُ
بِهِ بَابُ عِلْمِ تَكْوِينِهَا عَلَى صُورَتِهَا وَلَوْ أَنَّهَا
هِيَ الْمَلَكُوتُ لَقَلَمُ مَلَكُوتٍ كُلِّ شَيْءٍ يَكُونُ
كُلِّ شَيْءٍ وَقَلَمُ الْمَلَكُوتِ بِيَدِ اللَّهِ لَا تَدْرِي
الْغَيْبُ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِينِ۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔
لَا تَدْرِي اللَّهُ تَعَالَى لَمَّا كَانَ عَلِيًّا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ
عَبَّرَ هَذَا الْمَعْنَى بِهَذِهِ الْعِبَادَةِ وَعَلَى التَّحْقِيقِ
الْثَانِي يَكُونُ الْمَعْنَى أَعْيُنًا لَا خَيْرَ زَائِنُ الْغَيْبِ
الْمَرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلَى كُلِّ امْتِنَانٍ
یہ اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تقلید الہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الْحَمِيرِيُّ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَمَنْ يُطْلَعُ
عَلَيْهَا مِنْ خَلِيلٍ وَخَاصٍّ أَيْ لَا يَعْلَمُهَا
إِلَّا ذُوْنُ الْأَخْبَرِ قَبْلَ إِظْهَارِهَا
تَعَالَى ذَلِكَ لَهُمْ۔

تفسیر سناب اللقاصی یہی آیت دیکھ کر اختصاراً

کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے
تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری
تفسیر پر ایک معنی یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے
خزانے میں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ
حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ
کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے
کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر
فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو کر ہر

یہ تعالیٰ اِنَّہٗ لَا یَعْلَمُہَا کَمَآ ہِیَ اٰیٰتِہٖۤ اَوَّلَ الْاٰہُوْۤہِ | یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جائیں جو ہم نے بتائے تو یہ مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ۔ بعض مساجدوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ عِیْنُہٗ مَّفَاتِیْحُ الْغَیْبِ۔ دوسری میں ہے۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ مفاہیم اور مقالید دونوں کے معنی میں کنجیاں اور اگر مفاہیم کا اول و آخر حرف یعنی م۔ ح۔ ل۔ اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م۔ و۔ ل۔ تو بتاتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذات رسول اللہ ہی ظہور عالم کی کنجی ہے لَا یَعْلَمُہَا اَکْثَرُہٗۤ اِیْنَ اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے میں دیا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانتے مفاہیم جمع اس لیے بولا کہ آپ کی برادر رحمت الہی کی کنجی ہے آپ کا نور عالم کی کنجی کل الْخَلْقِ مِنْ تُوْرِہِ قِیٰمَتِ میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام ہر نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لیے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شان مصیب الرحمن۔

نکتہ۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ اس کنجی سے کسی کے لیے دروازہ غیب کھولا جی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن و حدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ہم نے آپ کے لیے ظاہر طور پر کھول دیا کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس توضیحیں ہماری کتاب شان مصیب الرحمن میں آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیز رکھی جاتی ہے جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کہ غیب کسی کو دینا تھا اس لیے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ اَذِیْنْتُ مَّفَاتِیْحَ خَزَاۤئِنِ الْاَرْضِ مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کنجی دی گئی آپ کے لیے فتح باب بھی ہوا۔

رَمَّ قُلٌّ لَا یَعْلَمُہٗمُۤ اِنَّہٗ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ | تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ اولیٰ کوئی نہیں جانتا کہ غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر المودج حلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ أَوْ
يَلَا يَعْلَمُ إِلَّا جَمِيعُ الْغَيْبِ -
اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر تبارک
یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر مدارک یہی آیت وَالْغَيْبُ مَا لَمْ
يَعْلَمْ عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَلَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ خَلْقٌ
غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق
کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔

مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی جوہ غیب ہی نہیں کہا جاتا
غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی
کی ہے، اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ مَا مِنْ غَائِبٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مَعِنِ
جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

فتاویٰ امام نووی مَا مَعْنَى قَوْلِ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ
مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ مَعَ أَنَّهُ
قَدْ عَلِمَهُ مَا فِي غَيْدِ الْجَوَابِ مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ
ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَلَا أَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ
فَحَصَلَتْ بِإِعْلَانِ اللَّهِ لَا اسْتِقْلَالًا -
آیت لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وغیرہ کے کیا معنی
ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے
ہیں جواب اس کے معنی یہ ہیں کہ عین کو مستقل
طور پر ذاتی کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات
پس یہ رب کے بتانے سے حاصل ہوئے نہ کہ بالاستقلال۔

امام ابن حجر کی فتاویٰ حدیث میں فرماتے ہیں۔

مَا ذَكَرْنَاهُ فِي الْآيَةِ صَوْرَةً بِهِ التَّوْحِيدِ
فِي فَتَاوَاهُ فَقَالَ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا
وَعِلْمُهُ بِحَاطَةِ بَعْضِ الْمَعْلُومَاتِ -
شرح شفاء خفاجی میں ہے هَذَا الْأَيْتَانِ فِي
الْآيَةِ الذَّالَّةِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ
إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ التَّعْلِيمَ عِلْمًا مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ أَمَّا
إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَانِ اللَّهِ فَأَمْرٌ مُتَعَقِّقٌ -

یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم
ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ
نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے
جاننا یہ ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کا علم

حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں باطل کی نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے و کچھ براہین قاطعہ صفحہ ۵۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے **إِنَّا أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا وَسُلْطَانًا لِّمَن يَدْعُو إِلَى تَرْكِ الْغُلُوِّ وَالْجَهْلِ لَا يُلَاقِي السَّعْوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ خَلَائِفُ** ہی وہ تمام چیزیں ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں۔ **وَكُنْفَىٰ يَٰلَهُ شَرِّهِنَّ إِذَا اللَّهُ كَانَ كَوَاهٍ** ہے۔ **وَكُنْفَىٰ يَٰلَهُ وَكُنْفَىٰ** اللہ کا کافی دلیل ہے۔ **وَكُنْفَىٰ يَٰلَهُ حَسْبُنَا اللَّهُ** کافی حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اب بادشاہ اسلام کو حاکم، سر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو دلیل محاسب اور عام لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف یہ عطائے الہی مانے گئے اسی طرح آیات غیب میں بھی توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

۵۱، **وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ** اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان کے لائق ہے وہ تو ہمیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولایہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جانتا بلکہ دمشق و تجربہ وغیرہ اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچاننے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور دہی و خیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس آیت میں یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور دہی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے نہ کہ معنی اور اجمالی باتیں **وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** علم معنی ملک قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ** نیکمہ اور ہم نے ان کو تہا لاک ایک پہنا دیا بنانا سکھایا۔

دہلی نے حضرت مبارک سے روایت کیا۔ **عَلَّمُوا يَتْلُوهُمُ الرَّحْمَنُ** یعنی اپنی اولاد کو تیر اندازی سکھا۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

۵۲، **وَالْأَصَمُّ أَنَّهُ كَانَ لَا يَخْبِتُهُ وَكَذَلِكَ كَانَ** زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے۔

يَمِينُ جَدِّ الشَّعْرِ وَدَرِيَّة

لیکن اچھے اور درمی شعر میں فرق فرمائیے تھے۔

روح البیان یہ ہی آیت اِن الْحَرَمَ عَلَيْنَا هُوَ اَنْشَاءُ الشَّعْرِ آپ کے لئے شعر بنانا منع تھا۔ شعر کے معنی میں جو ناکام کفار کہہ کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ اس شعر سے ان کی مراد تھی جو ناکام کلام قرآن کے اس کو اس کی تردید اسی آیت نے کر دی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَذِكْرَانٌ مُّبِينٌ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہو گا۔

یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔

جیسا اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

تفسیر اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن گر جاتا۔ دیکھو اسی غازی میں ہے۔

یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست اور ہوتا تھا اگر کسی شعر کو نظر فرمائیں گا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔

آپ کو شعر آسان نہیں ہوا کیونکہ اگر کسی کو ارادہ فرمائے ارادہ فرمادیں تو آپ سے تو ہوتا ہوتا جاتا ہے۔

مذکور یہ ہی آیت اِنِّی مَاعَلَّمْنَا النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشَّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمْنَاکَ تَعْلِیْمَ الْقُرْآنِ اِنَّ الشَّعْرَ عَلٰی مَعْنٰی اَنَّ الْقُرْآنَ لَیْسَ بِشَعْرِ غَازِیْ یَہِیْ آیَہٗ ذَلَمَّا کَفٰی اَنَّ یَکُوْنَ الْقُرْآنُ مِنْ جِنْسِ الشَّعْرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَذِکْرَانٌ مُّبِیْنٌ۔

غازی نے کہا اِنِّی کَفَّارٌ قَرِیْشٌ قَالُوا اِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا یَقُوْلُہٗ شِعْرٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰۤاٰلَہٗمَّ وَمَا عَلَّمْنَاکَ الشَّعْرَ۔

تفسیر اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن گر جاتا۔ دیکھو اسی غازی میں ہے۔

اِنِّی مَاعَلَّمْنَا النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشَّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمْنَاکَ تَعْلِیْمَ الْقُرْآنِ اِنَّ الشَّعْرَ عَلٰی مَعْنٰی اَنَّ الْقُرْآنَ لَیْسَ بِشَعْرِ غَازِیْ یَہِیْ آیَہٗ ذَلَمَّا کَفٰی اَنَّ یَکُوْنَ الْقُرْآنُ مِنْ جِنْسِ الشَّعْرِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَذِکْرَانٌ مُّبِیْنٌ۔

غازی نے کہا اِنِّی کَفَّارٌ قَرِیْشٌ قَالُوا اِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا یَقُوْلُہٗ شِعْرٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰۤاٰلَہٗمَّ وَمَا عَلَّمْنَاکَ الشَّعْرَ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعراء اور علماء اگر کچھ نہیں کہتے بہت سے نعت خواں اور قوال علم شعر نہیں رکھتے۔ مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روٹی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بڑی، موٹی باریک خوب بہانہ لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔ درج البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَبَّ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ وَبِضَا
كَانَ أَبْغَضَ الْحَدِيثِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشَّعْرُ۔
حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا۔ اور
نہایت ناپسند بھی۔

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جیسے کہ الْأَكْثُ شَيْءٌ مَا خَلَقَ اللَّهُ بَاطِلًا إِلَّا رَجَعِيَ بُرْسُ شِعْرِ كَيْسَانَ نَبِيٍّ تَوَيْدٍ تَعْرِيفُ فَرْمَا كَيْسَا شِعْرُ مَرَادِ اجْمَالِي یعنی غیر مفصل کلام اور متعے ہیں۔ درج البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ الْأَكْبَرُ أَعْلَمُ أَنَّ الشَّعْرَ حَقٌّ
لِلْإِجْمَالِ وَاللَّغْوِ وَالنُّوسِ يَتِي أَيْ مَا كَرَّمْنَا
مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا الْغَرْفَا وَلَا
خَطِينًا هَيْشِي وَتَعْنُ نَرِيدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلْنَا
لَهُ الْخُطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمُ۔
جاننا چاہیے کہ شعر اجمالی اور پھسلنے اور اشاروں کا
مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لیے کسی چیز
کے اشارے نہ کیے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور
خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ
فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔

ان بیوں میں سے کسی کا احوال قرم سے بیان فرمایا
اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحت ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات و احداث بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیل کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب بیان نہ ہوا۔ وحی حقیقی میں سب ذکر فرمایا گیا۔ تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے
إِنَّ الشَّيْءَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْجُ مِنْ
حضور علیہ السلام دنیا سے شریف نہ بے گئے۔

الذُّنْيَا حَتَّىٰ عَلِمَ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ وَفَصِيلًا
كَيْفَ لَا وَهُمْ يُخْلَقُونَ مِنْهُ وَخَلَقَهُمْ
كَلِيلَةَ الْإِسْحَاقِ فِي بَيْتِ الْمَقْدَسِ وَكَذَلِكَ
الْعِلْمُ الْمَكْنُونُ وَإِنَّمَا تَرَكَ بَيَانُ قَصَصِهِمْ
لِرَأْسِهِ رَحْمَةً بِهِمْ فَلَمْ يُكَلِّفْهُمْ إِلَّا بَيَانًا
كَانُوا يُطِيقُونَ -

یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ مگر ان کے
جانبین وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور
شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی تھے
لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے
چھوڑ دیئے اُن کے لئے ان پر رحمت فرماتے
ہوئے پس ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے -

هَذَا الْإِسْنَانُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى مِنْهُمْ مَنْ كُنْ
تَقْصُصُ عَلَيْكَ لِكَانَ الْمَنْفَعِي هُوَ تَقْصِيلُ
وَالثَّابِتُ هُوَ الْإِسْنَانُ أَوِ الْفَنَى مَقِيدًا يَأْتُوْنِي
الْعَلِيَّ وَاللَّبُوتُ مَتَحَقِّقًا بِالْوَحْيِ الْحَقِي -

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِّنْهُمْ مَنْ كُنْ
تَقْصُصُ عَلَيْكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیل کی ہے اور
ثبوت علم جمالی کا ہے یا نفی ہی ظاہر قرآن کی ہے
اور ثبوت وحی حقی احدیث اکا ہے -

قرآن فرماتا ہے كَلَّا تَقْصُصُ عَلَيْكَ مِنْ
أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْثِيَتْ بِهِ قَوَادِكُ
يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا
أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ
عَلَّامُ الْغُيُوبِ -

اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں -
جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں -

جس دن اللہ جمع فرما دیگا رسولوں کو - پھر فرما دیگا
کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریگے ہمیں کچھ علم نہیں
ہے شک تو ہی غیبوں کا خوب جانتے والا ہے -

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجہیں فرمائی ہیں اولاً یہ کہ خدا یا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو
علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ آدب یا عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمائے
کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ
احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیائے
کرام کی گواہی دے گی۔ تفسیر حازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے -

فَعَلَىٰ هَذَا الْقَوْلِ إِنَّمَا نَفَوْا الْعِلْمَ عَنْ
أَنْفُسِهِمْ دَإِنْ كَانُوا عَلَمَاءَ لِأَنَّ عِلْمَهُمْ

پس اس قول کی بناء پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے
علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے

صَامَتْ كَلَامًا عَلَيْهِ عِنْدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

مَلِكٌ قَالُوا ذَلِكَ قَدْ بَأَىٰ عِلْمُنَا
سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَانَتْ لَا عَلَيْهِ لَنَا
تفسير کبیر یہی آیت اِنَّ الرَّسُلَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ لَمَّا عَلِمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَالِمٌ لَا يَجْعَلُ
حَلِيْمٌ لَا يَنْفَعُ عَادِلٌ لَا يُظْلِمُ عَلَيْهِمْ اَنْ
قَوْلَهُمْ لَا يُفِيدُ خَيْرًا وَلَا يَدْفَعُ شَرًّا
فَالْاَدَبُ فِي الشُّكُوْبِ وَتَقْوِيصِ الْاُمُوْر اِلَى
اللّٰهِ وَعَدْلِهِ فَقَالُوا لَا عَلِمْنَا لَنَا

یہ صادی یہی آیت وَتَقْبَلُ الْحُجَّةَ لَا عَلِمْنَا اِلَى
جَنْبِ عَلَيْهِ

روح البیان یہی آیت اِنَّ هَٰذَا الْجَوَابَ يَكُوْنُ
فِي بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِيَمَةِ وَتَرْجِعُ عَقُوْمَهُمْ
اِلَيْهِمْ فَيَشْرَهُوْنَ عَلٰى قَوْمِهِمْ اَنْهُمْ يَلْعَنُوْا
الْيَوْمَ سَالَةً وَاَنْ قَوْمَهُمْ كَيْفَ رَدُّوْا عَلٰىهِمْ
(۸) وَمَا اَدْرِى مَا يَفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ

اس سے منافقین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں
ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے رد قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں
ولا یت کی نفی ہے۔ نہ کہ علم کی۔ دراست اکل اور قیاس سے جاننے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے
قیاس سے یہ امر نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے
سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔

تفسیر صادی میں ہے یہی آیت مَا خَرَجَ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ

کہاں سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور
آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔

علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہو گیا۔

ان انبیاء نے یہ عرض کیا اودا یعنی جبار علم تیرے
علم کے ساتھ ساتھ ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں
اور عاقلان انبیاء کو ماننے جب جان یا کہ اللہ عالم
ہے بے علم نہیں۔ حلیم ہے سفید نہیں۔ انصاف والا
ہے ظالم نہیں۔ تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو جباری
کا فائدہ دے گی اور نہ صحبت کو دفع کرے گی۔ پس ادب
خاموشی میں رہے اور معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد
کر دینے میں رہے لہذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں
کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے
علم کے مقابل علم نہیں۔

یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہو گا۔ اور
اس کے بعد حواس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی
دیں گے کہ ہم نے مسات کی تبلیغ فرمادی اور ہماری
قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً)

اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور کیا کیا

فِي الْقُرْآنِ مَا يَفْعَلُ بِهِ وَيَا لِمُؤْمِنِينَ فِي الْقُرْآنِ
وَالْآخِرَةِ إِجْمَالًا وَتَفْصِيلًا -

کراں سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا
اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔

علامہ الرحمان ابن محمد شقی رسالہ نسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِي وَلَا
بِكُمْ نَحْنُ يَقُولُهُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ آيَاتِ مَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ بِهِ إِنَّا فَتَحْنَا لَهُ سَ -

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لَمَّا
نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَرِحَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالُوا
وَاللَّاتِ وَالْعِزَّى مَا أَمْرًا وَآمُرُ مُحَمَّدٍ إِلَّا
وَاحِدًا وَمَالَهُ عَلَيْنَا مِنْ مَزِيَّةٍ وَفَضْلٍ
لَوْ أَنَّهُ مَا يَسْتَدْعِ مَا يَقُولُهُ لَأَخْبَرَهُ
الَّذِي بَعَثَهُ بِمَا يَفْعَلُ بِهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ
وَجَلَّ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا قَدْ مَرَّ مِنْ ذُنُوبِكَ
(الآيَةُ) فَقَالَتْ الصَّخْبَةُ هَيْبَتًا لَكَ يَا
نَبِيَّ اللَّهِ قَدْ عَلِمْتُ مَا يَفْعَلُ بِكَ كَمَا قَدْ
يَفْعَلُ بِنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ خِلَ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ (الآيَةُ) وَأَنْزَلَ وَتَشِيرُ
الْمُؤْمِنِينَ يَا نَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلًا
كَبِيرًا وَهَذَا قَوْلُ أَنَسٍ وَتَنَادَى وَغَيْرُهُ
قَالُوا لَنَا هَذَا قَبْلَ أَنْ يُخْبَرَ بِغُفْرَانِ
ذُنُوبِهِ وَآيَةً أُخِيرَ بِغُفْرَانِ ذُنُوبِهِ
عَامًا لِحُدُوثِ بَيْتِهِ فَتَنَبَّهَ ذَلِكَ -

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے
لگے کہ لات و عزریٰ کی قسم یہاں اور حضور علیہ السلام کا تو
کیساں حال ہے اگر ہم پر کوئی زیادتی اور بڑبگ نہیں
اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھر کر نہ کہتے ہوتے تو ان
کو بھیجئے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کرے گا
تو رب نے یہ آیت اناری لیغفر لک اللہ مَا لَقَدْ
پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو
مبادک ہو آپ نے توحان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا
ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتنی کیڑا
فرمایا کہ اللہ مسلمان مراد و عورتوں کو جنتوں میں لائے
اور یہ آیت اتنی کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے
لیئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے یہ حضرت انس
اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرت فرمانے
میں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور
علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی تھی مغفرت کی خبر
آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی تھی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اگر کوئی کہے کہ آیت کا اڈری خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت
سے علماء نسخ خبر جارہے ہیں۔ جیسے وَإِنْ تَبَدَّلَ الْأُيُتَةُ لَا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا سَ منسوخ ہے ایسے ہی
لَا أَدْرِي كَوْنِ مَبَاسٍ وَافِنْ دَابَّ مَالِكٍ بَنِي اللَّهِ تَعَالَى عَنْهُمْ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سَ منسوخ مانا تفسیر کبیر

در منشور و ابوالسعود دوسرے یہ کہ یہاں گویا فرمایا گیا۔ قُلْ لَا تُدْعُونَ فِيهِ اَدْعَاءَ تِلْكَ اَلْمَرْجَةِ۔ نفع کا تعلق اسی سے ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض آیات صورت میں خبر اور معنی میں حکم میں جیسے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ عَلَى النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ وغیرہ ان جیسی خبروں کا نفع جانتے ہیں چرچے یہ کہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ ان تفاسیر و احادیث پر ہے جن سے نفع ثابت ہے۔

اگر اس آیت کے مذکور بالا مطلب نہ بیان کیے جادیں تو صد یا احادیث کی مخالفت ہوگی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن یَا أَيُّهَا الْمُحْسِنُ ہمارے ہاتھ میں ہر گاہ آدم و آدمیامان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ شفاعت کبریٰ ہم فرمائیں گے۔ ہمارا ضمن ایسا ہوگا۔ اس کے برتن اس طرح کے ہوں گے وغیرہ وغیرہ ابو بکر جنتی ہیں۔ حسن و حسین جو انان جنت کے سردار ہیں۔ فاطمہ زہرا خواتین جنت کی سردار ہیں کسی کو فرمایا کہ تو جہنمی ہے۔ ایک آدمی بہت اچھی طرح چہار کر رہا ہے صحابہ کرام نے اس کی تعریف کی فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ آخر کار اس نے خود کشی کی۔ اگر معاذ اللہ حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہ ہو تو اپنی اور دیگر حضرات کی یہ خبریں کس طرح سنا رہے ہیں وہ تو جس کے ایمان کی رجسٹری فرمادیں۔ وہ کامل مومن ہے اس جگہ بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر کفایت کرتا ہوں، خدا دست سچھ عطا فرمادے۔ آمین۔

(۹) لَا تَعْلَمُوهُمْ فَتَعَصَّيْنِمْ تَعْلَمُوهُمْ۔
اس آیت سے منافقین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دربار میں آنے والے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے پھر علم غیب کیسا، مگر مفسرین نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس آیت کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔
وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ اور ضرور تم ان کو بات کے طریقہ سے پہچان لو گے لہذا یہ آیت منسوخ ہے۔
یابہ توجیہ ہے کہ بغیر ہمارے بتائے انکو نہیں پہچانتے۔ جہل میں ایسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَإِنْ قُلْتَ كَيْفَ نَعْنِي عَنْهُ عِلْمُ الْحَالِ الْمُنَافِقِينَ
وَأَشْبَهَتْهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ
فِي لَحْنِ الْقَوْلِ فَالْجَوَابُ أَنَّ آيَةَ التَّحْفِي
نَزَلَتْ قَبْلَ آيَةِ الْاِخْلَافِ۔
اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی حالانکہ آیت وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ میں اس کے جانشین ثابت ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نفی کی آیت ثبوت کی آیت سے پہلے اتری ہے اس آیت کے بعد کوئی بھی منافق حضور علیہ السلام

الْقَوْلَ جَعَلْتَن بَعْدَ ذَلِكَ لَأَتَكْفُرَ مَنَافِقٍ
عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الرَّكْعَةُ وَتُحْتَدِلُ مَنَافِقُ
عَلَى فُسَادٍ بَاطِلِهِمْ وَنِفَاقِهِ -

تفسیر رضیادی یہ ہی آیت۔

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْرَتِكَ وَ
صِدْقِ قَسْرِ اسْتِكَ -

آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی
مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں ان کے لئے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ
توجہ میں نہ کی جائے تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں
کو چھپاتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔

یعنی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ
الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَظْرَبُ يَا فُلَانُ فَإِنَّكَ مَنَافِقٌ
فَأَخْرَجَ مِنْهُمْ نَاسًا فَقَضَاهُمْ -

حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس
فرمایا کہ اے فلاں نکلی جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں
سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔

شرح شفا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنَافِقُونَ مِنَ الرِّجَالِ
ثَلَاثَةَ مِائَةٍ وَ مِنَ النِّسَاءِ مِائَةٌ وَ سَبْعِينَ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
منافقین مرد تین سو تھے اور عورتیں ایک سو ستر۔

ہم اثباتِ علمِ نبی میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ
جب پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو چھپان لیا۔ اس پر منافقین نے
اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لئے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے
لیئے یہ توجہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہارِ غضب کے لئے ہوتا ہے اگرچہ کو باپ مارنے لگے اور
کوئی باپ سے پیارے تو وہ کہتا ہے کہ اس غصہ کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں
ہو (۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا حضور علیہ السلام نے عبد اللہ ابن
ابی منافق کی نماز جنازہ یا تم پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ مسمی تب یہ

آیت اتری جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان تھا اور اس کا فرزند خلیفہ مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہذا یہی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تغیر کبیر درج البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر رہتا ہے۔ جس پر حضور نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ جیب کا دشمن ظاہری عزت بھی پاد سے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت خادق کی تائید فرمادی مگر خدا اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ گو اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کویم کا کرم غیر اختیاری۔ ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ خادق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

(۱۱) وَكَيْفَ تَكُونُ لَكَ عَيْنُ الرَّوحِ وَكَيْفَ الرَّوحُ مِنْ
أَمْرِ سَيِّئَةٍ دُونَ مَا أَذْنَيْتَهُ مِنَ الْعِلْمِ لَا تَكِلِيْلًا

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم غیب ملی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنانا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کافروں سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھا اور اسامیادیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ قُلِ الرَّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے معنی حضرت قبلہ عالم شیعہ مر علی شاہ صاحب فاضل گوڑوی علیہ الرحمۃ نے سیفِ مشکینی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ قُلِ الرَّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي فرمادو کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم ارواح، عالم امکن، وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اسے کافر و تم کو حضور کا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت۔ لَا تَذْكُرْهُ إِلَّا بَصَارُهُ هُوَ مِيرَاتُكَ الْإِبْصَارُ ہے۔

لَا تَذْكُرْهُ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ عَنْ عَالَمِ الْعَنَاجِرِ
ثُمَّ عَنْ عَالِمِ الطَّبَعِيَّةِ ثُمَّ عَنْ عَالِمِ الْأَرْوَاحِ

حضور علیہ السلام معراج کی رات عالم عناصر سے آگے
پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں

حَتَّىٰ وَصَلَ إِلَىٰ عَالَمِ الْأُمُورِ عَيْنِ الزَّوَالِ
مِنْ عَالَمِ الْأَجْسَامِ قَانَلَيْخَ عَيْنِ الْكُلِّ وَتَرَامِي
مَرْتَبَةٍ بِالْكُلِّ -

تک کہ عالم امر تک پہنچے اور میری آنکھ عالم اجسام
سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ
ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا -

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی میری نہیں فرمائی۔ بلکہ خود
بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر
روح کیونکر عقیق رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جس کو ملتے پہناتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام آدمی بشر اور آدمی روح
تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح قَاذِ سُلَٰتِلِ الْيَهَامِ وَحَتَا سَمِہ نے حضرت
مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے
ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔ فتوحات کلیہ باب ۵۵۵ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

فَكَانَ نَصْفُهُ بَشَرًا وَنَصْفُهُ أَكْثَرُ نَدْحًا
مَطْمَرًا مَلَكًا لِأَنَّ جِبْرِيلَ دَهَبَهُ لِيَمِہ

حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دم پاک روح
ہیں کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔
اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از سر تا پا روح ہیں
روح الیہان کے اسی آیت لَا تَدْرِيكَ مَا تَحْتُ لَهَا -

الْحَقِيقَةُ الْمُتَحَدِّيَّةُ هِيَ حَقِيقَةُ الْحَقَائِقِ
وَهُوَ الوجودُ الْعَامَةُ الشَّامِلُ -

لہذا آیت کے معنی یہ ہونے کہ روح وہ جو امر یعنی کون سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ تو حقیقت

محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم
کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار
سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں۔؟ جواب دیا
گیا کہ قرآن امر الہی ہے نہ شعر ہے نہ کہانت۔ جبریل امر الہی سے آتے ہیں دَعَائِیْتُ نَزَلَ الْاَلَا بِأَمْرِ رَبِّكَ
اسی کبیر میں ہے۔

فَاِذَا كَانَ مَعْرِفَتُ اللَّهِ تَعَالَى مُمَكِّنَةً بَلَىٰ
حَاصِلُهُ كَأَنِّي مَرَانِعُ يَسْتَمِعُ مِنْ مَعْرِفَةِ اللَّهِ

جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو
کیوں نہ پہچانیں۔

تیسرے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔ تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِمَهُ مَعْنَى
الزُّوجِ لَكِنْ لَمْ يُخْبَرْ بِهِ لِأَن تَزَكَّ الْأَخْبَارُ
كَانَ عَلِمًا لِيُثْبِتَهُ وَالْقَوْلُ الْأَصَحُّ أَنَّ اللَّهَ
إِسْتَأْذَنَ يَعْلَمُ الزُّوجَ -

کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی
لیکن اسکی خبر نہ دی گئی کہ یہ خبر نہ دنیا کی نبوت کی علامت
اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے
خاص ہے۔

اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔
تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنْصَبُ حَبِيبِ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ
حُجْمِلًا بِالزُّوجِ مَعَ أَنَّ عَالِمًا بِاللَّهِ
وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ يَقُولُهُ وَعَلَّمَكَ
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ -

حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ
روح سے واقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف
ہیں رب نے آپ پر احسان جتایا کہ فرمایا کہچھ آپ نہ جانتے
تھے وہ آپ کو بتا دیا۔

تفسیر مدارک یہی آیت و قیلَ كَانَ السَّمَوَاتِ
عَنْ خَلْقِ الزُّوجِ يَعْنِي مَخْلُوقًا أَمَّا الْقَوْلُ
مِنْ أَمْرِ نَبِيِّ دَلِيلُ خَلْقِ الزُّوجِ نَكَاحًا جَوَابًا

کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش کے متعلق تھا کہ
روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان جن امور
رقی روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے ہند یہ جواب دیا گیا

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہونی چاہیے
یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۸۷ میں ایذا رسانہ کفار و فساد صحابہ را میں شیخ
فرماتے ہیں۔ چہر گو نہ حیات کند مومن عارت کہ نفی
علم حقیقت روح از سید المرسلین و امام العارضین کند
دواہ است ابراہیم سبحانہ علم ذات و صفات
خود و فتح کردہ برائے ارفیق مبین از علوم اولین و
آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت و
قطرہ الیت از دیر با و ذرہ الیت از سید۔

علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے وہ
تو اس دریا کا ایک قطرہ اور اشک کا ایک ذرہ ہے۔

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَلَا تَقْنُ أَنْ
ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكْشُوفًا لِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَإِنْ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ كَيْفَ يَعْرِفُ اللَّهَ
مَنْ يَعْرِفُ نَفْسَهُ فَلَا يَبْعَدُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مَكْشُوفًا
لِيَعْرِفَ الْآدَاءَ وَالْعِلْمَاءَ۔

تمہیں گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو ظاہر نہ
تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس
طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں
کہ روح بعض اولیاء و علماء کو
ظاہر ہو۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و
اولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت و نفی کے دلائل
ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

﴿۱۲﴾ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنَتْ لَهُمْ غُرُوهُ تَبُوكَ فِي بَعْضِ مَنَاقِبِهِ نَفِي غُلُظِهَا زَكَرَ كَرَمُ شَرِكَةِ زَكَاةِ
حضور علیہ السلام کو ان کی جبر سازی کا پتہ نہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جان لی اہانت دے دی اس آیت میں
آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب۔ نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے قریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور
علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش !
آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سی ہوئی تھی؟ عَفَا اللَّهُ کلمہ دعا ہے
نہ کہ عتاب۔

﴿۱۳﴾ يَسْتَلْزِمُكَ عَنِ السَّاعَةِ آيَاتُ مُؤْمَلِكِهَا
فَيَبْعَدُ أَنْتَ مِنْ دُكْرٍ هَا۔

اس آیت سے معافین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ
کو علم غیب ملی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ علم بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے
اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے
مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ أَنْتَ مِنْ
دُكْرٍ هَا آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔
چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صادی یہ ہی آیت -

وَهَذَا الْبَلَّ إِعْلَامٌ بِهِ قَوْلُهَا فَلَا يُبَاقِي أَنَّهُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى
أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ -

روح البیان یہ ہی آیت -

قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِتُ ذُقْتُ السَّاعَةَ
بِإِعْلَامِ اللَّهِ دَهْوَلًا يُبَاقِي فِي الْحُكْمِ فِي الْآيَةِ

یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے
پہلے کی ہے لہذا اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ
السلام دنیا سے نکلے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو
دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔

بعض مشائخ اُدھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے
وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس
آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔

روح البیان میں یہ ہی آیت پارہ ۹ زیر آیت کَسَبُوا نَكَاتَكَ حَقِيقًا عَنْهَا میں بھی ہے اور دہلیں
یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیح ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ
السلام کو قیامت کا علم ہے۔

کہا گیا ہے کہ قیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی
ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قیامت کی نشانیوں میں
سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں اس کو یہ دلیل
کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔

یا حضور علیہ السلام قیامت کا بیت ہی ذکر فرماتے تھے اور
اسکے بارے میں سوال کیے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس
آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرماتے پر۔

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

یا نبی کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں
ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں

تفسیر غزنوی یہ ہی آیت وَقِيلَ مَعْنَاهُ فِيمَا
إِنْكَارُ سِئَالِهِمْ أَيْ فِيمَا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ
قَالَ أَنْتَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِكْرُهَا أَيْ مِنْ
عَلَامَاتِهَا لِذَلِكَ أَخْرَجَ الرَّسُولُ فَلَكَأَهُمْ ذَلِكَ
دَلِيلًا عَلَى دُرُودِهَا -

تفسیر دارک یہ ہی آیت اَوْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ السَّاعَةَ وَيَسْأَلُ
عَنْهَا حَتَّى تَوَلَّتْ رُفُوهُ لِعَجَبٍ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا -

دارک یہ ہی آیت اَوْ فِيمَا إِنْكَارُ لِسُؤَالِهِمْ
عَنْهَا أَيْ فِيمَا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ قَالَ أَنْتَ

مِنْ ذِكْرِهَا وَأَنْتَ اجْزَأُ الْآيَاتِ بِرُوحِهَا مِنْ
عَالِمِ مَا قَدْ خَلَقْتَ لِمَا لَمْ يَكُنْ لَهَا

میں کیونکہ آپ خدائی میں قیامت کی علامتیں ہیں
علامتیں آپ ان کے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت ہیں وہ
کیوں پوچھتے ہیں۔ مذکور یہی آیت۔

قِيلَ فَيَمَّا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا مُتَّصِلٌ بِالسُّوَالِ
أَيُّ يَسْتَلْزِمُكَ مِنَ السَّاعَةِ أَتَاكَ مَوْسِمُهَا
وَيَقُولُونَ آيِنَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا لَمْ
أَسْتَأْذِنْ فَعَالَ إِلَى مَرَاتِكَ

اور کہا گیا ہے کہ فیما انت سوال سے ملا ہوا ہے
یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب
ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے
آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شمرنے کی الٰہی مروت

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی
طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔ مذکور یہی آیت۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَنِ يَخِفْهَا أَيْ لَمْ يَتَّبِعْ
لِتَعْلَمَهُمْ يُوقِئُ السَّاعَةَ إِنَّمَا أَنْتَ الْخَرَجُ

یعنی آپ اس سے نہیں بچھکے گئے کہ ان کو قیامت
کے وقت کی خبر دیں۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی ہیں وہ نہیں
محض سیودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام
ضروری ہے۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۴ وصل ایذا رسانا کفار فقرہ صحابہ را میں ہے۔

یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا
تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اس کو خوب تحقیق کر
رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے

”و بعض علماء علم ساعت نیز مثل اس معنی گفتہ اند“
(۱۴) یَسْتَلْزِمُكَ كَأَنَّكَ حَقِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا
عَلِمَهَا عِندَ اللَّهِ

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو
جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ
اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ یہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام
دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے

تفسیر صادی یہی آیت وَالَّذِينَ يَحْبِبُ
الْإِيمَانَ بِهِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْتَقِلُ

مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ
الَّتِي تَحْصُلُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَهُوَ يَعْلَمُ مَا
كَمَا هِيَ عَيْنٌ يَفْقَهُنَّ كَمَا وَرَدَ مِنْ فِعْلِ
فِي الدُّنْيَا فَإِنَّا أَنْظَرُ فِيهَا كَمَا أَنْظَرُ إِلَىٰ كَيْفِ
هَذِهِ وَوَرَدَ أَنَّهُ أُطْلِعَ عَلَى الْجَنَّةِ وَمَا
فِيهَا وَالنَّارِ وَمَا فِيهَا وَغَيْرُ ذَلِكَ مِمَّا
تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَذَلِكَ مِنْ أَمْرِ يَكْتُمَانِ بَعْضُهُمَا

آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتا دیں جو دنیا اور آخرت
میں آیا کر ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس
میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ
بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور دہل کی نعمتوں اور دوزخ
اور دہل کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں
اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانیکا حکم دیا گیا

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ يَسْئَلُونَكَ عَنْهَا كَأَنَّكَ خَافِي
بِرُءُوسِهِمْ اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتا ہی دیں گے حالانکہ
یہ اسرار الہی میں سے ہے انیسار سے چھپا نا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ مگر
اخبار کی اجازت نہیں۔

اعترض هَٰذَا يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا
عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ۔

جواب تفسیر صادی یہی آیت اِنَّمَا وَكُمُتِ
السَّوَالِ وَالْاَلَمْ يَصْعَرْ جَزْ نَبِينَا عَلَيْهِ السَّلَامُ
حَتَّىٰ اُطْلِعَهُ اللَّهُ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمُغَيَّبَاتِ
وَمِنْ جَمَلَتِهَا السَّاعَةُ۔

لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس
کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال
کے وقت تھا اور نہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے
گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبیوں پر
مطلع فرمادیا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔

روح البیان یہی آیت۔

وَلَيْسَ مِنْ قَمَرٍ الشَّيْءِ أَنْ يَعْلَمَ الْغَيْبَ
بَعْدَ تَعْلِيمِهِ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى۔

اردنی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے
بغیر بتائے غیب جانے۔

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل
پکڑنا غلط ہے۔ تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

الْمَعْنَى لَا يُفْقِدُ عِلْمُهُ غَيْرُهُ تَعَالَى فَلَا يُتَأَفَى
معنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ
يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَ عَلَى مَا كَانَ
زَمَانُهُ وَمَا هُوَ كَارِيْنٌ دَمِينٌ جَمَلْتِهِ
عِلْمُ السَّاعَةِ -

ہے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی
علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک
کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پچھلے واقعات پر
مطلع فرمایا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل
نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا -
مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں
ہم سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے درودجہ سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جہانے کی نفی
نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ درود فرماتے لَّا أَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد
فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اسے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو
بھی خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر اظہار کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت
جبریل نے عرض کیا۔ فَأَخْبِرْ عَنْ أَمَارَاتِهَا تو قیامت کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ
السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولاد و افراد ہوں گی اور کمین لوگ عزت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس
کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے اس کے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے
سے پوچھا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

لَا تَعُودُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ -

کلہر کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا۔

بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ

کہا تین

ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔

(مشکوٰۃ باب خطبہ يوم الجمعہ)

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں کہ ایک
بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی و قتال آیا نہ حضرت

مسح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا محضے؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری بعد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت توزیع الاقل میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سے سال منسوب کر دیا۔ سال فیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتادیئے اور جزات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کر کے وہ بے علم کس طرح سو سکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من و عن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دہلی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جادے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراۃ بادی نے ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمائی۔

اعترضوا ان الله عتده علم الساعة و
يؤزل الغيث و يعلم ما في الاكابر حليم و ما
تدبرني نفس مما انا تكسب غدا و ما
تدبرني نفس بما بي امر من ثموت ان
الله عليه خبيره

بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارنا ہے میز اور جاتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کھائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جانتے والا بتا نہ والا ہے۔

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم خسر کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شروع مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ فی خمس لا يعلم هن الا الله ثم قرأ ان الله عتده علم الساعة یعنی

پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ہم علومِ حق کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنا قبول رکھتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیرات احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

وَلَقَدْ اَنْتَقَوْلُ اِنَّ عَلِمَهُ هٰذِهِ الْخَمْسَةُ
وَاَنْ لَا يَعْلَمَهَا اَحَدًا اِلَّا اللّٰهُ لَكِنْ يَّجُوْزُ اَنْ
يَّعْلَمَهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ جُنْحَيْنِهٖ وَاَوَّلِيَّاءِ ۝
بِقَرْنِهٖ تَوَلَّيْهِ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ
يَّمْعَنُ الْخَبِيْرُ۔

تفسیر صادی آیت مَا ذَا تَكْسِبُ غَدًا کے ماتحت فرماتے ہیں۔

اَمَى مِنْ حَيْثُ دَانَهَا وَاَمَّا يَا عَلَمِ اللّٰهِ
لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالْاَنْبِيَاءِ
وَبَعْضُ الْاَوَّلِيَّاءِ قَالَ تَعَالٰى وَلَا يَحْطِطُوْنَ
يَشْئِىْ مِنْ عَلَيْهِ اِلَّا بِمَا شَاءَ قَالَ تَعَالٰى
فَلَا يُظْهَرُ عَلَى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا
مَنْ اَرْضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَلَا مَانِعَ
مِنْ كَوْنِ اللّٰهِ يُطْلِعُ بَعْضَ عِبَادِهِ
الصّٰلِحِيْنَ عَلَى بَعْضِ الْمَغْئِبَاتِ فَتَكُوْنُ
مُعْجِزَةً لِلنَّبِيِّ وَكَرَامَةً لِلْوَلِيِّ وَلِذٰلِكَ
قَالَ الْعُلَمَاءُ اَلْحَقُّ اَنَّهُ لَمْ يَخْصُرْ
نَبِيْنًا مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اُطْلِعَهُ عَلَى
تِلْكَ الْخَمْسِ۔

اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے دیوانوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جانتے والا بتانے والا ہے خیر معنی خیر۔

یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جانتا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض اولیاء رب نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبیوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہو گا اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمایا۔

تفسیر اس البیان زیر آیت يَعْلَمُ مَا فِي الْأَحْجَامِ ہے۔

مَمِيعَتُ أَيضًا مِنْ بَعْضِ الْأَدْلِيَاءِ أَنَّهُ
أَخْبَرَ مَا فِي الرِّحْمِ مِنْ ذَكِّدَ أَتْنَى وَ
سَرَّ مَيْتٍ يَعْنِي مَا أَخْبَرَ۔

ہم نے بعض ادیبانہ کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے
بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں
سے دہی دیکھا جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَمَا يُدْرِي عَنِ الْأَنْبِيَاءِ كَلَّا ذَلِيلًا مِنْ الْأَخْبَارِ
عَنِ الْغُيُوبِ فَيَتَعَلَّمُ اللَّهُ تَعَالَى إِمَّا بِطَرِيقِ
الْوَحْيِ أَوْ بِطَرِيقِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْكَشْفِ وَكَذَا أَخْبَرَ
بَعْضُ الْأَدْلِيَاءِ عَنْ نَزُولِ الْمَطَرِ وَأَخْبَرَ عَمَّا
فِي الرِّحْمِ مِنْ ذَكِّدَ أَتْنَى وَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ۔

اور جو غیب کی خبریں انبیاء و ادیبانہ سے مرئی ہیں۔
پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے
طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض ادیبانہ نے بارش
آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا
لڑکی کی خبر دی تو وہ ہی ہونا خواہوں نے کہا تھا۔

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ ایسے حبیب علیہ السلام کو دیتے
اور اس آیت میں خمیر یعنی مخبر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر
اس پر اختصار کرتا ہوں۔ اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں
جانتا اس کی شرحیں ملاحظہ ہوں امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری
مرقاة شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

فَمَنْ ادَّعَى عِلْمَ شَيْءٍ مِنْهَا غَيْرَ مُسْتَدٍّ
إِلَى سَرِّسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ كَاذِبًا بَاقِي دَعْوَاهُ۔

پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا
دعوے کرے حضور علیہ السلام کی طرہ بغیر نسبت
کیے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَمَّا دَلَالَةُ الْعِلْمِ بِدُونِ تَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَى۔
مرد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بتا کوئی نہیں

اشعة لمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں مراد آنست کہ بے تعلیم الہی بحساب
مغل ایسا را نداندا از امور الغیب اند کہ خبر خدا سے تعالیٰ کے ال را نداند مگر آنکہ دے تعالیٰ از خود خود کے

وحی والہام بدنام نہ مارا یہ ہے کہ ان امور غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے انداز سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جس کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وحی یا الہام ہے۔ امام تفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں۔

کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع ملی ان سے وہ غیب لیتا ہے۔

لَا يَعْلَمُ سِتْرِي تَقْوَمُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ
وَالْأَمِينُ امْرَأَتِي مِنْ مَسْئُولٍ فَإِنَّهُ
يُطْلِعُهُ عَلَى غَيْبِهِ وَالْوَلِيُّ التَّائِبُ لَهُ
يَأْخُذُهَا عَنْهُ۔

انجام الحماہ حاشیہ ابن ماجہ باب شرائط الساعۃ زیر حدیث حَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنت خارجه کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فرامست اور ظن ہے خدا تعالیٰ موتوں کی فراست کو سچا کر دیتا ہے۔

أَخْبَرَنَا الصِّدِّيقُ زَوْجَتَهُ بِنْتُ خَارِجَةَ
أَنَّهَا حَامِلَةٌ بِنْتٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ
وَفَاتِهِ أُمَّ كُلْثُومَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ فَهَذَا مِنْ
الْفَرِاسَةِ وَالظَّنِّ وَيُصَدِّقُ اللَّهُ قَوْلَ سَةِ
الْمُؤْمِنِينَ۔

سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الابریز میں فرماتے ہیں۔

هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ
مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ وَكَيْفَ
يَخْفَى ذَلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أُمَّتِهِ
الشَّرِيفَةِ يَعْلَمُونَ نَهَادَهُمْ دُونَ الْغَوْثِ فَكَيْفَ
بِالْغَوْثِ فَكَيْفَ يَسْتَدِ الْأَقْدَلِينَ وَالْآخِرِينَ
الَّذِي هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ

حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو جانتے ہیں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی روض النیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کا فرمانا إلهو اس کے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کعبہ اللہ

قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إلهو مَعْنَاهُ بِأَنَّهُ لَا
يَعْلَمُهَا أَحَدٌ بِذَاتِهِ إِلَّا هُوَ لَكِنَّ قَدْ يَعْلَمُ بِهِ

يَا عَلَامُ اللَّهِ فَإِنَّ تَمَّ مَنْ يَعْلَمُهَا وَتَمَّ
وَجَدْنَا ذَلِكَ يُغَيِّرُ وَاحِدًا كَمَا رَوَيْنَا جَمَاعَةً
عَلِمُوا مَتَى لَيَمُوتُونَ وَيَعْلَمُوا مَا فِي الْأَرْحَامِ

کے بتائے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو
جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جسے ہم نے ایک قیامت
کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مریں گے اور جانتے ہیں کب کون
میرے گا۔

یہی علامہ جلال الدین سیوطی خلافت شریف میں فرماتے ہیں۔

عَرِضَ عَلَيْهِ مَا هُوَ كَاتِبٌ فِي أُمِّتِهِ حَتَّى
تَقُومَ السَّاعَةُ

حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں
جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔

علامہ بیجویری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا
إِلَّا بَعْدَ أَنْ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِهَذِهِ الْأُمُورِ الْخَمْسَةِ
مَجْمَعِ النَّبَايَةِ فِي عِلْمِ شَرْحِ تَرْجَمَاتِهِ

حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لگے گا کہ بعد
اللہ نے آپ کو ان پانچ چیزوں کا علم بتا دیا۔

قَدْ وَرَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے
خارج نہ کیا یہاں تک کہ سرچیز پر مطلع کر دیا۔

یہی علامہ شرنوائی اسی مجمع النبایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْلَمُ هَذِهِ الْخَمْسَ عِلْمًا
لَدُنِّيَا ذَاتِيًّا وَلَا وَاسِطَةً إِلَّا اللَّهُ قَالَ لَعَلَّمَهُ
بِهَذِهِ الصِّفَةِ مِمَّا اخْتَصَّ اللَّهُ بِهِ وَامَّا
بِوَاسِطَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِهِ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی
طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس
اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ
وہ خدا سے خاص نہیں۔

تَرْجَمَاتٍ وَبِهِ شَرْحُ أَرْبَعِينَ نَوِيٍّ فِي فَاسِلِ ابْنِ عَطِيَّةٍ فَرَسَتْ هِيَ

حق وہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور
علیہ السلام کو ذاتی ہی یہاں تک پوشیدہ چیزوں پر خبر دل کر دیا
لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔

الْحَقُّ كَمَا قَالَ جَمْعٌ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْضِ بَيْنَنَا
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ مَا أَمَرَهُمْ
عَنْهُ إِلَّا أَنَّهُ أَمَرَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالْإِعْلَامُ بِبَعْضٍ

شاہ عبدالعزیز صاحب اہسان محدثین صفحہ ۱۱۱ میں فرماتے ہیں نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر افریزندی زہدیت
کلبیہ خاطر حضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود کہ از پشت تو فرزند سے خواہد آمد کہ بعلوم خود دنیا را پر کند۔

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی تجربہ جیتا تھا۔ مولیٰ دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تہدی پشت سے ایسا فرزند ہو گا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔

یہاں تک تو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم تحذیر الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں پڑھنے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ
فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَأَجَلَكَ وَدَرَجَتَهُ وَشَفِيعِي
أَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ
یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا
وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا عمل اسکی موت اس کا درجہ
اور یہ کہ نیک نیت ہے یا بد نیت پھر اس پھونکی جاتی ہے
یہ ہی علوم خمسہ میں ادر تمام موجودہ اور گزشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا
ہے مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ
اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار
برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔

معلوم ہوا کہ ان محفوظ میں علوم خمسہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء میں
کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ
میشاق کے بن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ
روحیں تو کافروں کی ہیں اور سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو اس طرح دیکھا کہ ان کے راسے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح میں یعنی جنتی و نجاتی
لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر غمگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر
میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف
لائے۔ اور راسے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام جنتی لوگوں کے نام مع ان کے
قیلے کے ناموں کے ہیں۔ اور دوسری کتاب میں تمام دوزخیوں کے نام مع ان کے قبائل کے ہیں۔
اور آخر میں ان ناموں کا ٹول بھی لکھا دیا گیا ہے کہ کل کتنے۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقا

میں فرمایا۔ اَلْظَاهِرُ مِنَ الْاَشَارَاتِ اَنَّهُمَا حَيَّتَانِ وَفِيْلَ تَمِيْلٍ۔ اشارہ ہے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آرہی تھیں۔ اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جب مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنْتَ تَقُوْلُ هَذَا اَجْمَ تَوْ پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان نیت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان فقط پابندی قانون یا معترض کامنہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے حر پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آئیو الا ہے اس سے جھگڑا نہ کر مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرة النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالآخر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا فرمے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا مشکوٰۃ کتاب النکاح ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ صفت الہی میں مشرکت نہ تو کھلا جائز نہ بعضاً۔ ان دلائل کے جواب اشارۃ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعتراف وظار مَا يَكْفِيكُمْ تَاوِيْلُهُ اِلَّا اللّٰهُ۔ متشابہات آیات کی تاویل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب۔ اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ کہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ هُوَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ۔ اپنے مہیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھادیا تو متشابہات بھی سکھادیے۔ اسی لئے حنفی مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَاللّٰهُ اَيُّوْنِ فِي الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

دوسری فصل

نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مناہین نفی غیب کے لئے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ اللہ اعلم کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا اللہ اعلم فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدلائل ایسی لاؤ جس میں عطائے علم غیب کی نفی ہو مگر انشاء اللہ نہ لاسکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا۔ مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ وَاِلَّا لِلّٰهِ الْغَوْثِیۡۃُ

اعترض ارض را مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بیچیاں دن بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرنے کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

وَفِیۡنَا نَبِیّۡ یَعْلَمُ مَا فِیۡ غَیۡبِہٖ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گائے جاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر موتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔ جواب :- اولاً تو خود کرنا چاہتے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کافر و مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور علیہ السلام نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے اولاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں! یہ باتیں چھو

وہ ہی آئیں کہ وہ یہ بھی انکار فرمایا۔ وہ یہ کہ کھیل کود گائے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لیے ادب چاہیے۔ تیسرے یہ کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرما۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کو ملا کر پڑھتے ہیں۔ مرثیہ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

بِكْرَامَةٍ نَسَبَتْهُ عَنِ الْغَيْبِ إِلَيْهِ لَأَنَّهُ لَا
يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَأَمَّا يَعْلَمُ الرَّسُولُ مِنَ
الْغَيْبِ مَا أَعْلَمَهُ أَوْ ذَلِكَ أَمَةٌ أَنْ يُدْكَرَ
فِي أَثْنَاءِ ضَرْبِ الدِّقِّ دُثْنَاءُ مَرْتَبَتِهِ
الْقَتْلُ يُعْلَوُ مِنْ نَسَبِهِ عَنْ ذَلِكَ -

منع فرمایا، علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو، کیونکہ علم غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دن بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا ہر جاس سے اعلیٰ ہے۔

اشعۃ المعارف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے ”

مذکورہ لفظ کے معنی منع آنحضرت از میں قول بحجت آن است کہ
دور سے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت را تا نوش
آمد بعض گویند کہ بحجت آن است کہ ذکر شریف
و سے در اثنا محو مناسب نہ باشد۔

اعتراف (۱۲) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نرد درخت کی مثل شاخہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس کام کو عربی میں تعلق کہتے ہیں انصار نے تعلق چھوڑ دیا۔ مذاکی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سکر عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

اِسے وِنارِی مَعاملات تَم جانتے ہو۔

معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ قلع روکنے سے محل گھٹ جاوے گی اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔
جواب :- حضور علیہ السلام کا فرمانا اَسْتَدُّ اَعْلَمُ بِاُمُورِ دُنْيَا کَمَّا اَنْظَرُ اَبْصَارِہَا یعنی ہے کہ جب تم صبر
نہیں کرتے تو زیادہی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے
ہیں بھائی تو جانے۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔ شرح شفا۔ ملائی تباری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَحَصَّهَ اللَّهُ مِنَ الْإِطْلَاقِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ
 اللَّهُ تَعَالَى فِي حَقِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَمَا تَمَامَ دِينِي وَدِينَاوِي

الذَّيْنِ وَالَّذِينَ دَأَسَتْهُمُ الْأَسْقَابُ ۚ بَآئِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَجَدَ الْأَنْصَارُ يُلْقُونَ السَّخْلَ ۖ فَعَالَ لَوْ
تَرَكْتُمُوهُ فَتَرَكُوهُ فَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ شَيْئًا ۖ أَوْ
خَرَجَ شَيْئًا ۖ فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِنَا
كَمْ قَالَ الشَّيْخُ السَّنُونُوسِيُّ أَرَادَ أَنْ يَحْمِلَهُمْ
عَلَى خَوْرِي الْعَوَاثِدِ فِي ذَلِكَ إِلَى بَابِ التَّوَكُّلِ
وَأَمَّا هُنَاكَ فَلَمْ يَمْتَنُوا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْرَفُ
بِدُنْيَاكُمْ وَلَوْ أَمْتَسَلُوا وَتَحَمَّلُوا فِي سَنَةٍ أَوْ
سَتَيْنِ لَكُنْتُمْ أَمْوَالَهُ الْحِجَّةِ ۚ

مسلخوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر اعتراض
ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تعلقہ کھٹے ہوئے
پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے
چھوڑ دیا تو کچھ بھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے
دنیاوی معاملات تم جانو شیخ سنونوسی نے فرمایا کہ
آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلافت عادت کام کر کے
باب توکل تک پہنچادیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمایا
کہ تم جانو اگر وہ مان جائے اور در ایک سال نقصان
برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔

ملا علی قاری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ سَبَّحُوا عَلَى كَلَامِهِ أَفَاتُوا فِي الْفَنِ لَقَعَهُ
مِنْهُمْ كَلْفَةُ الْعَاجِزَةِ ۚ

اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت ہوتے تو اس فن میں
ذوقیت لے جاتے اور ان سے اس تعلقہ کی محنت دور ہو جاتی۔

نسل الخطاب میں علامہ قسری سے نقل فرمایا۔

وَلَا يَغْرِبُ عَنْ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ مِنْ حَبِّ مَرْتَبَةٍ
وَأِنْ كَانَ يَقُولُ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِنَا كَمْ

حضور علیہ السلام کے علم سے نہیں داسماں میں ذرہ
بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے
کہ دنیاوی کام تم جانو۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر
زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرَّاهُ فِي سُنْبُلِهِ
یعنی گہیوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو

کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ
عَلَيْهِمْ ۚ

مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کرو میں اس کا محافظ
اور ہر کام جاننے والا ہوں۔

یہ لمبی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کہ ہے۔ معاذ اللہ۔

اعترض (۲) ترمذی کتاب التفسیر سورہ الغام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئی کو چھپا یا وہ جو نما ہے۔

وَمَنْ ذَعَرَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي عَيْنِ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللَّهِ۔ اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ عینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الیاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان صبیح الرحمن سورہ والنجم میں۔ اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ درہ بہت سے اسرار الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جس کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسرار الہیہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور

علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جانتا در نہ صدقہ امارت اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آوے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، وصال کی، امام مہدی کی اور جو من کو شر کی شقاوت بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور جگہ قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے ظاہری معنی بھی کیے جاویں تو مخالفین کے بھی تو خلاف ہے کہ وہ بھی سب سے غیوب کا علم مانتے ہیں اہاں میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل خبیثہ ہوگا سورج نکلے گا بلات آوے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معراج سمجھائی کا بھی انکار فرمایا مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج انکے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے جو اب تک انکے علم میں نہ آیا تھا۔

اعتراض (۴) صدیق اکبرؓ کا مارگم ہو گیا۔ جبکہ تلاش کر لیا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

جواب: اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوتا نہ کرنا بتانا اور نہ بتانے میں صد ہا حکمتیں ہوتی ہیں حضرت صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدا سے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی اپنی یہ تھی، کہ صدیق کا مارگم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں تک جاویں ظہر کا وقت آجاد سے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جاوے کہ اب کیا کریں تب آیت تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیق کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کی طفیل ہم کو تیمم کا حکم ملا۔ اگر اسی وقت بار بتا دیا جاتا۔ تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا تو فنی دے۔

اعتراض (۵) مشکوٰۃ باب المحض والشفاء میں ہے۔

حوض پر ہمارے پاس کچھ قرین اُغنیٰ جیکو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے درمیان آرکڑی جاوے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جاوے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے پس ہم فرمائیں گے دردی ہو دردی ہو اس کو جو میرے بعد وہیں بدلے۔

لَبِذَٰلِكَ عَلَىٰ أَقْوَامٍ آخِرُهُمْ دَعِيْرُ فَوْضَنِي
ثُمَّ يَحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ
إِنَّهُمْ مِتُّ قِيَمَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي
مَا أَحَدٌ ثَوَابَعْدَكَ فَأَقُولُ
مُحَقَّقًا مُّحَقَّقًا لِمَنْ غِيَرُ

بَعْدِي

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرانے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے و دیر تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سن کر نمکین کرنے کے لیے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جاوے گا۔

عذاب چکھ۔ تو تو عزت کرم والا ہے۔

ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ هَذَا رَبِّيَ مِثْلُ رَبِّ هَـ۔

پھر عروہ کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس مارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں

أَعْرِضْهُمْ عَنْ هَـ بِمَنْ كُوْهِلَتْ عَيْنُكَ بِهَـ، کیا اس دن بھول جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند

علامات ہوں گی۔ اعضاء ومنوكا مكننا، پہر اورانی ہونا یَوْمَ تَكْبِشُ الْجُوزُورُ وَتَكْمُودُ وَتَجُودُ وَتَاجُودُ

ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا۔ پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ اور انکار کی علامت

ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا۔ ان کی آمد کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو

رہی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کی خبر سے وہی۔ عشر و مہشر کو بشارت دی۔ دو کتابیں صحابہ کرام کو دکھادیں

بن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں وہاں نہ پہچاننے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب

تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيَاهُمْ نِزْرًا تَابَ سِيَاهُمْ فِي جُوزِهِمْ مِنْ أَثَرِ

الشَّجْوِ عَلَیْهِمْ مَعْلُومٌ ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہروں پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب الحوض والشفاعہ میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو کھانے کے لیے جہنم میں جائیں گے

اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو جل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَنْ دَخَلَ ثَمَرِيَّ قَلْبِي شَقَالَ ذَرَّتْهُ مِنْ خَيْرِي فَأَخْرِجُوهُ۔

جس کے دل میں رانی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو نکال دے جاؤ۔

دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمان کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل

میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا وزہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات

دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراف ۱۰ بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت ائمہ العظام کی روایت ہے۔

وَاللّٰهُ مَا أَذْهَبَ عَنِّي دَانًا مِّنْ سُوْءٍ لِّلّٰهِ مَا خَلَكَ قِسْمٌ مِّنْ نَّهْنٍ جَانَا حَالًا لِّمَنِ اللّٰهُ كَارِهُ لِي

کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔

یُعْلَلَنِي۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔

جواب :- اس بلکہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ دانت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اکل دقاس سے نہیں جانتا

کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو اسے اہل علم و تہذیب پر نشانہ بنانا منطوق ہے۔ جتنی باتوں کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ درہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ جم اولاد آدم کے سزاوارچہ اس روز ولولہ الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جادے گی۔

اعترض وہ بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث انکب میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

جواب۔ اس میں بھی نہ بنانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ غور یہ ہے کہ بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ آئیں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔
مِنَ رَّسُولِیْ یُورِیْکُمُ الْکَلِمَۃَ الَّتِیْ لَیْسَ بِہَا جُنَاحٌ عَلَیْکُمْ فَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاب فرمایا۔

لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہَا ظَنُّوْا الْمُوْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
یَا نَفْسِہُمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ۔

یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور نہ ان کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔ پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فرمایہ فرمایا ہذا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ آپ پر واجب نہ تھا کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاذ اللہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عورت و عقلت دے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط

ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ پر پریشان ہوتا ہے لوگوں میں اس افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی سے عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین

کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ انکبر نے کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جواب ملا۔ اس تاخیر میں صدیقہ

ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ
لِلْخَبِيثَاتِ۔

اس گندگی سے مراد گندگیِ زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافروں کو کہہ کر کفر سمجھ کر جرم ہے۔ مگر گھٹونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس سے عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لیے انبیاء کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک میں ان سے یہ تصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز مرضی الہی یہ تھی کہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دیں اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کے مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھوا دیں کہ تلازی نازوں میں ان کی عقبت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ خیریاں حاصل نہ ہوتیں مگر خدا کے علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچہ کے ذریعہ پاکدامنی سے پاکدامنی ظاہر فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے ہی دی اور اس گواہی کو قرآن کا جزد بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کا رکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ۔ ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جانتا ہے۔ نسیان جان کر حافظہ سے نکل جاتا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر تو جہ نہ رہے۔ ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کامل ہے۔ اگر کسی وقت کوئی آیت اُس سے پوچھی بتانہ سکا۔ تو جہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل۔ دوسرا ناسی، تیسرا ذلیل، چوتھا انبیائے کرام کو بعض وقت

کسی خاص چیز کا بیان ہو سکتا ہے۔ مگر بعد میں اس پر تائید نہیں رہتی۔ قرآن کریم میں آیہ السلام کے لیے فرماتا ہے۔ **فَلْيَسِّرْ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عَزْرًا** مآوہ بھول گئے ہم نے ان کا قصہ نہ پایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نظر روح محفوظ رہتی۔ یہ تمام واقعات پیش نظر تھے۔ مگر انسانی کچھ مدت کے لیے نسیان ہو گیا۔ قیامت میں شفیع کی تلاش میں سارے مسلمان جن میں مقدسین و مغسبین و فقہاء سب ہی ہیں۔ اختیار کر لیں گے کہ آپ شفاعت فرمادیں۔ وہ شفاعت نہ تو کریں گے اور نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ خیال سے فرمادیں گے کہ حضرت نوح کے پاس جہاد۔ دہان جہاد۔ دہان جہاد شاید وہ قہاری شفاعت کریں۔ حالانکہ دنیا میں سب کا عقیدہ تھا اور ہے کہ قیامت میں شفیع المذنبین حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ یہ بہاؤ معلوم کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ رہی۔ اگر حضور علیہ السلام کسی وقت کوئی بات نہ بتائیں تو اس کی وجہ دھول (ادھر توجہ کا نہ ہونا) ہو سکتی ہے۔ بے علمی ثابت نہ ہو گی اب تعالیٰ فرماتا ہے **وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَافِلِينَ** اگرچہ آپ اس سے پہلے واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بے پرواہ تھے غافل فرمایا جا بل نہ فرمایا۔ غافل وہ کہ واقعہ علم میں ہے۔ مگر ادھر دھیان نہیں۔ پاکستان میں فرماتے ہیں کسی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا ہے

زمصرش بوسے پیرا بن شمشیدی • چادر چاہ کنگالشن ندیدی!
کہ آپ نے حضرت یوسف کے کرتے کی خوشبو مصر سے تو پائی۔ مگر کنگال کے کنویں میں رہے۔ تو آپ معلوم نہ کر سکے۔ جواب دیا ہے

گفت لحوال مابرق جهان است	دے پیدا دیگر دم نہان است
گجے بظاہر اعلیٰ نشینیم	گجے بر پشت پائے خود نہ بینیم

فرمایا کہ ہمارا حال بجلی کی ترب کی طرح ہے کبھی ظاہر کبھی چھپا ہوا۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو علم تھا کہ ماہ کنگال مصر میں بجلی دے رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔
وَأَعْلَمُ مِمَّنِ اللَّهُ مَا لَا تَعْلَمُونَ | مجھے خدا کی بات سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم
روح البیان پارہ بارہ زیر آیت **وَلَقَدْ أَمَرْنَا نُوحًا بِأَنْ يَأْتِيَهُمْ مِنْ رَبِّهِمْ** کہ رب تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا رونا بہت پسند ہے حضرت نوح اتنا روئے کہ نام ہی نوح ہوا۔ یعنی توجہ اور گریہ زاری کرتے رہے۔ حضرت یعقوب کے رونے کے لیے فراق یوسف سب ظاہری تھا ورنہ ان کا رونا باندی

درجات کا سبب تھا۔ لہذا ان کا یہ رزنا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ الحیا زنتلۃ
الحقیقۃ منہوی میں ہے۔

عشقِ یوسفیت میں کارِ غمت ۛ حسنِ یوسف مگر رنسا رنست

موتش بیاید نازِ شبِ یوسف ۛ ذوقِ ہوا درم بیار بہا سے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک جلد سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم
کھائی اور تانے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر میں شاہی قیدی بنایا گئے مگر فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ۚ کہ تمہارے نفس نے تمہیں جلد بکھا دیا۔

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی بک لیا اور بنیامین کو بھی میری اولاد یعنی حضرت
یوسف نے جیل ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل داند کی خبر ہے۔ پھر ظاہر مصر میں یعقوب
علیہ السلام کے دو فرزند گئے تھے ایک تو بنیامین دوسرے یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَكُنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ قریب ہے کہ ان دونوں کو مجھ سے ملائے۔

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام
کو گھر میں بند کر کے بری خواہش ظاہر کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف
کے پاس پہنچے اور وراثت تلے لگی دبا کر انکار کیا کہ ہرگز نہیں۔ اسے فرزندیکام تھا بلکہ انہیں ہے کہ تم نبی
کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا ۚ اُنْ رَّىٰ بُرْهَانَ رَبِّہٖ۔ ۛ وہ بھی زلیخا کا قصہ دیکھتے اگر رب کی دلیل نہ
دیکھ لیتے۔

یہ بھی خیال رہے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیج دیا گیا اور آپ کو قمیص اور
بھیر میٹے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیڑیے نے غرض کیا تھا کہ ہم پرانیار کا گوشت حرام
تہ۔ دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورۃ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں بنگلہ کیوں نہ گئے؟
معلوم ہوا کہ باختر تھے مگر رازدار تھے، جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں طانات ہوگی، اسے طرح یوسف علیہ
السلام کو بہت سے موقع ملے۔ مگر والد کو اپنی خبر نہ دی۔ معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کہ ان سے بیٹھے
جوئے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات کو دیکھ لیں۔ مگر حضور علیہ السلام اپنی علیہ
ظاہر و باطن کی بیٹی حضرت صدیقہ کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جرب کہ ان کو انما علم ویتات طاق

ضبط بھی دیتا ہے کہ دیکھتے ہیں گھر بے رحم، الہی راز نام نہیب، ہر تے میں اللہ اَعْلَمَ حَيْثُ يَجْعَلُ
 میں سَأَلْتُ جہادی یہ تقریر اگر خیال میں رہی تو بہت مفید ہوگی۔ اِنْشَاءً اللہ
اعتراض (۸) حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض ازدواج کے گھر سید ملاحظہ فرمایا۔
 اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کے وہیں پاک سے منافق کی بو آ رہی ہے۔ تو فرمایا
 کہ تم نے منافق نہیں استدلال فرمایا۔ شدید بات۔ پھر حضور نے اپنے پیٹ پر حرام کر لیا۔ جس پر یہ بات
 اتری لَمْ يَجْعَلْ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ معلوم ہوا کہ اپنے وہیں پاک کی بو کا بھی علم نہ تھا کہ اس سے
 بو آ رہی ہے یا نہیں۔

جواب :- اس کا جواب اسی آیت میں ہے۔ تَبْتَغِي مَوَاصِلَ أَزْوَاجٍ لَّاتِ جَبِيبٍ
 حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازدواج کی رہنمائی کے لیے ہے نیز اپنے منہ کی بو غیب
 نہیں محسوس پیر سے ہر صبح الدماغ محسوس کر لیتا ہے کیا دیوبندی انبیاء کے حواس کو بھی ناقص مانے
 لگے ان کے حواس کی قوت کو مولانا نے بیان فرمایا ہے

نطق آب و نطق خاک و نطق گل * بہت محسوس از حواس اہل دل
 فلسفی گو منکر حنائہ است * از حواس ادیبان بیگانہ است !

اعتراض (۹) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا تو خبر میں زہر آلود گوشت کیوں کھالیا۔ اگر جہالت
 ہوئے کھایا تو یہ خود کشی کی کوشش ہے جس سے نبی معصوم ہیں۔

جواب :- اس وقت حضور علیہ السلام کو یہ بھی علم تھا کہ اس میں زہر ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ زہر سہم
 پر یکم الہی اثر نہ کرے گا۔ اور یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہی تھی کہ ہم اسے کھالیں تاکہ بوقت
 وفات اس کا اثر نہ پڑے اور ہم کو شہادت کی وفات غطا فرمائی جاوے راضی برضا تھے۔

اعتراض (۱۰) اگر حضور علیہ السلام کو علم غیب تھا تو بیرموزہ کے منافقین دھوکے سے آپ سے ستر (۷)
 صحابہ کرام کیوں لے گئے جنہیں دہان لے جا کر شہید کر دیا۔ اس آفت میں انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے کیوں بچھڑایا۔

جواب :- جب وہاں حضور علیہ السلام کو یہ بھی خبر تھی کہ بیرموزہ والے منافقین ہیں اور یہ بھی خبر تھی کہ یہ
 لوگ ان ستر صحابہ کو شہید کیوں گے۔ گریبا تھ ہی یہ بھی خبر تھی کہ مرضی الہی یہ ہی ہے اور ان ستر کی شہادت

کادت آیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے اور جہم علیہ السلام تو رضی الہی پاکر فرزند پر پھڑکی سے کرتی رہ گئے کیا بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضائے حق۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور بیرون دالے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

تیسری فصل

علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعتراض (۱) افتادہ قاضی خاں میں ہے۔

رَجُلٌ تَوَزَّجَ يَغْيِرُ شُهُودَ فَقَالَ الرَّجُلُ ذَا
الْمَرْءَةِ عَذَا اِدْرَسُوهُ رَاَوْاهُ كَرِيمٌ قَالُوْا اَيْتَكُوْنُ
كُفْرًا اِلَّا نَّهٗ اَعْتَقَدَ اَنَّ مَرْسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ مَا كَانَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ
حِيْنَ كَانَ فِي الْحَيَاةِ فَكَيْفَ بَعْدَ الْمَوْتِ

اعتراض (۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَذَكَرَ الْحَقَنِيَّةُ تَصَرُّفًا بِالْكَفْيِ بِاعْتِقَادِ
اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِعَاذَةِ
تَوَلَّيْهِ تَعَالَى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب: ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ محض الغیب بھی حضور علیہ السلام

کو بعض علم غیب ملتا ہے۔ لہذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا تو ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور کو علم غیب ملے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کامانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر مائیں مولوی

کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا کہ ہم نے خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے پھر ہائیکہ موت کے بعد

مستفیدوں نے صراحت ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدا کے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان میں بچوں، یتیموں اور جانوروں کو بعض علم غیب مانا ہے۔
مولوی خلیل احمد صاحب نے برائین فاطمہ میں شیطان اور ملک الموت کو وسیع علم غیب مانا۔ مولوی قاسم
صاحب نے تحذیر الناس میں اس کی کمال ہی کر دیا کہ ساری ضرورت سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ مانا اب
ان تینوں صاحبوں پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ تفصیل جواب یہ ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں ہے
قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ قَاضِي خَانَ دُونَهُ فَعَلَّامٌ لِّمَا فِي الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ مَا كُنَّا لَنُفِيقَهُ
ان کو یہ قول پسند نہ ہو۔ شامی جلد پنجم صفحہ ۴۴۵ میں ہے۔

لَفْظُهُ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ قَاضِي خَانَ دُونَهُ فَعَلَّامٌ لِّمَا فِي الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ مَا كُنَّا لَنُفِيقَهُ
غنیۃ المستمل شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے۔

قاضی خان کا کلام ان کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ
کرتا ہے کیونکہ انہوں نے کہا قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ قَاضِي خَانَ دُونَهُ فَعَلَّامٌ لِّمَا فِي الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ مَا كُنَّا لَنُفِيقَهُ
قَالُوا لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ قَاضِي خَانَ دُونَهُ فَعَلَّامٌ لِّمَا فِي الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ مَا كُنَّا لَنُفِيقَهُ
اور یہ ماموں سے مروی نہیں جیسا کہ ہم نے بیان
کیا کہ یہ فقہاء کی عبارت میں شائع ہے اس کے معنی
ہے جو ان کی تلاش کرے۔

در مختار کتاب النکاح میں ہے۔

تَدَّجَّحَ رَجُلٌ بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
لَمْ يَجِرْ بِلَّ قَبِيلٍ يَكْفُرُ

اس عبارت کے ماتحت شامی نے تاثر بیان کیا۔

ملقط میں ہے کہ وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ تمام چیزیں
حضور علیہ السلام کی روح پر پیش کی جاتی ہیں اور
رسول بعض غیب جانتے ہیں رب نے فرمایا ہے کہ
میں نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو سوائے
پسندیدہ رسول کے میں کہتا ہوں کہ کتب عقائد میں

وَفِي الْحَقِّ ذِكْرِي الْمَلَقَطِ لَا يَكْفُرُ لَأَنَّ الْأَشْيَاءَ
تُعْرَضُ عَلَيَّ مِنْ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَأَنَّ الرُّسُلَ يَعْرِفُونَ بَعْضَ الْغَيْبِ قَالَ
اللَّهُ تَعَالَى فَلَا يُظْهِرُ عَلَى عَيْنِي أَحَدًا إِلَّا
مَنْ أَمَرَ تَقْضَى مِنْ رُسُلِي قُلْتُ بَلْ ذَكَرُوا

فِي كِتَابِ الْعَقَائِدِ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ
الرُّسُلِ لِيَأْتِيَ الرَّاغِلَ عَلَى بَعْضِ الْمَغِيبَاتِ

ہے کہ ادیانہ کی کرامات میں سے، بعض
غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔

شامی باب المرتبہ میں مسئلہ بزاز یہ ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُهُ أَنَّ دَعْوَى الْغَيْبِ مَعَارَضَةٌ لِلْيَقِينِ
الْقَرُّ اِنْ كَيْفَرُ يَهَا اِلَّا اِذَا اسْتَدْرَكَ صَرِيحًا
اَوْ دَلَالَةً اِلَى سَبَبِ كُوْنِ اَذْرِ الْهَامِ -

اس کا خلاصہ یہ ہے دعویٰ علم غیب نفس قرانی کے
خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صریح
یا دلالت کسی سبب کی طرف نسبت کر دے جیسے کہ دینی یا الہام

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق - اور خزائن الروایات میں ہے۔

وَفِي الْمُخْتَصَرِ ابْنُ الْقَاسِمِ أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ
كَانَ الْاَنْبِيَاءُ يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ دَعْوَى
عَلَيْهِمُ الْاَشْيَاءُ فَلَا يَكُونُ كُفْرًا -

مختصرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا
کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں
پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتوے کفر لگانا غلط ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ
ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

علامہ تاجی تاجی کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ اَعْلَمَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمَغِيبَاتِ
مِنَ الْاَشْيَاءِ اِلَّا مَا اَعْلَمَهُ هُمُ اللّٰهُ وَذَكَرَ
الْحَقِيقَةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ الْخ

پھر جان کر انبیائے کرام غیب چیزوں کو نہیں جانتے
سوائے اس کے جو ان کو اللہ بتا دین اور عقیدوں نے
کفر کا تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب ہونے پر

اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو طاعی قائم کفر قرار دیتے ہیں
نہ کہ عطا کیونکہ قرمان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر
چکے ہیں کہ طاعی تاجی حضور علیہ السلام کو تمام ممالک و مایوں کا علم ہونے میں۔

چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض ۱۱ - علم غیب خدا کی نعمت ہے اس میں کہہ کر کو شرک کہہ کر انحراف فی الصلوات ہے۔

ہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب اننا شرک ہے۔

جواب: غیب جاننا بھی خدا کی نعمت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔
 عَلَیْہِ السَّلَامُ وَالْآلُہٗ وَسَلَّمَ اسی طرح مانا دیکھنا از روہ مناسب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر
 چیز کا علم مانا یا کسی کو سمیع یا بیریاحی مانا ہر طرح شرک جزا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ جہاں سنا
 دیکھنا از روہ خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟
 اسی طرح علم غیب نبی عطا اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہی
 ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب مانتے ہو بعض
 ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کلاً و بعضاً ہر طرح شرک کرنا شرک ہے۔ نیز مؤمنان، حسین علیہ السلام
 و ان پیچھے والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلقہ العیون زیر کتبت
 یَعْلَمُ مُسْتَقَرًّا ۙ وَّ مُسْتَوْدَعًا ۚ کُلٌّ فِی کِتَابٍ مِّمِّینٍ میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے
 اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی
 صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

اعترض: (۳) حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کہیں تو کہتے ہو کہ شبِ معراج منہ میں قطرہ
 چمکایا گیا اس سے علم غیب ملا اور کہیں کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست قدرت حضور
 علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ میں سے تمام علوم حاصل ہوئے۔ کہیں کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان
 ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کوئی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے
 پہلے علم مل چکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت
 سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔ کُنْتُ نَبِیًّا ۙ اَدَّیْتُ بَیِّنَ الْبَیِّنِ وَالْمَآءِ اُورِیْیُہٗ کہتے ہی اس کو میں
 جو غیب کی خبر رکھے مگر ماکان و مایکون کی تکمیل شبِ معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ
 تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لیے قرآن
 میں ہے۔ تَبِیْئًا مَّا کُنَّا لَکُمْ شَہِیْدًا ۚ ہر چیز کا بیان اور معراج میں ہُوَا فَتَجَلَّیْ لَیْ کُلُّ شَیْءٍ دَعْرُفُتْ
 دیکھنا اور ہے بیان کچھ اور۔ خبیثے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھا دیں۔ بعد میں

ان کے نام بتائے۔ وہ مشاہدہ بخا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو لکھ کر صَہْمُ عَلٰی الْمَلٰئِكَةِ کے کیا معنی ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملا کر پریش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جاوے کہ پھر نزول قرآن سے فائدہ کیا سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہزاروں دیگر فائدے ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لئے ہے تو بعض سوئیں وہ بار کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ فَاتَّخَذَ الْكِتَابَ مَكِّيَّةً وَ قِيلَ مَدَنِيَّةً وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مَكِّيَّةٌ وَمَدَنِيَّةٌ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِينَةِ۔ سورة فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے۔ اور صحیح تردید ہے کہ یہ کی بھی ہے اور مدنی بھی اتنا مکر میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقرہ منیٰ ہے۔ پھر اس کی آخری آیات معراج میں کیسے عطا ہوئیں و تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُهُ اَنَّهُ مَا دَفَعْنَا نَكَرًا زَاوَجِي فِيْهِ تَعْظِيْمًا لِّهِ وَاجْتِمَاعًا لِّلشَّانِہِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا وَاسِطَةٍ جِبْرِیْلٌ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے اہتمام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔

اسی حدیث کے ماتحت نجات میں ہے۔ نَزَلَتْ عَلَيْهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةُ الْمَعْرَاجِ بِلَا وَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبْرِیْلٌ فَاَنْكَبَتْ فِي الْمَصَافِحِ۔ شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتیں پھر ان کو جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھی گئیں۔

بتاؤ کہ دوبار نزول کس لئے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سنانے لگتے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔ لَآ اِنَّہٗ كَانَ یُنَزَّلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَاِنْ مَلَ شَهْرٌ رَّمَضَانَ جُمْلَتَہٗ تَبَاوَدَ نَزْلُ کُیُوْنِ عَمَّا بَلَکَ قُرْآنَ سَے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم خوارب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ
لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ۔

یعنی اسے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول
آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر
فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔

مگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں قرآن کا ظاہر فرمایا نہ فرمایا کیا معنی حقیقت
یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے
اسی لئے بناری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار اگر عرض کیا اقرء آپ
پڑھئے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھئے اور پڑھو اسی سے کہنے میں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے
فرمایا مَا تَأْتِيكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّكَ مُخْفٍ هُوَ لَكَ لِيُنْذِرَكَ يَوْمَ هُمْ كَاثِرُونَ۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور
حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر
وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا مانتا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض بچے حافظ پیدا
ہوتے ہیں حضرت علیؑ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنَّا نِيْلُ الْكِتَابِ رَبِّ لِيْهِ عَلَّمَنِي مَا يَكُونُ لِيْ لَوْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ الْوَحْيُ لَمْ اَكُنْ مِنَ الْغَاثِ۔ معلوم ہوا
کہ ابھی سے کتاب کو مانتے ہیں۔ بعض مغیروں کے لئے فرمایا اَتَيْنَاهُ الْعِلْمَ صَبِيًّا مِمَّنْ لَمْ يَكُنْ يَسْأَلُ
ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور
شفاعت حکم قرآنی ہے حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔
نور الانوار کے خطبہ میں غلق کی بحث میں ہے یعنی اِنَّ الْعَمَلْ بِالْقُرْآنِ كَانَ جَبَلًا كَثُفًا مِنْ غَيْرِ تَكْلُفٍ
معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور علیہ السلام کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حلیہ دانی کا ایک پستان پاک
چومنا۔ دوسرا بھائی کے لئے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے قرآن کے
عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری کتب
آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر تم ان آیتوں میں قیامت تک
کی قید لگاتے ہو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ مالکان و مالکون کا ذکر۔ اور
ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ مفروض کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان
آیتوں میں احکام شریعی کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔ جواب اس کا
یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں۔ بلکہ عقلی استثنا ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا

دارغ غیر متناہی علوم میں سے سمجھتا ہے۔ جہاں تسلسل و غیرہ سے لہذا متناہی ہوگا۔ امارت سے یہ
لگا کر قیامت تک کی مدت اور اسے خبر نہ دے اسی لیے یہ دعویٰ کیا گیا۔ استثنائاً اور حکم سے تخصیص کا حکم دینا
دیکھو اقبیہ لولہ سے بچے دیوانے حاتمہ خارج میں یہ تخصیص نہیں بلکہ استثناء ہے۔

فقیر نے یہ مختصری تقریر علم غیب کے متعلق کر دی۔ اس کی زیادہ تحقیق کرنا موقوف رہا کہ مبارک اللہ العلیا
کا مسئلہ کر۔ جو کچھ میں نے کہا اس بحر کی ایک لہر ہے چنانچہ اور مسائل پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ لہذا
اسی پر اکتفا کرنا ہوں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ
بِرَحْمَتِهِ ۝ هُوَ اَمْرُ حَمْدِ الرَّاحِمِیْنَ ۝

حاضر و ناظر کی بحث

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں
مقدمہ حاتمہ و ناظر کی لغوی اور شرعی معنی کی تحقیق میں

حاضر کے لغوی معنی میں سامنے موجود ہونا یعنی غائب نہ ہونا المصباح المنیر میں ہے۔ حاضر حَضَرَ
مَجْلِسِ الْقَاضِي وَحَضَرَ الْغَائِبُ حُضُورًا قَدِيمًا مِنْ غَيْبَتِهِ مُتَتِي الْأَرْبَابِ مِیْنِ
حاتمہ حاضر شونہ۔ ناظر کے چند معنی ہیں۔ دیکھنے والا، اُلکھ کمال۔ نظر، ناک کی رگ، اُلکھ کا پانی۔ المصباح
المنیر میں ہے۔ وَالتَّائِظُ السَّوَادُ الْأَصْغَرُ مِنَ الْعَيْنِ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ الْأَنْسَانُ شَخْصَةً۔
ذاتوں اللغات میں سے۔ وَالتَّائِظُ السَّوَادُ فِي الْعَيْنِ أَوِ الْبَصَرِ بِنَفْسِهِ وَعَيْنٌ فِي الْأَنْفِ
وَفِيهِ مَاءُ الْبَصَرِ۔ مختار الصحاح میں ابن ابی بکر رازی کہتے ہیں۔ التَّائِظُ فِي الْمَقْلَةِ السَّوَادُ الْأَصْغَرُ
الَّذِي فِيهِ الْمَاءُ الْعَيْنِ۔ جہاں ہمارے نظر کام کرے وہاں تک ہم ناظر ہیں اور جس جگہ تک
ہمارے دسترس ہو کہ تصرف کریں وہاں تک ہم حاضر ہیں۔ آسمان تک نظر کام کرتا ہے۔ وہاں تک ہم
ناظر یعنی دیکھنے والے ہیں کہ وہاں ہم حاضر نہیں۔ کیونکہ وہاں دسترس نہیں۔ اور جس حجر سے یا گھر میں
ہم موجود ہیں وہاں حاضر ہیں کہ اس جگہ ہمارے پہنچ ہے۔ عالم میں حاضر و ناظر کے شرعی معنی یہ ہیں
کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ کہ تمام عالم کو اپنے کعبہ و سمت کی طرح دیکھے اور در و قریب کی
آوازیں سنے یا ایک آل میں تمام عالم کی سیر کرے اور حد تک اس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔

یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اُسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بزرگانِ دین کے لیے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

پہلا باب

حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

پہلی فصل - آیات قرآنیہ سے ثبوت

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَمْرٌ سَلْمَدَكَ شَاهِدًا
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۚ دَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ
وَسِرَاجًا مُنِيرًا۔

شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی۔ گواہ کو شاہد اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر ہوتا۔ حضور علیہ السلام کو شاہد یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کئے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ سراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے ہر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) اذْكَرْنَا لَكَ جَعَلْنَاكَ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُ
شَهِيدًا عَلَى النَّاسِ وَتَكُونَ الرَّسُولُ
عَلَيْكَمْ شَهِيدًا۔

(۳) تَكْفِيْفًا اِذَا جِئْنَا مِنْكُمْ اُمَّةً بِشَهِيدٍ
وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔

اور بات یہ نہیں ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارا نگہبان اور گواہ۔

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اسے محبوب تم کو ان سب گواہ نگہبان بنا کر لائیں۔

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دیے تھے اور اپنی گواہی کے لئے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ یہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ پس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گواہی کی تبلیغ اور آئندہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ جیسی کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے
 ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ جَاءَكُمْ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس ہیں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا مِّنْ أَنفُسِكُمْ تمہاری نفسوں میں سے ہیں یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رو رو گئے رو گئے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان
 ہیں مجھ میں لیکن مجھ سے نہاں اس نشان کی جلوہ منائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو مِّنْكُمْ کافی تھا مِّنْ أَنفُسِكُمْ کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے

قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں آنفسیکم کا بیان ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ درد ہو تو آقا کو گرانی اس کرم کے قربان۔ صَلى الله عليه وسلم۔

اور اگر حجب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اسے محبوب
تبار سے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں
اور رسول اُن کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو
ترجیمہ

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کی مانند سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پر ویسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف مافوق الطاقّت ہوگی لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ وہ مرتبہ ہو جاؤ وہ

یا رز ویک تر از من بن است * دین عجب میں کہ من از دے درم

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

۴) وَمَا اَنْتَ سَلَكُوكَ الْاَمْرِ حَصَّةً لِلْعَالَمِينَ | اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سار جہان کیلئے
پھر فرماتا ہے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ | اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط و خیال رہے کہ رب کی شان ہے سب الغلین۔ حبیب کی شان ہے سب اللعلین
معلوم ہوا کہ اللہ جس کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لیے رحمت۔

۵) مَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ | اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب
تک اسے محبوب تم اُن میں تشریف فرما ہو۔

فِيهِمْ۔

یعنی عذاب الہی اس لیے نہیں آتا کہ اُن میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آدے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَعْلَمُوْا اَنْ فِیْكُمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اللّٰهِ | جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رہتے تھے معلوم ہوا کہ حضور سب جگہ ان کے پاس ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُبِیْ اِبْرٰهَیْمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَكَالْمُرْسِیْنَ | اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم بخیر ملاحظہ کروایا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے بلکہ ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تفسیق بحث علم غیب میں گذر گئی۔

۹) اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ | اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔

۱۰) اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعٰدِ قَوْمِ عَادٍ | کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کو کیا حال کیا۔ قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمْ تَرَ كَیْفَ اَبْنٰی نَذَر دیکھا یعنی دیکھا ہے کہ کوئی کہے کہ قرآن کریم کفار کے بارے میں فرماتا ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَبْرِیْنِ | کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجر سے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا لازم ہے اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفر دل میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت کیوں نہیں لیتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ کے اجر سے ہونے ملکوں کو بظاہر نہ دیکھا۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ یہاں فور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

۱۱۱) قرآن کریم جگہ بگہ فرمایا اذ قال رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ عَلَيْهِ لَعَلَّيْكَ حَبِيبٌ جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا اذ قال رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ عَلَيْهِ لَعَلَّيْكَ حَبِيبٌ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ۔ اس کا مفسرین محدثانہ نکالتے ہیں اذ کُذِّبَ مِنْ اَسْرِ دَافِعُوهُ كَمَا كُنْتُمْ يَدْعُوْنَ اور یا وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی جہاں ہو اور ضرور نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں بلکہ الیہ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا ہے، اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنْ اِلٰهِ فِرْعَوْنَ اِسْرَءَیْكَ یَا دَاوُدَ جبکہ تیرے نکوآل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں تھے مفسرین یہاں بھی اذ کُذِّبَ دَافِعُوْهُ سے بھی خطاب ہے۔ اس طرز ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرز ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے پرچاند کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی وریخ کی صحبت میں رہے۔ یہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب آپ کو بحرِ نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

۱۱۲) اَلَّذِیْ اٰوَّلٰی بِالْاٰلِہٖ وَاٰمِنٰہِ مِنْ اَنْفُسِہُمْ | نبی مسلمانوں سے اُن کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تخریر الناس صفحہ ۱۸ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اَوَّلٰی کے معنی قریب ترین ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوتے نبی مسلمانوں سے اُن کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں سب سے زیادہ قریب ہم سے ہمارے جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام میں اور زیادہ قریب چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قریب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ :- اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل لینا جائز نہیں رہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا تم صرف امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ تم تقلید کی بحث میں غرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔

طحاوی میں ہے۔

وَمَا فِيهِمُ إِلَّا أَحْكَامٌ مِّنْ تَحْيَا الظَّاهِرِ وَالنَّصِ
وَالْمُقْتَرِ فَلَيْسَ مُخْتَصَّيْهِ دَأَىٰ بِالْمُجْتَهِدِ
بَلْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ الْأَعْمَدُ -

مسلم الثبوت میں ہے -

وَأَيْضًا شَاعَرٌ دَأَىٰ أَحْبَابَهُمْ سَلَفًا وَ
خَلَفًا بِالْعُمُومَاتِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ -

نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و سلف میں
بغیر کسی انکار کے شائع ہے -

قرآن بھی فرماتا ہے فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر
والوں سے پوچھو اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آمد کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ
جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں - چوتھے یہ کہ مسئلہ حاضر و ناظر پر فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ
فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے

دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جا دیں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں - خصوصاً حدیث نمبر ۱۰۷
و ۱۰۸ جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں - ہم پر ہماری امت اپنی
صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ دادوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے
ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً
مرقاۃ، زرقانی وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جا دیں گی -

مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے -

۱۰۷ فَيَقُولُ مَا كُنْتُ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لَمْ يَحْيَ | نیرین تیت پوچھتے ہیں کہ اے محمد رسول اللہ کے باپیں کیا تھے

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کا تحت ہے یعنی ہذا الرجل کی گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضور علیہ السلام

کی ذات منورہ صفات ہے اشعۃ اللمعات میں یہی حدیث ہے یا با حصارات شریف سے درمیانے ہیں طریق کہ درجہ مشائخ
و علیہ السلام حاضر سانسہ باشند و دریں جاہ شمس است عظیم مشائخ غرہ در آگہ برامید ایشان وی جاہ منہ و ذہ و گور و مذہب
و ادب و اقربین غایب غور را کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا جو در مثال موجود کرتے ہیں اور ۱۰۸

جگہ شامان مزہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقع ہے۔ ماضیہ مشکوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔

قَبْلَ يَكْشَفُ لِّلْمَيِّتِ حَتَّى يَرَى
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَهَى بُشْرَى
عَظِيمَةٍ۔

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جائے
میں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا
ہے اور یہ بڑی ہی خوشخبری ہے۔

قطبانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

قَبْلَ يَكْشَفُ لِّلْمَيِّتِ حَتَّى يَرَى
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَهَى بُشْرَى عَظِيمَةٍ
إِنْ صَحَّ۔

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جائے
میں یہاں تک کہ وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور
مسلمان کیلئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معہ روز مہنی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ
جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافریت سے
سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کاہر اس کے جواب میں یہ نہ
کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا کہ کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لَدَا دِرَجی کہنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے مگر پچھانا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔
اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار اگر سوال ہوتا ہے
کہ تو اس شمس الضحیٰ بدر الدجی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا؟ اشارہ قریب
ہے معلوم ہوا کہ قریب کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت
کی تناکرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو دو لہلہ کے دیدار کی رات کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ
جان تو جلتے ہی جاگتی قیامت یہ ہے * کہ یہاں مرنے پہ تھرا ہے نظر ارہ تیرا
مولانا اسی فرماتے ہیں۔

آج چھوے نہ سماں گے کفن میں آسی * جس کے جویاں تھے بے اُس گل کی ملاقات کی رات
ہم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے کہ
مرقہ کی پہلی سبب و دلہا کی دید کی شب * اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا

اسی لئے بزرگانِ دین کئے وصال کے دن کو روزِ عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی میں شادی کیونکہ عروس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درہا کے دیدار کا دن ہے۔

اور ایک وقت میں ہزار ہا جنگی ہزاروں مرسے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں تو ہر جنگی جلوہ گری کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ مگر اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہوں اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو گئی ہے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھا دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریص علی قیام اللیل میں ہے۔

اِسْتَقْبَلَتْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَيْلَةً فَرَعَا يَقُوْلُ سُبْحَنَ اللهِ مَاذَا اُنْزِلَ
الْاَيُّلَةُ مِنَ الْخُرَائِيْنِ وَمَاذَا اُنْزِلَ مِنَ الْفَيْتِ
ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے
فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر فرشتے
اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشمِ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

۱۳ مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَيْدًا اَوْ جَعْفَرًا وَابْنِ
مَرْوَةَ وَلِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَّاتِيَهُمْ خَبْرُهُمْ
فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ مَرِيْدًا فَاصْيَبْ اِلَيَّ حَتَّى
اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللهِ يَعْنِي
خَالِدَ ابْنَ الْوَلِيدِ حَتَّى قَتَلَ اللهُ عَلَيْهِمْ
حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی
ان کی خبر موت آنی سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے
دی۔ فرمایا کہ اب مجھ پر آئندے سے لیا اور وہ شہید
ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب خدا اللہ کی تلوار خالدا بن ولید
نے لیا تاں ان کو کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزِ بدر میں حضور سے بہت ہی قریب میں ہو کر ہوا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں
(۴) مشکوٰۃ جبار درم باب الکرامات کے بعد باب وفاة النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَاَنْ اَدَانَ مَوْعِدَهُمُ الْخَوْضُ وَابْنِي كَانَتْ اِلَيْهِ
وَاَنَا فِي مَقَامِي
تمہاری وفات کی جگہ جو میں کوثر ہے۔ میں اس کو
اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

(۵) مشکوٰۃ باب توبۃ النفس میں ہے اَتَيْتُكُمْ اَصْوَابُكُمْ
فَاِنِّي اَمَرْتُكُمْ مِنْ دَرَاتِي
اپنے صوفیوں میں بھی دیکھو کہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی
دیکھتے ہیں۔

۱۶۱ ترمذی جلد دوم باب العلم باب مَا جَاءَ فِي رَهَابِ الْعِلْمِ مِنْ هَبْ -

حَتَّى مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَخَصَّ بِبَصَرِهِ
إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَدَانُ يُخْتَلَسُ
الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ
عَلَى شَيْءٍ -

ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر
آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے
جبکہ علم لوگوں سے چھین دیا جائیگا حتیٰ کہ اس پر بالکل
قابول نہ پائیں گے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاة کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

كَتَبْتُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا أَظْهَرَ إِلَى السَّمَاءِ وَكُتِبَتْ
بِأَقْدَابِ أَجَلِهِ فَأَخْبَرَنِي ذَلِكَ -

جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ نے
ایک موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اسکی خبر دے دی۔

۱۶۲ مشکوٰۃ مشرور باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے
ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

كَانَ أَمْرِي الْفِتْنُ تَقَعُ خِلَالُ مَوْتِكُمْ كَوْنِ الْفُطْرِ
معلوم ہوا کہ یزیدی و مجازہ فتنے جو عرصہ کے بعد ہوئے اسے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور قریب کے
حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام

کو بھی خدا سے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔

۱۶۳ مشکوٰۃ جلد دوم باب الاکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سرور ساریہ کو بنا کر نبی اور بھیجا
فَبَيْنَمَا عُمَرُ يَخْطُبُ فَبَحَلَّ يُصَيِّغُ بِأَسَارِيَةٍ

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے
پکارنے لگے کہ اسے ساریہ پہاڑ کو لو۔

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے اصالہ سے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے
واس کی آواز سنی جو کہ یہاں تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے یہاں کو اپنی پشت کے پیچھے لیا جتنا کہ انکو شکست دے دی۔

۱۶۴ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکابر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامعہ کبیر میں حرارث ابن نعمان اور
حارث ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بولنے لگے مجھ سے سوال فرمایا

سے مولانا کبیر احمد گندپوری علیہ الرحمۃ نے حیدرآباد سے فقہ اکابر کا نسخہ حاصل کیا۔ اسکی شرح الدلائلہ شرح فقہ اکبر لکھی۔ جس میں وہ
دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل فقہ اکبر ہے اس پر واقعہ لایا۔ ان تمام نسخوں میں نہیں ہے۔ یہ مطبوعہ فقہ اکبر حیدرآباد میں موجود ہے۔

کراسے حادثہ تم نے کس حال میں من پامیا میں نے عرض کیا کہ سپاموں ہو کر فرمایا کہ مہا سیمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا
 میں گو یا عرش الہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملنے ہوئے
 اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔

اسی قصہ کو مثنوی شریف میں نقل کیا ہے۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ۴ ہست پید تم بہوں بت این پیش من
 یک بیک وامی شناسم خلق را ۵ ہمچو گندم من ز جوڑ آسیا
 کہ بہشتی کہ دزیگانہ کی است ۶ پیش من پیدا جو مور و ماہی است
 من گویم یا فرد بسندم نفس ۷ لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک
 مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے پختی میں ہوا دیکھوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے
 یہ سب مچھلی اور چوٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے ان کا منہ کھول دیا کہ بس۔
 جب اس آفتاب کے ذروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی
 آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو نین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناز کو فوج جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے
 ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس
 کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ دیتے تو لوگ تاقیامت اس
 سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا ہم مدینہ میں ہے
 ہاتھ جنت الفردوس کے بلانے کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ
 سے ہماری دُوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

(۱۱) در مختار جلد سوم باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

يَا حَاصِرُ يَا نَاطِرُ نَيْسَ يَكْفُرُ -

اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔

شامی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فَإِنَّ الْحَصُورَ بِمَعْنَى الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا يَكُونُ
مِنْ تَجَوُّهِ ثَلَاثَةِ الْأَهْوَاءِ بِعُهُمُ وَالنَّاطِرُ
بِمَعْنَى الرَّدِيَّةِ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ بَرِي
قَالَعَتِي يَا عَالِمُ مَنْ رَأَى -

دبازیدہ کیونکہ حضور یعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے
کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے
اور ناظر یعنی دیکھنا ہے سب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ
اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنی یہ ہو کرے عالم دیکھنے والے۔

(۲) در مختار جلد اول باب کیفیت الصلوة میں ہے۔

وَيَقْصِدُ بِالْفَاطِ الشَّهَادَةِ الْأَكْثَرُ حَاقًا
يَعْنِي عَلَى اللَّهِ وَيُسَلِّمُ عَلَى نَفْسِهِ

انقیات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا
نازی بک تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کرے گا

شامی میں اسی عبادت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَيُّ لَا يَقْصِدُ الْإِخْبَارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا
وَقَعَ فِي الْمِرَاجِ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ
تَرْيِّهِ وَمِنْ الْمُسْكَلَةِ -

یعنی انقیات میں معراج کے اس کلام کے قصہ کی نیت
نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے
درمیان ہوا۔

فقہاء کی ان عبادت سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور انقیات میں حضور
علیہ السلام کو حاضر جان کر سلام عرض کرے انقیات کے، متعلق اہم بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں
شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں ”وہ علیہ السلام برائے اعمال امت مطلع است برمقربان و
خاصان درگاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است“ حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور
حاضر ہیں یا گاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہزدم علی بہ
سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل میں فرماتے ہیں۔ ”باچندین اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت
بہت یک کس را درین مسئلہ خلائی قیمت کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات ہے ثابہ مجاز و توہم تاویل
واقم و باقی است و در اعمال امت حاضر و ناظر است و مطالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و
مرتب و احوال السال“ اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف
نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور واقم ہیں اور امت

کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبگار اور حاضرینِ بارگاہ کو فیضِ رسال اور مربی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح تفریح النیب صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں: ”اما نبیاء علیہم السلام حیات حقیقی و نباوی حی و باقی و متصرف اندرین جاسن نیست۔ انبیاء علیہم السلام و نبیادی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل درآمد فرماتے و اسے ہیں اس میں کوئی کلام نہیں۔“

مرقات باب مَا يَقَالُ عَنْهُ مِنْ حَضْرَةِ الْمَوْتِ کے آخر میں ہے۔

وَلَا تَبَايَعَنَّ عَنِ الْأَزْوَاجِ وَحَدَّثَ طَوِيلٌ لَكُمْ الْأَرْوَاحُ
وَحَصَلَ لَهُمْ أَبْدَانٌ مَكْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ
وَحَدَّثَ وَهَاطِي أَمَا كُنْ مَخْتَلِفَةً فِي آيِنٍ وَ أَحَدٍ
شَفَائِي سَبَّحَ إِنَّ لَمْ يَكُنْ فِي النَّبِيِّتِ أَحَدٌ فَعَلَّ
السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

ایسی اور اور ”زایاک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔“

جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اس کے ماتحت قلمی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا مُحَمَّدُ رَحِمَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِي
بَيُوتِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ۔
کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھر میں حاضر ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدرج النبوة میں فرماتے ہیں: ”ذکر کن اور اور دو دفعہ دست برد سے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو اور امتا و اب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیاء و بلا کہ و سے علیہ السلام می بیند و حی ثنود و کلام ترا زیر کہ و سے علیہ السلام متصف است بصفات البیرویکہ از صفات الہی اس است کہ اَنَا جَلِيسٌ مَعَهُ ذَكَرْنِي“ حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت و حیاء سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے ذاکر کا ہم نشین ہوں۔ امام ابن الحاج محل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸ فصل ثانی زیارۃ قبور الشہدائین میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ نَالَا فَوَقَّيْ بَيْنَ
ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام

مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
فِي مُشَاهَدَتِهِ كَأَمْتِهِ وَمَعْرِفَتِهِ
يَا حَوَالِيهِمْ وَيَتَاتِيهِمْ دَغْرًا يَمْشِيهِمْ دَغْرًا
وَذَلِكَ جَلِّي عِنْدَهُ لَا خَفَاءَ لَهُ -

کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی
امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیا
اور ادا سے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ
آپ کو بالکل ظاہر ہیں۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْغَزَالِيُّ سَلَّمَ عَلَيْهِ إِذَا دَخَلْتَ فِي
الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْضُرُ فِي الْمَسْجِدِ

امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جہاد تم حضور
علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں حور ہیں

نیر الراضی شرح شفا تا ضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ الْأَجْسَامِ
وَالْقَوَائِمِ مَعَ الْبَشَرِ دَبَّوْا طُهُمْ وَقَوَاهُمْ
الْمَرْحُومَاتُ مَكْنِيَّةٌ وَلِدَاتُ الرَّاسِ مَشَارِقِ
الْأَرْضِ مِنْ دَعَائِرِهَا لَسَمْعِ أَطْيَطِ السَّمَاءِ
وَلَسَمْعِ مَرَاتِحِهَا جَبْرِيْلُ إِذَا أَمَرَ وَالْقَزُولُ إِلَيْهِمْ -

انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ
ہیں اور ان کے باطن اور روحانی توفیق ملی ہیں اسی
لیئے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور
آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی
خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

وَقِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ أَرَأَيْتَ صَلَوةَ الْمُضِلِّينَ
عَلَيْكَ مِنْ غَابٍ عِنْدَكَ وَمَنْ يَأْتِي
بَعْدَكَ مَا خَالَهُمْ عِنْدَكَ فَقَالَ أَسْمَعُ صَلَوةَ
أَهْلِ مَعْجَتِي وَأَعْرِضُ عَنْهُمْ وَتَعْرِضُ عَنْ عَلَى
صَلَوةَ غَيْرِهِمْ عَنْ صَدَّ -

حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کے در و درختوں والوں
اور بعد میں آنے والوں کے در و درختوں کا آپ کے
نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے در و
تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبتوں کا
در و درخت ہم پہنچیں کر دیا جاتا ہے۔

شفا تا ضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ أَوَّلُ
السَّلَامِ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَمَرْحَمَةُ اللَّهِ
وَبَرَكَاتُهُ -

علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں
مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ
اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔

اسکی تائید ابو ذر ابی ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔
 مدارج النبوة صفحہ ۵۰ جلد دوم قسم چہارم وصل حیات اخیار میں ہے: "اگر بعد ازاں گوئید کہ حق تعالیٰ
 جس قدر شریف و اعلیٰ قدر کے تجسیدہ است کہ وہ ہر مکملے کو خواہ تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال
 خواہ برآسمان خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر دوسے صورتہ دارد باوجود ثبوت نسبت خاص بقبر و ہر حال
 اس کے بعد اگر کہیں کہ سب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں
 چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست
 ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصلح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنف شیخ
 شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ "بس باید کہ بندہ پچھن کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمع احوال
 خود ظاہر و باطن واقف و مطلع بیند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت
 تعظیم و وقار و سموارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود و از مخالفت و سے سرگردا و علاناً شرم دارد و
 یحییٰ و قیقہ از قاف آداب صحبت او فرزند گزارد۔" بس چاہیے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال
 میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن حاضر جانتے تاکہ
 آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم و وقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور
 آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرم کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی
 دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء و علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپ کو
 یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور علیہ السلام کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم در مختار اور
 شامی کی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی اور عبارتیں سنیں اور اپنے
 ایمان کو تازہ کیجئے اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التثبید اور مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب
 پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں: "و بعضے عرفا گفتہ اند کہ این محبت
 سرایان حقیقت محمدیہ است در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت ہذرات مصلیان موجود
 حاضر است پس مصطفیٰ را باید کہ ازین معنی آگاہ باشد و ازین شہود غافل نہ بود تا از اقرب و اسرار معرفت مستر
 و غائر گردد۔" بعض عارفین نے کہا ہے کہ القیام میں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات

ذره ذرہ میں اور ممکنات کی ہر فرد میں سرایت کیے ہے۔ پس حضور علیہ السلام نازل کی ذات میں موجود و حاضر میں نازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہر سے غافل نہ ہونا کہ قرب کے نور اور معرفت کے جمیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ ایما العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نازی کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَأَحْضُرْنِي قَلْبِيكَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَتَخَصُّصَهُ الْكَلِمَةُ وَقَدْ قُلْتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر بنانا اور کہہ کر السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ اسی طرح مرقاة باب التَّشْبِہ میں ہے۔ مَسْکُ الْغَنَامِ میں ثواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلی صفحہ ۲۴۳ پر وہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعۃ اللمعات کی التَّحِيَّات کے بارے میں لکھی کہ نازی کو چاہیے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التَّحِيَّات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں۔

دوراء عشق مرحلہ قرب و بعد نیست * می بینمت عیان و دعای فرستمت
عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے * میں تم کو دیکھتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں !
علامہ شیخ محمد فرماتے ہیں۔ وَخَوَّطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَأَنَّهُ شَاكِرَةٌ إِلَى أَنَّهُ تَعَالَى يَكْشِفُ لَهُ عَنِ الْمُصَلِّينَ مِنْ أُمْتِهِ خُتْمٌ يَكُونُ كَالْحَاضِرِ يَشْهَدُ لَهُمْ بِأَعْقَلِ أَعْمَالِهِمْ وَلِيَكُونَنَّ كَذَكَرِ حُضُورِهِ سَبَبًا لِيَتَوَسَّلُوا بِالتَّخَضُّوعِ وَالتَّخَضُّوعِ۔

مشکلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ رُوح مشرق میں ہو اور زوہر مغرب میں اور بچہ پیدا ہو۔ اور ذرہ رُوح کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اُسی کا ہے کہ شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔ دیکھو شامی جلد دوم باب ثبوت النسب۔ شامی جلد سوم باب المرتدین طلب کرامات ادیاء میں ہے۔

وَطَى الْمَسَافَةَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ وَدَّعَ بِلَى الْأَرْضِ مِنْ وَدَّعَ بِلَى الْأَرْضِ مَا
اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور کے فرمانے کی وجہ کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی۔

فَالْوَأَيْمَنُ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَدَجَ
امْرَأَةً بِالْمَغْرِبِ فَأَتَتْ بِوَلَدٍ يُحَقِّقُهُ
فِي التَّنَاسُرِ حَلِيَّةٌ إِنَّ هَذِهِ
الْمَسْئَلَةُ تُؤَيِّدُ الْجَوَانِرَ -

۱۵۰۰ بی بی تمام والا نصاف ما ذكركه
الامام السفي حین سئل عما یحكي
ان الكعبة كانت تزود واحد من الاوليا
هل يجوز انقول به فقال نقص العادة
على سبيل الذكر امة لاهل الولاية جائز
عند اهل السنة -

اس پر وہ مسئلہ دلائل کتاب سے جو فقہاء نے کہا کہ
کوئی شخص مشرق میں ہوا اور مغرب میں پہنچے وہی حرم
نکاح کرے پھر وہ حرم پہنچے تو پھر اس سے ملحق ہو گا اور نہ
خانیہ میں کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہو ہی نہیں سکتا ہے
انہ ان کی بات وہ ہے جو امام نسفی نے اس سنت
کہی جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ
کہہ ایک آدمی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز
ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے خلاف عادت
کام کرامت کے طریق پر اہل سنت کے نزدیک
جائز ہے -

۱۵۱ زیارت سے معلوم ہوا کہ کہہ مسئلہ بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لیے عالم میں پکڑا گیا ہے
تفسیر روح البیاد سورہ نمک کے آخر میں ہے -

۱۵۲ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو زیار
سیر فرماتے گا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ امتیاز
ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے -
انتباه الاذکیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صغیر نے فرماتے ہیں -

قَالَ الْإِمَامُ الْعَرَّافُ وَالرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
لَهُ الْغِيَاثُ فِي طَوَاتِ الْعَالَمِ مَعَ آسَرِ وَاجِ
الصَّحَابَةِ لَقَدْ رَأَاهُ كَثِيرٌ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ

النَّظَرُ فِي أَعْمَالِ أُمَّتِهِ وَالْإِسْتِغْفَارُ لَهُمْ
مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالذَّعَاءُ بِكُشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ
وَالرَّدُّ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ مِنَ الْبُرُكَةِ فِيهَا
وَحُضُورُ جَنَادَةٍ مِنْ صَالِحِي أُمَّتِهِ فَإِنَّ
هَذِهِ الْأُمُورَ مِنْ أَشْعَالِهِ كَمَا وَدِدْتُ
بِفَيْلِكَ الْحَدِيثَ وَالْأَقَامِرَ -

اپنی امت کے اہل میں نگاہ رکھنا ان کے لیے گناہوں
سے استغفار کرنا ان سے دفع ہلاک دعا فرما احوال
زمین میں آنا جانا اس میں برکت ہے اور اپنی امت
میں کوئی صالح آدمی مر جاتا تو اس کے جنازہ
میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغول ہیں جیسے
کہ اس پر احادیث اور آثار آئے ہیں -

۱۵۳ فراموشی اللہ میں فرماتے ہیں: باب ثلثون مشاہیر می کنند در بیان اینامد ملائکہ را

و بحکام می شوند بایشان صاحب دل حضرات جانتے ہوئے انبیاء و ملائکہ کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح صدر میں فرماتے ہیں۔

إِنِ اعْتَقَدَ النَّاسُ أَنَّ رُوحَهُ دَمًا لَّهُ فِي
وَقَبِّ قِرَاءَةِ التَّوَلِيدِ وَخَتْمِ دَمَصَانَ
وَقِرَاءَةِ الْقَصَائِدِ يَحْضُرُ جَلَسًا۔

اگر لوگ یہ عقیدہ رکھیں کہ حضور علیہ السلام کی روح آگاہی مثال ولود شریف پڑھنے اور ختم رمضان اور نعت خوانی کرتے وقت آتی ہے تو جاڑ ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب رسالہ ترویج الجنان تبشیر حکم مشرب الذخایر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نعت خزان تھا اور حق تعالیٰ پتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تم مولود شریف پڑھتے ہو تو ہم رونق افروز مجلس ہوتے ہیں۔ مگر جب حق آجاتا ہے۔ تو ہم فوراً مجلس سے واپس ہو جاتے ہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ سند علیہ السلام کی نگاہ پاک ہر وقت عالم کے درجہ درجہ پر ہے اور ان تلامذت قرآن، محفل میلاد شریف اور نعت خوانی کی مجالس میں اسی طرح صاحبین کی نماز جنازہ میں خاص طور پر اپنے جسم پاک سے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت إِنَّا أَنزَلْنَاهُ سَاحِدًا ہے۔

فَإِنَّ لَمَّا كَانَ أَوَّلَ مَخْلُوقٍ خَلَقَهُ اللَّهُ كَانَ
شَهِيدًا يَوْحَىٰ آيَاتِهِ الْحَقِّ وَشَهِيدًا بِمَا
أُخْرِجَ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ مِنَ الْأَدَاجِ
وَالنَّفُوسِ وَالْأَجْسَادِ وَالْأَرْكَانِ وَالْأَجْسَادِ
وَالْعَادِينَ وَالنَّبَاتِ وَالْحَيَوَانَ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْجِنِّ وَالشَّيْطَانِ وَالْإِنْسَانِ غَيْرَ ذَلِكَ لِثَلَاثِينَ
عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوقِ وَأَسْرَارِ أَعْمَالِهِ وَجَوَائِبِهِ

چونکہ حضور علیہ السلام اللہ کی پہلی مخلوق میں اس لیے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کو مشاہد کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئے اور ان نفوس اجسام معدنیات نباتات حیوانات فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے دوا سر اور عباس مخفی رہیں جو کسی مخلوق کے لیے ممکن ہے۔

اسی جگہ کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

فَشَهِدَ خَلْقَهُ وَمَجْرَأَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْإِهْرَامِ
وَالْإِهْرَاجِ مِنَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْخَالِفَةِ دَمَانَاتِ

حضور علیہ السلام نے حضرت آدم کا پیدا ہونا ان کی تظاہر اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر

اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَى الْآخِرِ مَا جَزَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَشَاءَ
خَلَقَ إِبْلِيسَ وَمَا جَزَى عَلَيْهِ -

اس کے انکے سائے معاملات جو ان پر گزرتے سب دیکھا
اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔
یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں -

ثُمَّ قَالَ يَعْزُزُ الْكِبَارِ إِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيدٍ رَقِيبٌ
مِنْ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ الرَّقِيبُ الْقَبِيلُ
عَلَيْهِ دَلِمَا قَبُضَ الرُّوحُ الْحَمْدُ عَنِ آدَمَ
الَّذِي كَانَ بِهِ دَلِمَا لَا يُضِلُّ وَلَا يَنْسِي جَزَى
عَلَيْهِ مَا جَزَى مِنَ الْبَشَرِ وَمَا يَتَّبَعُهُ -

بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ
السلام کی روح رہتی ہے اور یہی رقیب عقید سے
مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت
آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے
نسیان ہوئے -

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے -
روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو
حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے - اس
حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا - امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں
وَإِذَا سَمِعْتُ فَقَعْتُ قَوْلًا طَيِّبًا
وَإِذَا أَنْفَضْتُ فَلَا أَذَى إِلَّا لَكَ !
جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں اور جب بکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

چوتھی فصل حاضر ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتب ابول سے

تغذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ الشَّيْءُ أَوَّلِي بِالْمَوْمِنِينَ
مِنْ الْفَضِيلِ كَوَعْدِ لِحَاظِ صَلَاحِ مِنَ الْفَضِيلِ کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام
کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جائزوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی
اقرب ہے - ترجمہ صراط مستقیم مصنف مولوی السلیح دہلوی صفحہ ۱۳ میں پوچھتی ہدایت حب عشقی کے بیان
میں کوتلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں : اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی روش
اور عذاب کی موتیں احدیت کے دریاؤں کی تہ میں گھٹنچکرے جاتی ہے تو اَنَا الْحَقُّ اور لَيْسَ فِي حُبِّنِي

سَوَى اللَّهِ كَأَوَّلِهِ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَيَصْرُكُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدُهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا اور روایت کی رو سے لِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو حوائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور بھڑکتا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے بزر و نزدیک کی چیز دل کو پکڑتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاوے تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

مرید بھی یقین سے جا کہ شیخ کی مسح ایک میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ سر کے جسم سے دور ہے لیکن سر کی روحانیت دور نہیں جوت بات سچت ہو گئی تو بر وقت سر کی یاد رکھے اور دلی تعلق اس سے ظاہر ہوا اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا ہے مرید واقعہ جات میں سر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس مانگے سر کی روح اللہ کے حکم سے منور افکار کی۔ مگر پورا تعلق بشرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے کسی زبان کو یا موبہاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف لڑ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اس کو صاحب الہام کر دیتا ہے۔

”ہم مرید یقین داند کہ روح شیخ مقید یک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعد اگرچہ شیخ دور اما روحانیت اور نیست چوں ایں سر محکم در ہر وقت شیخ را یاد دارد و ربط قلب پیدا ید و موم مستفید بود مرید در حال واقعہ محتاج شیخ بود۔ شیخ را بالقلب حاضر آوردہ بسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواہد کرد و ربط تام بشرط است و بسبب ربط قلب شیخ را لسان قلب ناظر می شود و بسوئے حق تعالیٰ راہ سے کشاند و حق تعالیٰ اور محدث می کند۔“

اس عبارت میں حسب ذیل فائدہ سے ہیں (۱) سر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تقویٰ شیخ میں رہنا (۳) سر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید کو چھوڑ کر اپنے سر سے مانگے (۵) مرید کو افکار کرنا ہے۔ (۶) مرید کا دل جاری کر دینا ہے۔ جب سر میں یہ طاقتیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی ہی پھیر دیا وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۱۰ میں مولوی

اشرت علی صاحب تھاوی لکھتے ہیں کہ ابویزید سے پوچھا گیا ہے زمین کی نسبت تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال کی نہیں دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لمحہ میں قطع کر جاتا ہے۔

اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ آٹا فنا مشرق سے مغرب تک پہنچ جانا اہل اللہ کو تو کیا کفار و شیاطین سے بھی ممکن ہے بلکہ ہوتا رہتا ہے اور یہ حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ تقویۃ الامیان کے لحاظ سے مشرک ہے۔ مسک الختام مقتضی قلاب صدیق حسن خاں بھوپانی و طبری کی عبارت ہم بحث ثبوت میں پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ تعیمات میں السلام علیک سے خطاب اس لئے ہے کہ حضور علیہ السلام عالم کے قرہ قرہ میں موجود ہیں۔ ہذا نازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں۔

۱۱ عبارات سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہے۔

پانچویں فصل حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

۱۱ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع کمالات ہے یعنی تقیہ کمالات کہ دیگر انبیائے کرام یا آئینہ ادیبائے عظام یا کسی مخلوق کو مل چکے یا ملیں گے وہ سب بیکران سے بھی زیادہ حضور علیہ السلام کو عطا فرماوے گا بلکہ حضور ہی کے ذریعہ سے ان کو ملے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ قَبْهَذَا هُوَ الَّذِي هُوَ أَقْسَدُ ۖ أَفَأَنْ سَبَّكَ رَاهِ حَلْوِ۔ اس کی تفسیر روح البیان میں ہے۔

فَجَمَعَ اللَّهُ كُلَّ خَصْلَةٍ فِي حَبِيبِهِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ۔

اللہ نے ہر نبی کی خصلت حضور علیہ السلام کو عطا فرمائی۔

مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۵ آئندہ خواباں ہمہ دارند تو تنہا داری
نیز مولوی محمد قاسم صاحب تہذیب الناس صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں اور انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر امتوں کو پہنچاتے ہیں۔ غرض ان انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظاہر اور عکس متحد ہے اس قاعدے پر بہت سے دلائل قرآن و احادیث و احوال علماء سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مگر چونکہ محال نہیں اس کو اتنے ہیں۔ اس لئے اس پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تو پہلا قاعدہ یہ مسلم ہے کہ جو صفت کمال کی مخلوق کو ملی وہ انعم علی وجہ الہی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر و ناظر

ہونا عطا کیا گیا انا پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر ناظر ہونا
 کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم نے اس بحث حاضر ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر ناظر ہونے
 کی تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کعبہ دست کے دیکھنا۔ ایک آن یوں عالم کا، میر کر لینا اور صد
 کوں پر کسی کی مدد کر دینا اس جسم یا جسم مثالی کا منفرد جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سے مخلوقات کو ملی ہیں
 اور روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۱۰ سورہ انعام۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ تَوَلَّىٰ سَفْهُنًا | یعنی ملک الموت کے سینہ ساری زمین طشت

تحتیٰ إذا جاء أحدہم الموت تولى سفہنًا

سیر کر لیتا ہے پہلی تار شلیفون اور لاٹو سپیکر کی قوت کا یہ عالم ہے کہ آدھے سینکڑ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنوئیں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنوئیں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر شرح البیان زیر آیت اَنْ يَّجْعَلُوْا لِيْ غِيَاثِيْۙ الْغَيْثُ حضرت غیل نے سلق اسماعیل پر پھری چلائی۔ ابھی پھری روا نہ نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع ذنبہ غیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک چھپکنے سے پہلے یقیس کا تخت بین سے لا کر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ اَنَا اَنْتِیْلَتُ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّزْدَدَ اِلَیْكَ طَرَفٌ فَکَ مَعْلُوْمٌ ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ پلک چھپکنے سے پہلے بین گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور اتنا ذوقی تخت بھی لے آئے۔ رہی یہ بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لائے کی طاقت تھی یا کہ نہیں وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضور براق پر تشریف لے گئے۔ اور براق کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقعدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے فلاں آسمان پر فلاں پیغمبر سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی یہ برق رفتار ٹی خزاں تھی کہ دو پہا گھوڑے پر سوار ہو کر خزاں ہی جایا کرتے ہیں اور انبیاء کی خدمت گزاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعة النعمات آخر باب زیارة القبور میں فرمایا کہ ہر پیغمبر کے دن مردوں کی روحیں اپنے خویش و اقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصال ثواب کی تمنا کرتی ہیں۔ اب اگر کسی میت کے خویش و اقارب دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آنا ناسیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ

رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے۔

(۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنوئیں اور تالاب و دریا وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھرؤں وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاں کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور عجیب خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق الہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں۔ *ذُكُنَّ الْخَلْقُ مِنِّي تَوَسُّعًا* اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے بنے وہاں کی وہ ہی ہنسا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں!

دوسرا باب (۲)

مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کی بیانیہ

اعترض (۱) ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے *عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ* اَبْكُلُ شَيْءٍ مُحِيطٌ بِهِ نہ غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب :- ہر جگہ میں حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا نے تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ *لَا يُعْجِزُ عَلَيْهِ شَيْءٌ مَّا تَدَّارَتْ اَعْيُنُكَ عَلَيْهِ مَكَانٌ*۔ خدا پر نہ زمانہ گزرے کیونکہ زمانہ مطلق اجسام پر زمین میں رہ کر گزرتا ہے انہیں کی عمر مہوتی ہے۔ چاند سورج تارے نور و غلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے اسی لئے *ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ* کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور *اَبْكُلُ شَيْءٍ مُحِيطٌ* وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں *عَلَيْهَا وَقَدَّرَ* یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

وہی لامکان کے مکین ہوئے سر عرش تخت نشین ہوئے !

وہ نبی میں جن کے میں یہ مکان وہ خدا ہے جس کا مکان نہیں

خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے بغرض محال۔ تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی۔ حادث مخلوق قبضہ الہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضہ میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے کہ حیات سمع بصیر وغیرہ فنادے رشیدیہ جلد اول کتاب ابدیات صفحہ ۹۱ میں ہے : "خبر دو عالم علیہ السلام کو مود میں حاضر جانا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ تعالیٰ جانا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے" یہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۲ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری نوادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جانا بے عطا الہی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حقیقت وجوب قدم وغیرہ دیگر صفات الہیہ بھی بغیروں کی عطائی مان و اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا دیگر صفات کی تعین محکومات میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصیرات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہوگا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ مٹنے والی اور مخلوق کی عطائی ممکن، فانی سے

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل ۹ خدا بن کے آنا وہ بسند خدا

آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔

اعتراف (۲) قرآن کریم نے فرمایا۔ وَمَا كُنْتُ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ۔

حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لیے۔

وَمَا كُنْتُ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ۔

وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الْعُرِّي إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ۔

وَمَا كُنْتُ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا۔

آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ و اتفاق کیا

آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف حکم بھیجا۔

آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو نوازی

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ دہلی موجود نہ تھے نہ اٹھ ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔

جواب ۱۔ یہ سوال اس درجے سے ہے کہ مغرض کو حاضر و ناظر کے معنی کی خبر نہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر و ناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگرہ کہ سارے عالم کو دیکھنا۔ ان کی آن میں سارے عالم کی سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ باین جسم پاک دہاں موجود نہ تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اس جہد غصہ سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور بلکہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب یہی یہ ہے کہ اسے محبوب علیہ السلام آپ وہاں باین جسم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔ تفسیر صادی میں وَمَا كُنْتَ بِمُحَاسِنِ الطُّوْسِ الْآیۃ کی تفسیر میں ہے۔

یعنی یہ فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی جلوہ تنگ کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔

وَهَذَا يَالنَّظَرِ إِلَى الْعَالَمِ الْمُجْتَمَعِ وَلَا قَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَى الْخَصْمِ وَأَمَّا بِالنَّظَرِ إِلَى الْعَالَمِ الْأَرْضِيِّ فَهُوَ حَاضِرٌ مَرَّةً كُلِّ رَسُولٍ وَمَا دَعَمَ مِنْ تَدَارُكِ آدَمَ إِلَى أَنْ ظَهَرَ بِحُجَّتِهِ الشَّرِيفِ (تفسیر: اوی سورۃ قصص)

نیز ہجرت کے ان غار ثور میں صدیق صدق کو لینے ہوئے جلوہ گر ہیں کہ کفار مکہ و روانہ غار پر آپہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ ا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر ان کفار کے ساتھ نہیں لہذا خدا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اللَّهُ مَعَكُمْ أَمْ لَكُمْ آلِهَةٌ مِثْلُ اللَّهِ مَعَكُمْ۔ اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا مولیٰ کونسی نہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت و مملکت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں، مولیٰ بمعنی والی۔ تو جس طرح اللہ دونوں کلاموں میں توجیہ کر دے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ ہم دکرمت ہمارے ساتھ ہے اور جبر و قہر سے کفار کے ساتھ اور دوسرے کلام میں مراد ہے کہ مددگار والی تہا رب تہا والی تو ہے مگر ناصر اور مدبرانہ نہیں اسی طرح ان آیات میں بھی کہا جائیگا کہ بطریق ظاہر یہاں جبر و قہر ہی آپ اس وقت انکے پاس نہ تھے۔

اعترض ۱۳۰ قرآن کریم فرماتا ہے: **وَمَا أَصْلَ الْبِطْنَةِ**
مَرَدُّهُ عَلَى الذَّيْفَانِ وَالْأَعْمَى نَحْنُ آیت ۱۴۰۔
 اور کچھ مدینہ والے ان کی خوشبو کی ہے۔ اتفاقاً ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں ہوئے آپ کو منافقین کے اندرونی ناز و دل کی بھی خبر ہوئی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے۔

جواب : اس کا تفصیل جواب ہم بحثِ علم غیب میں اسی آیت کے تحت دے چکے ہیں۔

اعترض ۱۴۰ بخدی کتاب التفسیر میں ہے کہ زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے لا تَقْبَلُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ سَلَامًا کو کچھ خرق نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہِ الہی میں آکر چھوٹی قدر کھالی کر میں یہ نہ کہا تھا فَصَدَّقَهُمْ وَكَذَّبَ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ تو اس ابی کی غلط تصدیق کیوں کر نہ جب آیت کریمہ نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے۔

جواب : عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرمادینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرفاً مقدس میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے۔ ورنہ مدعی طے قسم بھار کر توبہ جیت لے گا کیونکہ توفیق کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ تاضی کے ذاتی علم پر زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے تو میں کی اور ابن ابی منکر ہو کر حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس کو ابی سے انکی تصدیق ہوئی۔ قیامت میں گدشتہ کفار انبیاء کی تبلیغ کا اٹھ کر کریں گے اور انبیاء مدفونہ۔ رب العلیہ امت مصطفیٰ علیہ السلام سے انبیاء کرام کے حق میں گواہی لیکر انبیاء کرام کی تصدیق فرمایا گیا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا نَشْرِكُ لَدَيْهِ مِنْ شَيْءٍ ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاء سے گواہی لیکر ان کے خلاف فیصلہ ہو گا۔ تو کیا اب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ تانوں کی پابندی سے کذبِ نبی کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی انہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور درخت میں بھی حاضر ہیں۔ ان کو طعن ماننا بے ادبی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعلہ یا نورِ نظرِ فرشتوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر گندی سے گندی نہیں ہوتی

بتاؤ تم سب کو ان سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو اس کا بے اہل ہوئی یا نہیں۔ نور انکس
گندی ہو کر پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے سب نور فرماتے اس پر ناپاکی کے اس کام کو کیوں جاری ہو گئے
اعتراف ۱۵: اتر ندی میں ابن سعد سے روایت ہے۔

لَا يَغْنَىٰ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ
تِلْكَ الْأُمِّيَّةُ أَنْ تُسَمِّيَ مُحَمَّدًا وَآلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
الغرض علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو نہ پہنچا پائے گی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو دیے ہم خبر دیتی۔

جواب:۔ انبیائے کرام کے علم شہوری میں ہر وقت ہر چیز ہر جگہ ہر وقت تو ہے
رہنا ضروری نہیں۔ ۲۱۔ ایک متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر
چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کہہ کی طرف
سے ناراض نہ ہاؤ۔ ایک بار بار اشارہ فرماتا ہے: وَرَوَىٰ هَذَا كُنْهٌ مَجْبُوحٌ مِمَّنْ تَمُوجُورٌ مِنْ قَوْمٍ مَجْهُورٌ
چھوڑے رہو۔

اعتراف ۱۶: پہنچے ہیں جسے مَنِّ صَلَّیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم
قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّیٰ عَلَیْ نَائِبِ
أَبَايَعْتُهُ۔
جو شخص ہم پر جاری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے
تو ہم خود سنتے ہیں اور خود سے درود بھیجتا ہے
تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی در نہ پہنچاتے جانے کی کیا ضرورت ہے۔
جواب:۔ اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب
والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر
و غائر کے ثبوت میں دلائل الخیرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم نفس نفیس
خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچایا جاتا ہے تو درود قریب سے مراد ولی دوری قریب
ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے مینی و پیش مینی در مینی پیش مینی
پہنچائے جانے سے لازم نہیں آکر آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ در نہ ملائکہ بندوں کے اعمال بارگاہ
الہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی

برکت سے اس کا یہ رتبہ ہو کہ غلاموں کا نام شہنشاہ انام کی بارگاہ میں لکھا۔ مُسَلَّمُ اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔
 فقہار فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توہین قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ
 توہین حق العباد ہے جو توہرے سے نہایت نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العباد کیونکہ
 بنی۔ غیبت اسی وقت حق العبد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جو اسے جس کی غیبت کی گئی در حق اللہ
 رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ کبیر مصنف علائی قاری۔

کتاب جلالہ الامام مصنف ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۳، حدیث نمبر ۱۰۵ میں ہے۔
 اَمْسَ مِنْ قَبْلِ يَصْبِي عَلَى الْاَبَاعِي صَوْتُهُ
 یعنی کوئی کہیں سے ورد شریف پڑھے مجھے اسکی
 آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔
 حَدِيثُ كَانَ قَدْ نَاجِعًا وَفَاتِكَ ثَالٍ وَبَعْدَ وَفَاتِي.

جلالہ الامام مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیرہ صفحہ ۴، امس الجلیس مصنف مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ
 ۲۲۶ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَصْحَابِي اَحْوَانِي سَمِعُوا عَنِّي فِي كُلِّ يَوْمٍ كَثِيرِينَ
 یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات
 کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔
 الْجَمْعَةُ يَعْبُدُونَنِي فَاَنِي اَسْمَعُ صَوْتَكُمْ بِلَا وَسْطَةٍ
 اعتراض (۲) فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

مَنْ قَالَ اِنَّ اَمْرًا وَاَحَدًا مِّنَ الْمَشَائِخِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ
 جو کہے کہ مشائخ کی رو میں حاضر ہیں یا نہ ہیں وہ
 کافر ہیں۔
 يَكْفُرُ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین و لوازم الوہیت
 از علم غیب نشین فریاد بر کس در برابر قدرت بر جمیع مقدرات ثابت ثابت یعنی بنی اور پیغمبروں کے
 لئے حلالی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کا فریاد سنا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے
 ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کہیں اور میں ماننا مزاح
 کفر ہے۔ بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے ہی ہے۔

جواب: ۱۔ فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زو میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ہم
 ادا والساوٹ مصنف مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت میں کچھ ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفاتی
 سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جانے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ بزازیہ کی عبارت

میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے پر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا بھی علم مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی ارواح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ وہاں تو حاضر مانینگے ہی بس بس کہیں بھی مانا کفر ہوتا ہے۔ قیسرے اس لئے کہ ہم اس بحث حاضر ناظر میں شامی کی عبارت پیش کی ہے کہ میں کفر حاضر یا ناظر کہنا کافر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اشعۃ اللمعات اور اشیاء العلوم جگہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلوی کی عبارت بیان کی ہے کہ میں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر التلاۃ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہے۔ اب ان الکابر فقہار پر بیزاریہ کائناتی جاری ہو چکا یا نہیں ہذا نا انا ہو گا کہ بیزاریہ میں جس حاضر ناظر ماننے کو کفر یا مانا ہے وہ حاضر ناظر ہونا ہے جو صفت البیہ ہے یعنی ذاتی، قدیم، واجب بغیر کسی جگہ میں ہونے کو ایسا حاضر ہونا بس کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کہی جگہ میں نہیں۔ پس سوال کے جواب میں ہم قادی رشید یہ بتا دیں کہ کتاب ابدیات محمدیہ کی عبارت اور برہین قاطعہ صفحہ ۲۲ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد فیض احمد صاحبان بھی اس نکتہ میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ شریعت و انبیاء کی مدت اتم مقدورات البیہ پر اللہ کی طرف انما کفر ہے درمختار شاہ عبدالعزیز صاحب وَتَکُونُ الرَّسُولُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

اعتراف (۸) اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا تو حضور نور نہیں یا نور میں مگر ہر جگہ اندھیرا نہیں۔

جواب اس کے دو ہیں ایک لازمی دوسرا تحقیقی۔ جواب لازمی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا تو فرشتے۔ قرآن۔ خدا تعالیٰ نور نہیں یا امامان نیز یہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہیے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اعتراف (۹) بعض مخالفین جب کوئی راہ نہ پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم امیر ہیں مگر جگہ پہنچ سکیں یا مملکت مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت اور ملائکہ میں یہ طاعت تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں اس لئے کہ وہ مملکت کے

کلمات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحفۃ الناس میں کہتے ہیں کہ راعی اس میں بسا اوقات نہ رہی نہی سے بڑھ جاتے ہیں جو مالمذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تحت یقین لائے کی طاعت حضرت سلیمان ان میں تھی اور آصف بن برخیا در شاہ خود ہی کیوں نہ لے آئے اسی طرح ہمد نے کہا کہ اَحَلَّتْ بِمَا لَمْ تَحْطُ بِہِ خَیْرًا اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے یا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں میری ہڈی کی آنکھ زین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی سے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں مبتلا تھا کہ جنگ میں نہیں کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاعت سے غیر نبی ملکہ جانور کا علم و طاعت زیادہ ہو سکتا ہے۔

جواب۔ غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبادات ہمیشہ کیچکے یا آٹھواں اعتراض خوار اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں نبی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو سو سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل چالیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک مسجد کے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ورنہ یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ شکوہ باب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کو نامہ ہمارے برابر بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمعون بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۳۰ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اَتْرَىٰ لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرِ۔ شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اسے مسلمانوں کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جن مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء اکرام فرما میں یعنی مسجد نبوی دلائل کی ایک کھٹ پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی چھوٹی چھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آصف بن برخیا میں تحت لائے کی طاعت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیہودہ بکواس

قرآن کریم فرماتا ہے ۔

وَقَالَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ آلَ الْيَتِيمِ إِذَا يَدَّعَوْا عَلَيْهِمْ مِمَّا رَكَّبُوا قُلْ أَتُحِبُّونَ اللَّهَ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ تُحِبُّوا آبَاءَكُمْ وَأَهْلَكُمْ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ عَظِيمٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت بلقیس کو آپ کے پاک چھکنے سے پہلے علم خدمت کو دے گا معلوم ہوا کہ آصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا جس سے وہ یہ تخت لائے۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان میں یہ قدرت ہو اور ان کے سنا زیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو بلکہ یہ کہ پھر آپ خود کیوں نہ لائے وہ باطل غلام ہے کہ کام کرنا خدا کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا بدیدہ سلطنت چاہتا ہے کہ غلام سے کام لیا جاوے۔ بلکہ اپنے نوکروں سے پانی منگوا کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العالمین دنیا کے سارے کام فرشتوں سے کرتا ہے کہ بارش برسانا ہواں نکالنا۔ پیٹ میں بچہ دینا ناصب ملائکہ کے سپرد ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے زیر آیت قَصِصًا مِّمَّا شَفَعْنَاهُمْ مَّتَّكًا بِعُثْنِیْ پارہ پنجم سورہ نساء بیان فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان کا آصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لیے تھا کہ آپ نے اپنے رب سے اترنا نہ چاہا یعنی یہ کام تمام کا ہے۔ اسی طرح ہدٰی کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی ہدٰی سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ دیا لہذا اس سے سند نہیں پڑی جا سکتی۔

میزب دہ نے عرض کیا کہ اَحَطُّتْ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِہ میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی یعنی اس ملک میں آپ بہ اس جسم شریف مشاہدہ فرمانے لگے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ خبر تھی مگر خدا الہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک ہدٰی چڑھایا کہ ذریعہ ہوتا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس بیٹھنے والے جانور وہ کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی تو آصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے نہ کہ شہر میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے اور ان کی آن میں تخت کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا ملک میں حضرت آصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان سے کیسے مخفی نہ سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تاکہ قحط سانی پڑے اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو۔ منزہ میں کے نیچے کا پانی معلوم کرنا ہدٰی کی یہ خدمت

مختی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے جھپٹ کر ایک موزہ اٹھایا اور اوپر سے جا کر اٹھا کر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے یہ موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں رتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر چھ پر زمین کے ساتوں طبقے روشن ہو گئے۔ اس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھایا کہ شاید آپ یہ تو بھی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولانا فرماتے ہیں کہ

مار در موزه بہ سیسم از ہوا ! ۛ نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ
پھر حضور نے فرمایا کہ

گرچہ ہر غیبی خدا مارا نمود ۛ دل دریں لحظہ بحق مشغول بود
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! آج بہت تیز بارش آئی اور آپ سیرت میں تھے آپ کے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ کا تہنہ شریف فرمایا کہ
گفت ہر آن نو لے پاک حبیب ۛ چشم پاک را خدا باران حبیب !
فیست این باران از من ابر شما ۛ بہت باران دیگر دیگر سما !
اے محبوب! اس تہنہ شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پردے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا باران اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کہ تیرے ہمارے تہنہ کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ بُدبک کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

اعتراف (۹) اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔
جواب : جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا نام لیا تھا؟ جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے۔ اور غاصحی گاہ جیسے کہ برقی طاقت کے ایسے پادروں کے بلکہ ادیبانہ کی قبر مختلف پادروں کے قفسے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اعتراف (۱۰) اگر حضور حاضر ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہئیں

جواب کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۷۰ نمازیں پڑھائیں حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی خود حضور انور نے اُن کے پیچھے ایک نکت پڑھی۔ جناب امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہان کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر ہیں مگر منظور نہیں نیز آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھائے کہ یہ نماز اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضور پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا نفل واسے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

حضرت علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

مقدمہ: نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

عقیدہ: نبی و انسان مرد میں جن کو اللہ نے احکام شریعی کی تبلیغ کے لیے بھیجا، شرعاً عقائد، لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَسْأَلُكُمْ مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا سِرْجًا لِنُورِجِي
اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو
جرن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ جن، فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ دلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہر قتل یا شاہ روم کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسْلِمْتُ اَسْلِمْتُ اِسْلَام لے آ سلامت رہے گا۔ تو بقل نے یونینان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کَيْفَ تَسْبِيْهِ فَيَكْمُرُ تَمِيْنُ اَلنَّكَاحُ اَنَان واسب کیا ہے؟ اوس سفیان نے کہا ہُوَ قِيْنَا اَذْذُ تَسْبِ وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی

ہاشمی و مطلبی میں صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں بر تیل نے کہا: كَذَلِكَ الرَّسُولُ تَدْعُهُ فِي قَوْمِهَا
 ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام
 عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں،
 بدھ اور عیسائی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ ہند لال گرد، کرشن، گوتم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لیے
 ان کو بڑا کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ لَئِنْ قَوْمُ هَادٍ بِرَقَمٍ مِّنْ بَادِيٍّ مِّنْ نَّبِيٍّ هِيَ تَقُومُ يَوْمَ هَادٍ تَمُورُ
 حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو رہی ہے۔ وَادَّخَيْنَا إِلَىٰ آثِرِ
 مَوْسَىٰ وَغَيْرِهِ لَهْدًا يَوْمَ تَقُومُ يَوْمَ نَبِيٍّ هِيَ تَقُومُ يَوْمَ هَادٍ تَمُورُ
 بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔ اَلَمْ نَأْتِ مَنشَرًا وَنَكَلِّ قَوْمَ هَادٍ تَمُورُ
 سنانے والے اور ہر قوم کے بادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا بادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء
 خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ
 اس آیت کے یہ ہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں بادی ہونے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اس ہی قوم سے
 بادی ہونے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر قومیں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ
 السلام قریشی ہیں۔ مگر چٹان، شیخ سید غفرانیکہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ ہادی
 عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لیے
 رہبر ہوتے۔ بلکہ مہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے ان کی خبر
 نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا رہا ہے اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں
 کسی کے منہ پر ہاتھ کی سی سونڈ کسی کے چوڑ پر لنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے
 اور ان کی صورتیں بھی۔ رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِنْ هِيَ اِلَّا اَنْعَامٌ سَمِيَتْ هَا اَنْعَامُهُمْ وَابَاءُكُمْ
 جہاں ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاریا الہام
 کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحَيْنَا سے تعبیر کیا وحی یعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے

رہم فرما اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

۱۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضرات جھگڑا کر نہ کہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے جھگڑاتے ہو کہ میں تمہارے اعمال پر بار نہ بوجھاؤں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے جوتی ہے مدارج جلد اول و عمل از جملہ رعایت حقوق اورست میں ہے مخوانید اور ابنا م مبارک اوجنا کمر می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ گویند یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا توفیر و توضع یا نبی علیہ السلام کون کا نام پاک سے کرتے بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ توفیر و عزت کے ساتھ۔ تفسیر روح البیان زیر آیت لَا تَجْعَلُوا ہے۔

وَالْمَعْنَى لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ كُمْ إِيَّاهُ وَتَلْمِيزَكُمْ لَهُ كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا لِاسْمِهِ مِثْلُ يَا مُحَمَّدٌ وَيَا إِبْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَلَكِنْ بَلْفِقِهِ الْعَظُمِ مِثْلُ يَا سَيِّدِي اللَّهُ وَيَا رَسُولَ اللَّهِ لَمَّا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَيَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکاردو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ عیبا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھا جاوے نہ رہے میں، کلام میں، ہر ادب میں۔

۱۲۔ دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرنے میں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارتے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابر ہی کے کلمات سے کیوں یا رکھا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ گھر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عزتیں ہیں مگر ان کے نام و کلام و احکام جدا گانہ جو ان کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارتے وہ بجا ایمان ہی ہے اور جو ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ایمان کے

پیشوا مولوی اسماعیل نے سید محمد بریلوی کو نبی کے برابر کسی دی دیکھو صراطِ مستقیم کا خاتمہ معاذ اللہ۔

۱۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص وجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے یکساں اس کے ان مراتب عاری کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرح سے کسی کو نواب یا خان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی پتھر یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب سے یاد نہ کرنا جرم ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناز میں ہر تو جس ذاتِ عالی کو رب کی طرح سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۴) خود پروردگارِ عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا انا مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المرسلون وغیرہ پیارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

۱۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوا مَا آتَانَا مِنْ بَشَرٍ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا لَكِنِ اتَّخَذْتُمُ
بَشَرًا مِثْلَكُمُ أَفَلَا تَخْشَرُونَ

اس قسم کی بہت سی آیات میں اسی طرح مساوات بتانا یا انبیاء کو اس کی شان گھٹانا طریقہ ابلیس ہے کہ اس نے کہا
خَلَقْنِي مِنْ تَابَرٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مرے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

۱) قرآن فرماتا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ | اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں ہیں تو آیت معاذ اللہ ٹھوٹی

ہو جاوے گی۔ جواب: اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اے محبوب آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی طرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکار و تواضع فرمادیں یہ نہیں کہ

قَوْلُهُ اِنَّهَا هُوَ بَشَرٌ مِثْلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ قُل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم تو فرمائیں گے۔ سَلَامٌ عَلٰی اَوَّلِ مَبَشَرٍ اَوْ اَوَّلِ نَبِيٍّ دَاْعِيًا اِلٰی اللّٰهِ بِاِذْنِهِ دَسِرًا جَاثِمِيًّا ہم تو فرمائیں گے یا اِنَّهَا الْمَرْمِلُ یا اِنَّهَا الْمَكَاثِرُ وغیرہ ہم تو اپنی شان بڑھائیں گے آپ انکار یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھبرائو نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار ہیں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اِنَّكُمْ مِثْلِي۔ طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے چھپے کھڑے ہو کر بےستے میں تا کر طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے ایسا ئے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز و زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس طرح کہ مِثْلُکُمْ یہ آیت ختم نہ ہوئی بلکہ آگے آ رہا ہے یُوْحٰی اِلٰی۔ یُوْحٰی اِلٰی کی قید ایسی ہے جیسے ہم کہیں کر زید و دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید سے زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بنا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفوتی میں ۲۷ درجہ فرق ہے اولاً بشیر شہید پھر متقی پھر دلی پھر ابدال پھر اوتاد پھر قطب پھر ثروت پھر غوث الاعظم پھر تالی پھر صلابی پھر مہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمۃ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے تفصیل دیکھنا ہو تو ہمارے کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔ مولانا ثنائی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبریل اندر بشر بہر حق سونے غریباں یک نظر حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریل جیئت سے اٹھنے ہے۔

تیسرے اس طرح کہ قرآن کریم میں ہے۔ مَثَلُ نُورٍ كَيْسُ كَوْفٍ قِيَامٍ فَبِأَسْحَابٍ كُفْرٍ كِي مَثَلِ
ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک پوراغ ہے۔ اس آیت میں بھی کلمہ مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے
کہ نور خدا پوراغ کی طرح روشنی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہے۔

وَمَا يَنْبَغِي فِي الْأَمْثَلِ وَلَا طَائِفٍ يَطِيعُهُ
بازوؤں سے اُڑتا ہو گروہ تمہاری طرح امتیں میں۔

یہاں بھی کلمہ امثال موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گروہ ہے تو جیسا ہے ہرگز نہیں
اتما کا حضور صافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی میں نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح خالص بندہ ہوں جیسے
باروت و باروت کا کہنا اِنَّمَا نَحْنُ فِئْتَنَةٌ

چوتھے اس طرح کہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ایمان عبادات، معاملات، غرضیکہ
کسی شئی میں ہم جیسے نہیں ہر بات میں فرق عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلمہ ہے اَنَا سُرْسُورُ الْاَنْدِیْنِ
اللہ کا رسول ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں تو کا فر ہو جاویں حضور علیہ السلام کا ایمان دیکھی ہوئی چیزوں پر کہ رب کو
جنت و دوزخ کو ملاحظہ فرمایا۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہے ہمارے لیے ارکان اسلام پانچ حضور علیہ السلام
کے جیسے چار یعنی آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ دیکھو شامی شروع کتاب الزکوٰۃ۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض حضور
علیہ السلام پر چھ یعنی تنجید بھی فرض و مِنَ الْاَلْبَلِ قَدْ هَجَدَ بِهٖ نَافِلَةً لِّتْ هٖ جَمُّ كَوَارِیُوْنَ کی اجازت
حضور علیہ السلام کے لیے کوئی پابندی نہیں جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد و سر
سے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کی ازواج پاک سب مسلمانوں کی مائیں و اُمراء و اَجَّة اَمَّهَاتُھُمْ
کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں وَلَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَھُمْ مِنْۢ بَعْدِہٖ اَبْدًا ہمارے بعد ہماری میراث
تقسیم ہو حضور کی میراث نہ بٹے ہمارا پیشاب پاشنا نہ ناپاک۔ حضور علیہ السلام کے فضلات شریفہ امت
کے لیے پاک رہ دیکھو شامی باب الانجاس و مرقات باب احکام المیاء فضل اول میں ہے۔ وَمِنْ لَّمَّ
اَحْسَادُ کَثِیْرٍ مِّنْ اَصْحَابِنَا طَهَارَةُ فَضْلَاتِہِ اسی مرقاة باب الستر کے شروع میں ہے۔ وَ لَبِثْنَا
حِجْمَہُ الْوُطْبِیَّةَ قَشْرَبَ دُمُہُ اسی طرح مدارج النبوة میں جلد اول و صل عرق شریف صفحہ ۲۵ میں
بھی ہے۔ یہ تو شرعی احکام میں فرق بتائے گئے ورنہ لاکھوں امور میں فرق عظیم ہے۔ ہم کو اُس ذات
کریم سے کوئی نسبت ہی نہیں یوں سمجھو کہ بے مثل خالق کے بے مثل بندے ہیں۔

بے شک ان کے مظہر جو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو ۵ نہیں کوئی تمہارا جسم رب نہ کوئی تمہارا جسم پایا
اس قدر فرق عظیم ہوتے ہوئے مشابہت کے کیا معنی۔

پانچویں ۲۱، طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ بشر کے معنی
ہیں ذو بشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہر والا بشر کہتے ہیں ظاہر کمال کو۔ تو معنی یہ ہوتے کہ میں ظاہر رنگ
ورہپ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں کیساں معلوم ہوتے ہیں گو حقیقت یہ ہے
یوحیٰ الٰہی ہم صاحب وحی ہیں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہر، طور پر ہے۔ دورہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور
علیہ السلام کے اعضاء مبارک سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہی تو دیکھو کہ کد کا عجب شریف کھاری کنویں
میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیث کے خشک کو میں میں پڑ جاوے تو پانی پیدا کر دے حضرت جبار کا
ہاتھ میں پتھر کر شور باد اور بونیاں بڑا کر دے۔ آسمان میں پڑے تو آٹے میں برات دے۔ صدیق کے پاؤں
میں پہنچ کر ساپ کے زہر کو زہر کر دے۔ عبداللہ ابن نلیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی
کو جوڑ دے۔ حضرت علی کی رکھتی ہوئی آنکھ میں لگے تو کھل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی درانیہ
اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر مہر پاک سے قوم پاک تک ہر عضو شریف، ہر رکات دیکھنا میں تو ہمارے کد کا
شان حبیب الرحمن کا مطالعہ کر دے ہمارے ہر عضو کا سایہ حضور کے کسی عضو کا سایہ نہیں پڑے نہ پاک میں
مشک و عنبر سے بہرہ بخشو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پچھلے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد اول، باب سوم وصل ازالہ شبہات میں فرماتے ہیں و
در حقیقت متشابہات از علماء آلِ رامعانی لائق تاویلات رائفہ کردہ راجع بحق ساختہ اندہ یہ آیات حقیقت
میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تاویلیں کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح یَسَدُ اللہُ فَوْقَ اَیْدِنَا یَہْدِیْہُمْ یَا مَکْنُلُ نُوْیْسَہُ کَیْشُکُوْیَہُ وغیرہ آیات جو
بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوا ہیں وہ متشابہات ہیں۔ اے ہمارے ائمہ اِنَّا بَشَرٌ وغیرہ آیات
جو بظاہر شان مصطفوی کے خلاف ہیں وہ ابہات ہیں لہذا ان کے ظاہر سے دور پڑ کر غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کہ روزہ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ تم میں ہم جیسا کون ہے
بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا اَیُّکُمْ تَکْتٰی کَاسَتْ کَاحِدَہٌ مِّمَّکُمْ لیکن تم تمہاری طرح نہیں معاذ اللہ
نے بہت موقعوں پر فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلُکُمْ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے، احادیث تو فرما رہی ہیں

کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کوئی ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آجھوں اس طرح کہ تفسیر در البیان سورہ مریم میں کہ **لَقَدْ عَلَّمْنَاهُ سِرَّ الْبَشَرِ** کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری۔ صورت حقہ۔ صورت ملی بشریت کا ذکر ابتداً انا بشر مطلق کا ذکر ہوا **مَنْ دَأْبُ فَقَدْ سَرَّ الْحَقِّ** جس نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملی کا ذکر فرمایا **مَعَهُ اللَّهُ وَكُنْتُ لَا يَسْعَى فَيْعِهِ مَلَائِكَةُ مُقَرَّبَاتٍ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ** بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں قرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سورہ پہنچ کر ملاقات جبریلی ختم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری ملاقات کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ **كَبَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** میں یہ تو فرمایا کہ ہم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ اس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بند ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات۔ موصوف اسی طرح ہیں عبد اللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں۔ عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسے علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صد ہا معجزات دیکھ کر یہ نہ کہہ دیتا بلکہ کہنا عبد اللہ و رسول۔

تفسیر کبیر شریع پارہ ۱۲ زیر آیت **ثَقَالُ الْمَلَأُ الَّذِي فِي كَفَرٍ** و **اِقْصِرْ** میں ہے کہ نبی بشر اس لیے ہوئے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوئے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کا نام طاعت پر محمول کر لیتے۔ آپ سب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا نام معلوم ہوتا ہے غرض کہ انبیاء کی بشریت ان کا نام اس لیے لہذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو رکھ دو۔

دسویں اس طرح کہ بیت الفاظ وہ میں جو نبی خیر اپنے لیے استعمال فرما سکے ہیں اور وہ ان کا نام ان ہے۔ مگر وہ مگر کوئی ان کی مثال میں یہ کہے تو کہتا ہوں کہ یہ کچھ آدم علیہ السلام نے عرض کیا **سَرَّ بَنَّا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا** یونس علیہ السلام نے رب سے عرض کیا **إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا **فَعَلَتْهَا إِذَا أَنَا مِنَ الْفَاسِقِينَ** لیکن کوئی روز مرہ اگر ان حضرات کو ظالم یا ظالم کہے تو ایمان سے متنازع ہوگا۔ اسی طرح بشر ہونا بھی ہے۔

اعتراف (۲) حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **أَكْبَرُ مَوْءَاظِكُمْ** تم اپنے بھائی کا تمہارا احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں مگر جیسے۔ بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

(۳) قرآن فرماتا ہے: **وَالِی مَدِیْنَتِیْ اَخَاهُمْ** **شُعْبَةَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ** **صَلِحًا** **وَالِی عَادَ اَخَاهُمْ** **هُدٰی**
 ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدینہ ثمود اور عاد کا
 بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیصل کے بھائی ہوتے ہیں۔

جواب: حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریم سے بطور تواضع و انکسار فرمایا **اَخَا** کہ اس فرمانے سے
 ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں
 تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب و صلح
 و ہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد تو قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لئے **اَخَا**
 فرمایا۔ یہ کہاں فرمایا ہے کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں
 ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابری کے لفظ سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابری کا لفظ ہے۔
 باپ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

اعترض (۴): قرآن کہتا ہے **اِنَّمَّا التَّمُوْدُ مِنْتُ اِخُوْا** مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور
 علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا
 جادے۔

جواب: پھر تو اکو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے **الْمَلٰٓئِکَةُ الْقٰدِرُوْنَ السَّلَامُ**
التَّمُوْدُ مِنْتُ اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہذا نہ بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھائی ہوتی
 ہے اور اس سے نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے قرآن
 حکیم لہذا نبی ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں
 اور حضور علیہ السلام عن ایمان۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

كَالْحَقِیْقَةِ فِی الْغٰیْبِ وَالْحَقِیْقَةِ كَمَا یُرِیْكَ یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔

حضور علیہ السلام اور عام مومنین صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ
 حقیقت مومن میں تمام اور طرح مومن ہیں اسکی تفصیل ہم جواب نمبر ۱۱ میں بیان کر چکے ہیں۔

اعترض (۵): حضور علیہ السلام اولاد آدم ہیں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گذارتے
 ہیں بیمار ہوتے ہیں موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں کہا جادے۔
جواب: اس کا فیصلہ منشی میں خوب فرمایا ہے۔

گفت اینک ما بشر ایشان بشر
ما ایشان بستہ خواہیم و خور
این نہ دانستند ایشان اندھے
ہست فرقتی در میان بے انتہا
ہر دو یک گل خورد و زبور و نعل
زائ کے شیش زائ دیگر نعل
ہر دو گول آہو گیا خوردند آب
زیں کے سر گین شد زان مشکناں
ایں خورد گرد و پیدی زیں بخدا
وال خورد گرد و سجد نور خدا

کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے پینے میں واسطہ میں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ جبر اور شہد کی کھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں ہرن ایک ہی دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں۔ مگر ایک سے پانخانہ دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ سوچتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب کتنی کیاں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک کا غلہ۔ ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حرف تہجی سے دونوں بنیں ایک ہی پر میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے اُن کو معراج ہوئی ان کو نمازیں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء اُن کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ماو شہا تو کیا مانگہ کو بھی نہ ملے

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ ۖ يَاقُوتُ حَجَرٌ لَّا كَالْحَجَرِ

حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہیے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عَبْدُہ و رَسُوْلُہ کیوں کہتے ہو؟

جواب :- یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت امانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلِمَةَ الْيَكُنِ اور اَسْمٰی عِبْدًا ۖ كَيْلًا لِّبَيَارِ الْفُلُوْطِ تعظیماً کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِيْنَا اور اَنْظُرْنَا ہم معنی ہیں۔ مگر رَاعِيْنَا کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے

عبدونکر عیدہ پیرے دگر ۛ او سرایا استطار او منتظر

حضور کی عبدیت سے رب کی شان ظاہر ہوتی ہے اور رب کی عظمت سے ہماری عبدیت چمکی وزیر بھی شاہی خادم ہے اور سپاہی بھی مگر وزیر سے بادشاہ کی شان کا فہور اور شاہی نوکری سے سپاہی کی عورت **اعتراض** (۷) شامل ترمذی میں حضرت صدیق کی روایت ہے کہ فرماتی ہیں کانِ کُشْمِ مِیْنِ الْبُشَیْرِ حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام نے عائشہ صدیقہ کو اپنی دست سے مشرف فرمایا چلا۔ تو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں آپ کا بھائی ہوں کیا میری دست آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ نے حضور علیہ السلام کو بشر کہا اور صدیق نے اپنے کو حضور کا بھائی بتایا۔

جواب: بشری بھائی کہہ کر پکارنا یا محاورہ میں نبی علیہ السلام کو یہ کہنا حرام ہے عقیدہ کے بیان یا ردیات مسائل کے اور احکام میں۔ حضرت صدیقِ اکبر یا صدیقِ رضی اللہ عنہما عام گفتگو میں حضور علیہ السلام کو بھائی یا بشریہ کہتے تھے یہاں ضرورت اس کلمہ کو استعمال فرمایا ہے صدیقِ اکبر نے تو یہ فرما رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک نہایت بے شکلفی اور سادگی سے عام مسلمانوں کی طرح گزری کہ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ ہی سے انجام دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر نے مسئلہ دریافت کیا کہ حضور نے مجھے خطابِ اخوت سے نوازا ہے کیا اس خطاب پر حقیقی بھائی کے احکام جاری ہونگے یا نہیں؟ اور میری اولاد حضور کو حلال ہوگی یا نہیں؟ جو صحیح عقیدہ کے ذمہ میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ حضرت خلیل نے ایک حضرت پر حضرت سارہ کو فرمایا اِذَا هَذَا اخِيْ يَمِيْرِيْ بہن میں حالانکہ وہ آپ کی بیوی تھیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت سارہ اب آپ کو بھائی کہہ کر پکارتیں۔

سب ان حضرات کا عام عمارہ دکھاتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ رسولؐ علیہ السلام ہشتہ میں صدیقہ کے ذریعہ اور سیدنا علیؑ کے بھائی حضرت عباسؓ کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مگر یہ حضرات جب بھی روایت حدیث کرتے ہیں تو صدیقہ یہ نہیں فرماتیں کہ میرے زوج تھے فرمایا، یا حضرت عباسؓ یا حضرت علیؑ رضی اللہ عنہما یہ نہیں کہتے کہ ہمارے بھتیجے یا ہمارے بھائی تھے یہ فرمایا۔ سب یہی فرماتے ہیں خَالِ رَسُولِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تو جو حضرات رشتہ کے لحاظ سے بھائی ہیں وہ بھی بھائی نہیں کہتے۔ تو ہم کمینوں غلاموں کو کیا حق ہے کہ بھائی کہیں۔

نسبت خود بگت کردم و این منفقلم
زا که نسبت بگت کوئے تو شدی باین است

ہزار بار بشویم و ہر جنبش و گلاب
 ہنوز نام تو گفتن کمال ہے ادبی است

زائد نسبت بسکت کوٹے تو شد یہی است

منور نام تو گفتن کمال ہے ادبی است

جناب شروع اسلام میں قریہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ دے دے بعد میں عرض کرے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَجَّيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُؤَافَقِينَ يَدْعِي نَجْوَى كُمْ صَدَقَةٌ

یعنی اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مساکین دریافت کیے (تفسیر خازن یہ ہی آیت) پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ نماز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کرو لیکن حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کرو پھر بجائی کہنا کہاں رہا ؟

بحث نداء یارسول اللہ یا نعرہ یارسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ اُن کی غلامی زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت لگائے۔ یا رسول اللہ یہ طرزِ مجاز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

نداء یارسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملا کر فعل صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المؤمنین وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام سے پکارا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا یحییٰ یا ابراہیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پیارے پیارے نقاب سے ندا فرمائی کہ یا آدم است یا پدر انبیاء خطاب یا ایہا النبی خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یا ایہا الذین آمنوا اور مسلمانوں کو مکرم دیا کہ ہمارے محبوب علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے نقاب سے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ لِيُنْصِتَ لَكُمْ دُعَاءَ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔

اس میں حضور علیہ السلام کو بچانے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اوّل کی طرح نہ پکارو۔ قرآن نے فرمایا
 اَدْعُوهُمْ لَابَاءِہُمْ اِنَّ کَوْلَہُمۡ کَیۡدٌ مِّنۡکُمۡ۔ اس آیت میں اجازت ہے کہ
 زیادہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر ان کو ابن حارث کہو ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت
 دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی مادی کیلئے بائیں دَاوَعُوْا اَنتَہُمَا کَیۡدٌ مِّنۡکُمۡ دُوۡنَ اللّٰہِ اِنَّ کُنْتُمْ مَّحٰدِیۡنَ ہ
 مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ نِزَالِہٖ پائی گئی
 مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے کہ بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا۔ یا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ اَدْسَنَیْ
 اَیۡتُکَ نِزَالِہٖ پائی گئی۔ ابن ماجہ باب صلوة الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک
 نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طلب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور میری طرف حضور علیہ
 السلام نبی الرحمہ کے ساتھ توجہ رہتا ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ
 وسلم میں نے آپ کے فریضے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت
 توجہ کی تارک حاجت پوری ہو اے اللہ میرے لیے سفوف کی شفقت
 قبول فرما ابواسمعی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اَللّٰہُمَّ اِنِّیۡ اَسْتَلِکَ دَاوُجَہُ اَیۡتُکَ
 یَحْمَدُ نَبِیِّ الرَّحْمَہِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ قَدَ
 تَوَجَّہْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ ہٰذِہٖ
 لِتَقْضِیَ اَللّٰہُمَّ فَسَفَعُہُ فِیۡ سَآلِہٖ اَبُو
 اِسْمٰعِیۡلَ ہٰذَا حَدِیۡثٌ صَحِیۡحٌ۔

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں نذر بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے
 عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے ثُمَّ یَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ
 اللّٰہِ اَنتَہُمَا اَنتَکَ سُرَسُوْلُ اللّٰہِ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں
 پھر فرماتے ہیں وَیَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیۡطَہُ سُرَسُوْلُ اللّٰہِ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا صَاحِبَ رَسُوْلِ
 اللّٰہِ فِیۡ الْغَاۡیِرِ پھر فرماتے ہیں۔ یَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیۡرَ الْمُؤْمِنِیۡنَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مَظْہَرِ
 الْاِسْلَامِ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مَکْتَبَہَ الْاَصْنَآہِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام
 ہو اے رسول اللہ کے سچے مہانتین۔ آپ پر سلام ہو اے سول اللہ کے غار کے ساختی۔ اور حضرت فاروق
 کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہو اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے اسلام کو چمکانے والے
 آپ پر سلام ہو اے نبیوں کے نور سے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نذر
 ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرماتے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر اُمت اودیار املت

مشائخ و بزرگانِ دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں قصیدہ بروہ میں ہے
 يَا اَرْحَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِنْ اَذِيٍّ ۝ سَمَاكَ عِنْدَ خُلُوْلِ الْعَالِيَةِ الْعَمَمِ
 اسے بہترین مخلوق آپ کے سامنے کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں ہے
 يَا اَرْحَمَ الْعَالَمِينَ اَدْرَاكَ لِيْ ذِيْنَ الْعَابِدِيْنَ ۝ مَحْبُوْسٌ اَيْدِيْ الْعَظِيْمِيْنَ فِيْ مَوْكِبِ الْمُرُوْبِيْنَ
 اسے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچا وہ اس اور عظام میں ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے
 مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ہے

ترجمہ یابی اللہ ترسم ز مجھ کو برآمد جانِ عالم
 نہ آخر رحمتہ للعالمینی ز مجھ وہاں چراغِ نشینی ا
 جلدی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرما و رحم فرما۔ کیا آخراپ رحمتہ للعالمین
 نہیں ہیں پھر حج حجروں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں ہے
 يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جَنَّتِكَ قَاصِدًا ۝ اَسْرَجُوْا نِصْرًا لِّكَ وَ اَخْرَجُوْا نِصْرًا لِّكَ
 اسے پشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضا کا امیدوار ہوں
 اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ان اشعار میں حضور کو نذر بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے امتعتا
 بھی اور یہ نذر دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ
 اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُہٗ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بکار نا واجب ہے۔
 انبیاء کے متعلق ہم شامی اور اشدقہ الامعات کی عبارات میں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو
 یہ گفتگو تھی تنہا۔ یا رسول اللہ کہنے کی۔ اگر بہت لوگ مل کر لغو رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ
 جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ ملکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کی طائفے سے جو
 مباح ہی ہو گا جیسے برائی مٹانا ہے۔ اس لئے کہ مٹانا چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت امرِ ربی ہے
 مسلم آخر جلد دوم باب حدیث الحجۃ میں حضرت بارہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ
 السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاک داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ دُونَ الْبَيْتِ وَ
تَفَرَّقَ الْغُلَامَانُ فَالْحَدُّ مَنِي الطَّرِيقِ يَسْأَلُ دُونَ
يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

تو عربیں اور مرد و عورتوں کا چھینٹوں پر چڑھ گئے اور
بچے اور غلام گلی کوچوں میں تفریق ہو گئے نعرے لگاتے
پہرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا دھڑکنے ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام اندر نکلیا کرتے
تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے۔ اور سب بھی حضور علیہ السلام کے والسلام
سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اس مدینہ منور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے دیکھ کر شکر
و بخاری وغیرہ جلسہ کے منہ میں ٹھیک یا نشست جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلسہ کی جمع جلوس۔ معنی
کوڑہ۔ ناز و ذراہی کا جلسہ ہے کہ ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور جگہ کو کانا جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے
قرآن سے ثابت ہے کہ تالوت سکینہ کو ملا کہ جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں
نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے، بڑیہ مروج جلوس اس اصل کی نقل ہے
اور باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

ندو بار رسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

«القرآن کریم فرماتا ہے ذَلِكُنَّ مِنْ دُونِ
اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ»

اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ
پہنچا سکیں۔

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔
وَيَسْأَلُ مَنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ
وَلَا يَضُرُّهُمْ»

خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لئے نافع
و مضرت نہیں۔

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب۔ ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوچھنا دیکھ جانا میں اور
دیگر تفاسیر معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا
ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَدْرِيْكَ سائے دوسرے عبود کو پکارے (عبادت کرے) معلوم ہوا کہ

غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کیے جائیں تو سمجھنے والے آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کیے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہو گا۔ پھر زندہ کو پکار دیا مرہ کو، مائے دانے کو پکار دیا اور دانے کو سب ہی شرک ہو گا عذاب ہم لوگ بھائی ہیں دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے نہ بچا۔ نیز شرک کہتے ہیں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کوئی ہی صفت الہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

۱۔ فَاذْكُرُوا اللَّهَ فِيمَا تَدْعُوْنَ وَاَعْلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ | پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جینا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر چاہیے۔

جواب: اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا ناہنجی ہے۔ آیت تفسیر فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ لیسہ وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر میٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے بیٹھے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذْكُرُوا اللَّهَ وجوب کے لیے نہیں صرف جواز کے لیے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لیے بھی ہوتا بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نفی نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نفی عدم ذکر اللہ ہے تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نفی ذکر غیر اللہ مانا بھی جائے تب بھی ایک نفی کے واجب ہونے سے دوسری نفی زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا نرض ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے مَن يَطْبَعْ جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ الرسول فَقَدْ اطَاعَ اللہ۔

جب کلمہ نماز حج و روضہ خطبہ اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ السلام کا ذکر داخل اندر ضروری ہے تو نماز سے خارج انکا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہو گا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس سطر کہ تَبَّتْ يَدَايْیَیْ تَعْبًا اور سورہ

منافقوں اور وہ آیات میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآن آیات ہیں۔ ہر کلمہ پر ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہے۔ مگر رحمت الہی یا نور الہی محمد رسول اللہ کا ذکر ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے قرآن میں ہے قَالَ ذُرْهُمْ فَرعون نے کہا قَاتِلْ پڑھنے پر میں ثواب اور لفظ فِرْعَوْن پڑھنے پر پچاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب میں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا پچاس نیکیاں ملیں۔ اور محمد رسول اللہ کا نام لیا۔ تو مشرک ہو گیا یہ کیا عقل ہے؟ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان کی یاد میں اس قدر روئے گا کہ ان کی سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام جپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے سو

حال میں درجہ جنت والد کلمہ از یعقوب نیست او پس برگم کردہ بود و من پدر گم کردہ ایم
بتاؤ ان پر حکم مشرک جاری ہو گیا یا نہیں اگر نہیں تو آج جو عاشق ہر حال میں اپنے نبی کی یاد کرے وہ کیوں مشرک ہو گا؟ ایک تاجروں رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبق یاد کرتا ہے وہ بھی غیر خدا کا نام جپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

خوش دنیا گم چناب میں ہمارا اور مولوی شنار اللہ امرتسری کا اسی مسئلہ نذر یار رسول اللہ پر مناظرہ ہوا۔ شنار اللہ صاحب نے یہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کیئے ایک یہ کہ قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک تقیض کے واجب ہونے سے دوسری تقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی تقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کر دو جس سے محفل میلاد تو حرام رہے اور اخبار المحدث نکاح سنت ہو یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلا دیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب انیسویں کہ شنار اللہ صاحب تو بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے معتقد صاحب جواب دے کر ان کی طرح کو خوش کریں۔

اعتراف ۱۱، بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں اَللّٰهُمَّ عَلَيَّ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ سکھایا۔ فَلَمَّا قَضَىٰ قُلْنَا السَّلَامَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا اَللّٰهُمَّ عَلَى النَّبِيِّ عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

حدیث کے غلابری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور کی زندگی پاک میں السلام علیک کا خطاب سے کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے اَللّٰهُمَّ عَلَى النَّبِيِّ۔

فَقَالُوا هَذَا أَتَمُّ مَا كُنَّا يَقُولُونَ اَللّٰهُمَّ عَلَيَّ بِكَاتِ الْخِطَابِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِمَّا مَاتَ تَرَكُوا الْخِطَابَ دَاذْ كُرُوهُ اَوْ يَكْفِي الْغَيْبَةِ فَصَارُوا يَقُولُونَ اَللّٰهُمَّ عَلَى النَّبِيِّ۔

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک میں حضور علیہ السلام سے تھا۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی مذکر چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں سے مذکر کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے قراچ میں یار رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے جواب۔ بخاری اور عینی کی یہ عبارت تو آپ کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی۔ اور امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں اَللّٰهُمَّ عَلَيَّ اَيُّهَا النَّبِيُّ ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزوی یہ ہی خطاب والی التحیۃ پڑھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوعہ کے مقابل اجتہاد صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لیے تبدیل نہ کیا کہ مذکر غائب حرام ہے۔ درندہ زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے۔ آخر میں خیر، مگر۔ نجد۔ عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی۔ تو اس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی۔ مذکر غائب جہل رہتی تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور مذکر والی التحیات ہر جگہ پڑھی جارہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات تشریف کے

بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۷ میں ہے لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطا نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اویں ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ کا یہ فعل جہت نہیں ورنہ لازم آوے گا کہ حضور علیہ السلام کے زبانہ پاک میں شرک ہو تا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلانا کرکھ لیا۔ بلکہ مراتب باب التہذیب فی فصل میں ہے۔ وَأَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ الْإِسْلَامُ بِرَأْيِهِ أَيْ عَوَانَتِهِ دَرَسَ رَأْيُ الْبَخَارِيِّ أَصَحُّ فِيهَا يَسْتَلِثُ أَنَّ ذَلِكَ كَيْسٌ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَدَلْنَا مِنْهُمْ الرَّادِي عَنْهُ وَلَقَطْنَا قَلَمًا بَضًّا فَلَنَّا سَلَمًا نَعْنِي عَلَى التَّحْقِيقِ قَوْلُهُ فَلَنَّا سَلَمًا يَحْتَمِلُ أَنَّهُ أَزَادَ بِهِ اسْتَقْرَرْنَا عَلَى مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کو اس نے التیحات برگزیدہ بنی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل راوی بعض دہلی کہتے ہیں کہ کسی بنی یا دلی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو مذاہبی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو یار رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کو ندا دیا کرتے ہیں "سن اسے باد صبا" وغیرہ کہ دہلی یہ خیال نہیں ہوتا کہ جواسستی ہے آج کل عام دہلی یہ بنی غلط پیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں بھی اسی پر زور دیا ہے۔

جواب ۱۔ دور سے آواز سننا ہرگز مذاہبی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنتے جو پکارنے

والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو شرک سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

تَحِبُّنَّ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَلَا ذَا سَأَلْتُ جِبَادِي عَنِّي قُلْتُ فِي قُرْبَيْهِ۔

ہم تو شاہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے آپ میرے بارے میں پوچھیں تو فرمادے کہ قریب ہیں ہم اس تیار سے بقابلہ تھا یہ زیادہ قریب ہیں کہ تم دیکھتے نہیں

لہذا ہر دور گاہ تو قریب ہی کی آواز سننا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان دیا جیاد سے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا چاہیے کہ قریب دالے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو پیراجانوں۔ نیز جس طرح دور کی

آواز سننا خدا کی صفت ہے۔ اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی چیز ٹھیکرانا بھی تو صفت الہی ہے اور ہم علم غیب اور حاضر و ناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ ادویہ اللہ کے لیے دور و نزدیک یکساں ہیں جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آواز سن میں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطا الہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز ادویہ اور اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنگان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قیص کی خوشبو پالی اور فرمایا اِنِّیْ لَرٰجِدٌ مِّنْ نِّجْمِ یُوسُفَ بتاویہ شرک ہوا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاد میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سن لی ردیکھو مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ثالث حضرت فاروق کی آنکھ نے دور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان و جلالین و مدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت وَ اَوَدَّتْ فِی النَّاسِ بِالْحَقِّ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام رحوں کو آواز دی کہ اسے اللہ کے بندہ چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سنے وہ آواز سن لی۔ جس نے بلیک کہہ دیا وہ ضرور سچ کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی سچ نہیں کر سکتی کیسے یہاں تو دور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سنے حضرت خلیل کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا کہ مولے مجھے دکھا۔ کہ تو مڑے کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو فوج کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ اِذْ عَلِمْنٰ یٰۤاٰیٰتِنَا لَکَ سَعٰیًا پھر انہیں پکارا دور سے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دوڑے ہوئے آئے تو کیا ادویہ اللہ ان جانوروں سے بھی کہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آکر کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرت انبیاء قوت خدا سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ الغیث تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چوٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

یٰۤاٰیہَا النَّمْلُ اَدْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحِطُّ بِکُمْ

اے چوٹیو! اپنے گھروں میں چل جاؤ تمہیں کب نہ والیں

سَلِّحْنِمْ وَجُنُودَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝
 سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں۔ (پارہ ۹ سورہ نمل)

تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ ﷺ تین میل سے چونیٹی کی یہ آواز سنی نیلی
 کرو کہ چونیٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کیسے یہ شرک ہوا کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں
 ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی
 ہے اسی لیے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیئے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو
 سنا کہ اس قدر دور کی آواز سنا ہے۔ کہو شرک ہوا یا کہ نہیں؟ ہم بحث علم غیب اولیاء اللہ میں مشکوٰۃ
 کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا وہی خدا کی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔
 جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت عطا فرماوے۔ وہ اگر دور سے سُنے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے
 معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۳۴۴ میں اس
 سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ لَمْ يَكُنْ دَلَّكُمْ يَوْمَ الْاُخْرَىٰ كَذَّابًا فَاصْبِرْ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کی شان
 ہے اور قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ حضور علیہ السلام کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔
 جبکہ آپ چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت
 سے مجھ کو رونا آتا تھا۔ اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ اُن دنوں آپ چہل روزہ
 (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ کلم
 مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم
 مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش
 و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے ملے
 تو جنت سے حر پکار کر اسے طاعت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی
 جنگ کو حوا اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔
 دور بین سے دور کی چیزیں دیکھتے ہیں ریڈیو و ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت
 کی طاقت بھی کی طاقت سے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت
 بلال کے قدم کی آہستہ سنی۔ حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر ہی میں تھے۔ یہاں نماز تہجد

کے لئے چل پھر رہے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جا رہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی کچھ شمالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوتا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ بھی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی الٰہ کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں۔ خدا کا سننا بغیر کان وغیرہ عضو کے۔ ان کا سننا کان سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس نذر کے متعلق اور بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ مگر اسی قدر یہی کفایت فرمے علماء تھے عقلوں والے اپنے پل ٹاڑنے میں مٹیا دیکھ کے اُس نون پتھر بھی کلر پڑھنے لگے

بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب قلم ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی دلی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے۔
 وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْغِيَرِ إِنَّ كُنُتُمْ صِدِّقِينَ | اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمایتیوں کو بلاؤ۔
 اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمایتیوں کو بلاؤ۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَنْ أَضَاعَ رِيَّ إِلَى اللَّهِ قَالَ الْخَوَارِثُونَ
 كَيْفَ أَضَاعَ اللَّهُ - کہا مسج نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وَتَعَاذُوا عَلَى الْيَتْرِ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاذُوا لَنَا
عَلَى الْإِلَهِمَّ وَالْعُدْوَانِ۔

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ۔

اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کرنا چاہو تب ہماری مدد کرو گے۔

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے ميثاق کے دن اور ارح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں یہ فرمایا۔

لَسُوْا مَعِيَ يَوْمَ وَلَقَدْ نَصَرْتُكُمْ۔

کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا ميثاق کے دن سے حکم ہے۔

وَأَسْتَعِيْنُوْا بِالْأَصْبِرِ وَالصَّلٰوةِ۔

مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَأَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةِ۔

مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار اسی بنائے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَيُّدِكَ بِتَصَدَّقَ يَا أَيُّهَا الَّذِيْ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمِنْ

اَشْبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

فرماتا ہے کہ اللہ مولانا ہے جبریل و صلیح

المؤمنین و انکسرت بعد ذلک خطیباً۔

فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ سٰرِعُوْنَ

فرماتا ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاؤُ بَعْضٍ ط دوسری جگہ فرماتا ہے تَحْنُ أَوْلِيَائُ

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رتبے اور تین سو سال تک رتبے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک
جو رب تعالیٰ نے بنا دیا کہ جب میرا کعبہ بغیر میرے محبوب کے ملو ا کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تباہ و برباد
کی نظر کروم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ ھُوَ الْجَوْدُ بِأَلْفِ لُكُونَيْنِ وَ التَّوَجُّهُ إِلَى حَاقِيقِهَا عَيْنِي
دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے
اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہو گا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔

شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔
محمد از تو سے خواہم خدا را : خدا یا از تو عشق مصطفیٰ را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں : اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں
حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَكَوْنُوا أَنْفُسَهُمْ
أَنْفُسَهُمْ حَيَاؤُكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الدُّسُؤُلُ تَوَجَّدُوا لِلَّهِ تَوَابًا
وَرَحِيمًا۔ اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجائے پھر خدا سے اپنی
معفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعا سے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو
پالیتے۔ مگر کس شان میں تَوَابًا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا تَوَجَّدُوا
ان کو خدا مل جاتا۔ ع۔ اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعة اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے کہ فَيُعْطِي لَيْلِي
شَاءَ مَا شَاءَ حَضْرُو عَلَيْهِ السَّلَامُ جس کو جو چاہیں دے دیں۔ تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۴، سورۃ انفعام زیر
آیت وَكَوْنُوا أَنْفُسَهُمْ حَيَاؤُكَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الدُّسُؤُلُ تَوَجَّدُوا لِلَّهِ تَوَابًا

وَكَاثِرُهَا الْأَنْبِيَاءُ وَهُمْ الَّذِينَ أَعْطَاهُمُ اللَّهُ
تَعَالَى مِنَ الْعُلُومِ وَالْمَعَارِفِ مَا لَا يُجْلِيهِ يَقْدَرُ
عَلَى النَّصَرَةِ فِي بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَأَوْدَاجِ هَيْدَرٍ
أَيْضًا أَعْطَاهُمْ مِنَ الْقُدْرَةِ وَالْمَكْنَةِ مَا لَا يُجْلِيهِ

تیسرے بیان میں انبیاء میں یہ وہ حضرات ہیں جن کو
رتبے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں جن سے
وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف
کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت

يَقْدِرُونَ عَلَى النَّصْرِ فِي ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ | وہی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔
اسی تفسیر کبیر بارہ المذہب اذ قال سر تبارک للمذہب کی تفسیر میں ہے کہ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں ٹھپس جائے تو کہے۔

أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ يَرْحَمَكُمُ اللَّهُ | اسے اللہ کے بند میری مدد کر اور ب تم پر رحم فرمائے۔

تفسیر روح البیان سورۃ مائدہ پارہ ہنری آیت وَلَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ہے کہ شیخ صلاح اللہ
فرماتے ہیں مجھ کو بے قدرت نہی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گردوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو
ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن عام صلاح کی دعا کرتے ہیں یشئوی شریف میں ہے۔

اولیاء اہست قدرت ازالہ ۛ تیر جنتہ باز گرداند ز راہ !

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے ۛ کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعۃ المعات شروع باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوسے
حیات استمداد کردہ سے شود بوسے بعد از وفات کیے از مشائخ گفتہ دیم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می
کنند قبر خود مانند ستر فہار ایشان در حیات خود یا بیشتر۔ تو سے سے گوید کہ امدادی قوی نراست و
من سے گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در احوال حاصل است و ان نیست مگر ادراج ایشان را
و ادراج باقی است ۛ امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے اُن کی وفات کے
بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل در آمد کرتے
ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ
کی امداد زیادہ قوی۔ اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی کو تو کو کیوں کہ ادراج باقی ہیں۔ حاشیہ
مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے۔

وَأَمَّا الْأَئِمَّةُ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ فِي غَيْرِ الشَّيْ
عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْأَنْبِيَاءُ فَقَدْ أَتَتْهُ كَثِيرٌ مِنَ
الْفَقَهَاءِ وَاتَّبَعَهُ الْمَشَائِخُ الْقَوِيَّةُ وَبَعْضُ
الْفَقَهَاءِ قَالَ الْأَمَامُ الشَّانِعِيُّ بَعَثَ مُوسَى الْكَاطِبُ
بِرِيَّانٍ مَجْتَمِعٍ لَا جَابَةَ الدَّعَاوِ وَكَانَ الْأَمَامُ

نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اہل قبور سے۔
و علما گنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ
اور بعض فقہاء نے اسکو ثابت کیا ہے امام شافعی فرماتے
ہیں کہ مری کا ظلم کی قبر بقوت دعا کیلئے آئندہ تریاق ہے
اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی

الْغُرَىٰ مَنْ يَسْتَعِذُّ فِي حَيَاتِهِ بِسَعْدٍ بَعْدَ وَفَاتِهِ | جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جا سکتی ہے۔
 اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ربنا یا قیامتے کو اس سے مدد مانگنے میں تو کسی اختلاف نہیں قبول کیا۔ مدد مانگنے میں اختلاف ہے، علمائے ظاہرین نے انکار کیا، صوفیاء کو امام فقہاء ابن کثیر نے جائز فرمایا۔
 حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے: حَلَّيْنَا أَمْرًا عَوْنًا | جب مدد لینا چاہے تو کہہ اے اللہ کے بند میری مدد کرو اے اللہ کے بند میری مدد کرو اے اللہ کے بند میری مدد کرو۔

اس کی شرح الحزب الثمین میں علامہ علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔
 إِذَا انْقَلَبْتَ دَابَّةً أَحَدُكُمْ بِأَرْضٍ فَلَا يَكُنْ لَكَ دِيَا عِبَادَ اللَّهِ إِحْسِنُوا۔
 یعنی جب چل میں کسی کا جائز جگہ جائے تو آواز دے کہ اللہ کے بندو اسے روک دو۔

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔
 الْمُرَادُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَوِ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْيَحْيَى أَوْ مِنْ جِبَالِ الْغَيْبِ الْمُسْتَعِينُونَ بِأَعْيَادِي |
 پھر فرماتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ يُجْعَلُ إِلَيْهِ الْمُسَافِرُونَ دَابَّةً فَجَرَّبَتْ۔
 یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا حین یا ربان الغیب یعنی اہل اہل مراد ہیں۔

یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ ٹل مجرب ہے۔
 شاہ عبدالغفریہ صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰۲ پر فرماتے ہیں: باید تہجد کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد باشد اور اعوان الہی نہ اند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اور ایک از مظاہر عون الہی دانستہ و بکار خانہ اسبابی و حکمت او تعالے در آن مورد غیر استعانت ظاہر نماید و در از عرفان غواہ بود و در شرح نیز جائز و رواست و در ایثار و ادبیا این نوع استعانت تعبیر کردہ اند و در حقیقت این نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر۔ سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا جبر و سرکے طریقہ کہ اس کو مدد الہی نہ سمجھ حرام ہے اور اگر تو جبر حق تعالے کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کہ اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کو اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو ایثار و ادبیا کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالے کے غیر سے مانگنا نہیں ہے لیکن اسکی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۲۰۲ میں شاہ عبدالغفریہ صاحب فرماتے ہیں: افعال غاری

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی اُن سے مکی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیر اعظم صاحب در مختار نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرمایا ہے

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَفْوَا لَوُ مَرِي ۞ يَسُدِّي بِجُودِكَ دَا مَرَضَتِي بِرِضَاكَ

اَنَا طَاهِرٌ بِالْجُودِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ ۞ اِلَّا فِي حَقِيقَةٍ فِي اَكَا نَا مِسْوَالَتَا

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوار ابو حنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مَنْ اَكُو ذُبِي ۞ وَسَوَّاكَ عِنْدَ خُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمِي

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا کسے سوا کوئی نہیں ۞ جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

اگر عجمان ٹامارہ فقہار و شارح کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو

اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام لے رہا ہوں۔ نیز بہرہ المناظر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنف ملا علی قاری صفحہ ۱۶ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مَنْ اسْتَعَاثَنِي فِي كَرْبَةٍ كَشِفَتْ عَنْهُ ذَمِّنَا اِنِّي يَأْتِيَنِي فِي شِدَّةٍ فَرَجَتْ عَنْهُ ذَمِّنَا لَوْ تَوَسَّلَ بِي اِلَى اللّٰهِ رَفَعَتْ حَاجَتُهُ قَضِيَّتْ۔

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱-۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھر کہ ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طواف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے پھر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے

اَيُّدُ بَرَكَتِي صَيِّمٌ دَا نَسْتُ دَخِيْنُوْنِي ۞ وَاظْلَمَ فِي الدُّنْيَا اَنْتَ نَصِيْرِي

دَعَا نِي عَلَى حَا مِي الْحَيِّ دَهْوٌ مُّجِدِّي ۞ اِذَا ضَلَّعَ فِي الْبَيْتِ لِعُقَالٍ يَعْصِي

یہ کہ کرامتیں قاری فرماتے ہیں وَقَدْ جَعَلْتُ دَالِكَ مَرَّاسًا اَنْصَحَ لِعَنِي بِرِاسِ نَازِ غَوْثِہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کیسے حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور خفیوں کے بیٹے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء و علماء و مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پارہ نکاحا شیعہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں آیَاتُ کَسْبُجِیْنِ کے تحت فرماتے ہیں "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہر ہی اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے جس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے۔ کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا خدا کا فرزند محض و سید ماننا ہے۔

قنادی رشیدیہ جلد اول کتاب الخط والاباحہ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال :- اشعار اس مضمون کے پڑھنے سے یا رسول کبریا فریاد ہے۔ یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے۔ مدد کر میرے خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیسے ہیں۔

الجواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں یا بس خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ قنادی رشیدیہ جلد سوم صفحہ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا درود پڑھنا کیسا ہے؟

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْظُرْ حَالَنَا ۝ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَسْمَعْ قَالَنَا !

اِسْتَجِنِي فِي بَحْرِ هَوَايَايَ ۝ خَذِيْدِي سَهْلَنَا اَشْكَالَنَا

یا قسیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا ہے

يَا اَكْرَمَ مَا خَلَقَ مَالِكِي مِنَ الْوُذُوْبِ ۝ سَيَاوَاكَ عِنْدَ خُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا شعر درود کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے

زیادہ کردہ تشریحی کہا + قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ
 مدد کرے کریم احمدی کہ تیرے سوا + نہیں ہے قاسم بکین کا کوئی حامی کار
 اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی
 خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو فاقہ غیر اناذہ صفحہ ۱۰۴ پر مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں
 اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مقاصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں اعتراف کرتے ہیں
 کے مازد ان مطلق اور مجاز ہوتے ہیں + حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا کسر رسول اللہ
 قنادی رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اَیُّہُیْ
 یَا عِبَادَ اللہ یعنی اے اللہ کے بند میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ
 عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے
 رجا مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے کہتے ہیں کہ مولانا
 مدد کریں اُن سے مدد مانگا جائز ہے مدد علی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استدعا جائز ہے۔ ربا یہ فیصلہ کہ نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں تم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کرینگے۔
 مولوی محمود حسن صاحب اولہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں: آپ اصل میں بعد از ملائک عالم ہیں + عبادات ہولہ یا
 حیرات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصد آپ اصل میں ملائک میں اور یہی وجہ کہ عدل مہر آپ کے ذمہ واجب اللہ تعالیٰ
 صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا اناذہ صفحہ ۱۰۵ میں مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں: ”اور حضرت تفسیر رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کیلئے شیخین: بھی ایک گویہ فضیلت ثابت ہے، اور درہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت
 باکرمہ طہلیت و غوثیت اور اہلبیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی
 وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی مارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی میر
 کرنے والوں پر موقوف نہیں۔“

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی
 دیوبندیوں کے پیروں میں حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ

خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کئی کئی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پہنچ کر عارف عالم پر تصرف ہو جاتا ہے۔ رضیاء القلوب مطبوعہ مکتب خانہ اشرفیہ راشدی دہلی صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان (غور کر دیر جواب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدر پاکستان محمد یوسف خان صاحب جب امریکہ کے دورے پر کرکڑی سے روانہ ہوئے تو مولانا افتخار الحق صاحب یہ بندی نے صدر کے بازو پر امام خاں باندھا اور ۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء روز شنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا اس میں آپ صدر کے بازو پر امام خاں باندھ رہے ہیں۔ امام خاں کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا دیہ مسافر کے بازو پر۔ ہمارے ہیں امام حسین لکھے خاں ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں جب مسافر بخیریت واپس آئے تب اس پر سپر کا نام لکھا جائے گا امام حسین کے نام کی کی جاوے گا جس کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی مل گئی۔ ان کی ماتحت بھی کی گئی ان کی مدد بھی ملنی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب جلد ۱ کتاب العقائد و الکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت و استمداد بمقتاد علم و قدرت مستقل ہو وہ مشرک ہے اور جو باعتماد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستند مذہبی ہو یا میت بس نصیحت ہی فرمائی کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہی ہم کہتے ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شمیم العیب کے عربی اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شمیم الطیب رکھا جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شمیم الطیب ترجمہ شمیم العیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵۔
يَا سَفِيحُ الْبُعَادِ خُذْ بِيَدِي + اَنْتَ فِي الْاَضْطِرِّ مُعْتَمِدِي
دستگیری کیجئے میری نبی + کشمکش میں تم ہی ہو میرے دلی
لَيْسَ لِي مُجَاءُ سِوَاكَ اَعِيْشْ + مَسْنِي الْفَقْرُ سِوَاكَ سَعِيْشِي

جو ہندو ہے کہیں میری پناہ ۛ فوج کھٹ مجھ پر غالب ہوئی!

عَبَّاسُ بْنُ عَبَّاسٍ ۛ کُنْ مُعِينًا فَكُنْتَ لِي مُعِينًا

ابن عبداللہ زمانہ ہے خلافت ۛ اسے مرے مولیٰ خیر لیجے مری

نام احمد چوں حصینے شد حصین ۛ پس چہ باشد ذات آل روح الامین

نشر الطیب فی ذکر ابن العلیب

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہمارے ملکیت میں تو بنو دیو کو کیوں شریک مانتے ہو، عرض کیا دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے مشار سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں جوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا علم رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایا کو بدایت ہو۔ اس لیے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرے۔ بیماری میں شفا خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں پجھری جا کر جج سے دکار کے ذریعے کہو وغیرہ وغیرہ ان خاصا میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی مشار کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لیے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باطنی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو سمجھو کہ یہ سی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے

خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ منظم عالم کے ایسے ملازم و غیر ہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حکم کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی صفات و رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر رکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ مورتھونک کر مروتوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرض کہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملازمین تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا قَالَ اَنَا مَرْسُولٌ مِّنْ رَبِّكَ كَهَبٌ | اسے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا لَکَیْ غُلَامًا مَّادَّکَیْنَا۔ | ہوں تاکہ تم کو پاک فرزندوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔ | میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس دَاخُلُکُمْ مِّنَ الطَّیْرِ کَهَيْئَةِ الطَّیْرِ فَانْفُخْ | میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ فِیْہِ مِمَّا کُنْ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ | معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ یٰۤاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلْمَوْتُ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْکُمْ | فرماؤ کہ تم کو ملک الموت وفات دینے کے جو تم پر مقرر کیے گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں متدانی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے وَیَذِکِّرْہُمْ دَعِیْلَہُمْ لِّلْکِتَابِ | ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وَالْحِکْمَۃِ۔ | و حکمت سکھاتے ہیں۔

اَغْنٰہُمُ اللّٰہُ دَرَسُوْہُ مِنْ فَضْلِہِ۔ | انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ | معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فخر کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُ هُمْ
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

آپ ان کے مالوں سے صدقہ وصول فرمائیے اور
اس سے اُن کو پاک فرما دیجئے۔

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔
وَلَوْ أَنَّهُمْ مِمَّنْ ضَلَّ أَمَا أَنَا اللَّهُ دَرَسُوهُ
وَقَالُوا احْسَبْنَا اللَّهَ سَيِّئِينَ إِنَّا اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ دَرَسُوهُ۔

اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ
رسول نے انکو دیا اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی عباد
ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ انکو کوئی کہے کہ تم کو رسول اللہ
عزت دیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہ ہی ہو گا کہ یہ
حضرات حکومت الہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے
وقت اور بارگاہ نبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں
بارگاہ کی رہنمائی اور حکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ
فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ
تَوَّابًا رَّحِيمًا۔

اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اسے محبوب تمہارے
پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اسے
محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرماتے
تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارت قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر
ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ دونیا میں تھا۔ قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَنی دَلَّی تیرا رب
کو ان ہے، بندہ کہتا ہے کہ اللہ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں
اسلام کی ساری باتیں آئیں۔ گواہی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے
آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحت کہلو الیہ کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں اُن کے نام کی امداد سے نجات ہوتی۔ قیامت میں
لوگ تنگ اگر شفیع کو ہی دیکھیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب
حساب و کتاب ٹھہر جائے گا۔ وہ بھی حضور کا شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور

علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لئے فرمایا **وَابْتَغُوا إِلَيَّ الْوَسِيلَةَ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ قرار دیا تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مجاہدین وہ سب بے وسیلہ ہی وہ مجاہدین۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے۔ **وَكَاثُو اسْتَفْتَحُوْنَ عَلَى السَّيِّئِينَ كَقَرْمُذَا** کعبہ معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبل بنا فلنکون لیثلاً فیہا۔ بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کلمایا۔ اور قرآن کا آیات حضور کے کی مدنی ہونے سے کی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرش پر شیطان بلا واسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شاہد ماریا بتاتا ہے۔ اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہو گا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہمارے اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا ان کو حاجت روا جاننا شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین تافون اسلام اور فساد الہی کے باطل مطابق ہے جناب معراج میں ناز اولیاء چاس دت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر یہ کیوں؟ اسی لئے کہ مخلوق جانے کو ناز چاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو وجہ ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر ادا ان کو جو ماننا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو الیاء شرک کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے علیہ علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ان الہیائات ثلاثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا مانے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند بالادوں کو مدرسہ کا معارف و مددگار یا طلب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اعتقاد نہ دیا ہے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد و عیوہ طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جو کئی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلاشبہ یہاں بہت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا

فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور مکہ الہی سے ہے مشرک کا سجدہ غلط مکہ الہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ لگاکے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ منہ کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر قاسم ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر منافقین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ یہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔
اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہراؑ سے فرمایا:
لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا | میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

جب آپ سے فاطمہ زہراؑ کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب: یہ اوّل تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اسے فاطمہؑ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر فوج یہاں اسی لیے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی حضورؐ ہر جگہ مدد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا خَلَقْنَاكَ يٰمُوسٰى مِنْ طِينٍ ثُمَّ نَعْبُدُكَ بِغَضَبٍ مِنْ عَدُوِّكَ اَلَمْ نَشْقُوْكَ بِرَمِيْزٍ مِّمَّنْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ۔ رب تعالیٰ نے میرے دشمن ہو جائیں گے حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے کہ توں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل المیت میں ہے کہ حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے مگر میرے نسبت رشتہ کے واقعی دیوبندیوں کی حضورؐ مدد نہ فرمائیں گے ہم چونکہ حمد تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

(۲) اعتراض آیاتُكَ لَعَبْدُكَ اِيَّاكَ تَسْتَعِيْنُ ۝ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب: اس جگہ مدرسہ مراد حقیقی مدرسہ یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ مراد اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے اِنْ اَعْلَمْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ

نہیں ہے نہ کہ اگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا کہ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِلَّهِ فِي هَذِهِ سُلْطَانٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لئے یہ عطا ہے نہ الہی۔

مزید بتاؤ کہ عبادت اور مردمانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بہت پرست بہتوں کی یہ ہی ہے کہ حقیقی معادن سمجھ کر مردمانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بہت پرست بہتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ "کالی مانی تیری دہائی" وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مردمانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہر اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکا ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چند اسکالرز سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دانی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر قتال اور درزی کی مدد سے غسل طہار اور کفن پہنا۔ گورنر کی مدد سے قبر کھدائی۔ مسلمانوں کی مدد سے زیر خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراف (۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيٍّ مَعْلُومٍ بَوَاقِرَب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب: یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و دیابھین، ولی اللہ وہ ہے جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ وائسے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خود مانتا حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام کو انہو خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد گھر لو ناصرین سے بچو، موصی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

إِذْ هَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ | فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔

آپ نے عرض کیا اَلْجَعْلُ تِي دَرِ بُرْأَمِنْ اَهْلِي
هَلْ دَنْ اَحْيِ اَشْدُ دُوِيَهْ اَزْ دَرِي۔

مولیٰ حضرت یاروں کو میرا وزیر بناوے جس سے
میرے بازو کو قوت ہو۔

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور کا سہارا کیوں لیا، بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ
اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراف (۴) در مختار باب المرتدین بحث کلمات اولیاء میں ہے کہ قول شَيْئًا لِلّٰهِ يَكْفُرُهُ
معلوم ہوا کہ يَا عَبْدَ الْقَادِرِ جِيلاَنِي شَيْئًا لِلّٰهِ کہنا کفر ہے۔

جواب: یہاں شَيْئًا اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لیے کچھ دو۔ رب تمہارا محتاج
ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لیے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے
فرمایا۔ اَمَّا اِنْ قَصَدْنَا الْمَعْنَى الصَّحِيحَةَ فَانْظُرْ هَلْ رَأَيْتَ كَيْفَ يَكْفُرُ بِهٖ عَنِ اِسْرَافِ الْمَعْنَى
نِسْتِ كِي كَر اللہ کے لیے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شَيْئًا اللہ کی ہی مطلب ہے۔

اعتراف (۵) وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ؟ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے !
جواب۔ وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے ؟ جسے تم مانگتے ہو انبیاء سے

تو مل کر نہیں سکتے خدا سے ؟ اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراف (۶) خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں ؟ ہم اس کے بندے میں چاہتے کہ اسی سے
حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)

جواب: ہم خدا کے بندے خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے
دیکھو گزشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لیے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم داؤد وادیں یہ کچھ نہ دیں ؟ مراد یہ مراد کس آیت خبر کی ہے ؟
اعتراف (۷) قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد
مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب: اور تم بھی مشرک ہوئے اغیار، پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر۔ یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریریں
بیان کر چکے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ يَجْعَلَ لَهٗ نَصِيْرًا۔
جس پر خدا کی لعنت ہو تو ہے اس کا مددگار کوئی نہیں ہوتا۔

مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

اعتراض ۱۸: شرح فقہ اکبر میں قاضی قاضی نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز نہ ہوتا تو اسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد طلب کرتے۔

جواب: یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکالنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اعتراض ۱۹: زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہذا یہ شرک ہے۔

جواب: قرآن میں ہے **وَمَا تَكُنْ لَمْ تَسْأَلْنِي** ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں ہے۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہوا مردے کی استدراجی مطلقاً شرک ہونی چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ٹھکانے ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ منبر بانی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے پانچ کرادیں۔ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیادوں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استدراج کے منکرین کو چاہیئے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ ادیارا اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَهُ

جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہو بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں تازے جاویں گے مگر یہ بلادِ حیر کی زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں تو ہے کی تلوار کا

ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الہی کی تلوار سے مشغول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں اور روح ایمان اسٹی
حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جاوے، طاعون میں مرے، عورت زہنگی کی حالت میں
مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب
مرے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔
حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مرے سے مدد مانگنے
کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جا سکتی
بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جائے اور اس کی کچھ تحقیق دوسرے تبرکات اور سفیر زیارت قبر میں بھی ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ
تفسیر مادی آخر سورہ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

یعنی یہاں لاندع کے معنی ہیں نہ پوجو نہ اس آیت
میں اُن خدایوں کی مدد مانگو جو کہتے ہیں کہ غیر خدا
خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شکر ہے۔ خدایوں کی
یہ بلواس جہالت ہے کہ چونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح
کہ رب ان کے ذریعے سے نفع نقصان دے کبھی واجب
ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب حاصل کرنا ہے اور
اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا عاجل۔

فَيَقِيْنُ قُلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيْلٌ عَلَى مَا
رَعِيْتَهُ اَلْحَوَاسُ مِنْ اَنْ اَطْلُبَ مِنَ الْغَيْرِ
حَيًّا وَمَيِّتًا شَرِكًا فَاِنَّهُ جَهْلٌ مَرْكَبٌ
لِّاَنْ سَوَالَ الْغَيْرِ مِنْ اِجْرَاءِ اللَّهِ النِّفْعُ اَوْ
النَّضْرُ عَلَى يَدِهِ فَذَلِكَ اِنْ كَانَ رَاجِبًا لَا اِنَّهُ مِنَ
النَّصْلِ بِالْاَسْبَابِ وَلَا يَنْكُرُ الْاَسْبَابَ
اِلَّا جَهْلًا اَوْ جَهْلًا

اس عبادت کے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ غیر خدا سے مانگنا صرف جاوڑ ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا
ہے۔ اس طلب کا انکار نہ کرے کہ میں نہ لاندع میں پوجنے کا نفی ہے نہ کہ پکھانے یا مدد مانگنے کی۔
اعتراف میں وہ ہندوکان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے حرکت
وہاں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے
بیان کی کہ اِنْ يَسْتَعِظُ السُّبْحُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذْهُ مِنْهُ شَيْءٌ اَوْ يَدُورُ اَسْفَلَ سَافِلَاتٍ يَصْرِفُ عَنْ
وَجْهِهِ كَذِبٌ كَذِبٌ۔ ہماری کیا مدد کریں گے؟

جواب۔ یہ تمام کمزوریوں اس جسم فلکی پر اس لیے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو
گیا اور جس کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی

پہلا باب

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔ قرآن کریم فرماتا ہے:-

قُلْ مَا خُصْتُ بِشَيْءٍ مِّنَ الرُّسُلِ
فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔

نیز فرماتا ہے بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔

نیز فرماتا ہے وَهَبْنَاهُ آلِثَمَدٍ مَّا كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ
نیز فرماتا ہے۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ

باب الاعتصام بالکتاب والسنة میں ہے قَالَ التَّوْدِيحُ الْبَدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ

بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہو۔ خلاف سنت کام جو

دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ، سیرۃ دوسرے دو

معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد

میں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں

متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی میں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں

نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ فقیر یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوتی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت

اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی

یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔

نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جب یہ بتدریج، مرحبہ، چکر الہی، غیر مفقود و یونانی

عقائد بدعت اعتقادیہ میں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی

کہتے ہیں کہ خدا اجھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بل گدھے

کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت

مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا أَسْرَافَةَ وَرَهْصَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَوْا مَا كُنْتُمْ عَلَيْهَا إِلَّا عِبَادَةً مِمَّنْ خَلَقُوا رَبُّهُمُ اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ لِمَا يَصْلُحُ لَهُمْ اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ لِمَا يَصْلُحُ لَهُمْ اللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ لِمَا يَصْلُحُ لَهُمْ اللَّهُ

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھانے کے اُن پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَا تَرْغَوْهَا حَقَّ تَرْغَائِكُمْ لَهَا دُخَانٌ أَسْوَأُ مِنَ الْغَيْمِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ

باعت ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا خیر الامور اور دُخَانٌ اَسْوَأُ مِنَ الْغَيْمِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ

وغیرہ پر پابندی کریں مشکوٰۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَالًا لَيْسَ مِنَّا فَهُوَ شَرٌّ دُخَانٌ أَسْوَأُ مِنَ الْغَيْمِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ تَصْرِفُوهَا لِمَا لَا يَصْلُحُ لَكُمْ بِهِ

ہم نے اُن کے معنی عقیدے اس لئے کیے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بدعت مکرہ یا تو مکرہ ہے یا کافر اس کے ماتحت منکرات میں ہے۔

وَالْمَعْنَى أَنَّ مَنْ أَخَذَ فِي الْإِسْلَامِ دِينًا فَهُوَ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ أَقُولُ فِي وَصْفِ هَذَا الْأَمْرِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّ أَمْرَ الْإِسْلَامِ كَمَلٌ

معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ بدالامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا ممالک کمال ہے

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بَلَّغْنِي أَنَّهُ قَدْ أَخَذَ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَخَذَ فَلَا تَقْرَأْهُ مَعْنَى السَّلَامِ مَعْنَى خَيْرُ شَيْءٍ كَرِهَ اللَّهُ مُشَاهَدَةً لَهُ أَوْ كَرِهَ اللَّهُ مُشَاهَدَةً لَهُ أَوْ كَرِهَ اللَّهُ مُشَاهَدَةً لَهُ

سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي خُسْفٌ وَمَسْخٌ أَوْ قَذَتْ فِي أَهْلِ الْقَدِيرِ

حضرت علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنساوہ بدلتا یا پتھر پر بنا ہو گا قدر لوگوں میں۔

معلوم ہوا کہ وہ قدر یہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو بدعتی فرمایا۔ درخت کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے وَمَبْتَدَأُ أَمْرِي صَاحِبُ سِدَّةٍ وَهِيَ إِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوفِ

بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے

عَنِ الرَّسُولِ -

معدود ہیں -

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور بُرے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اُس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ واسے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے "جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ روافض سوارج کی بدعت ہے۔"

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بعد۔ مراتب باب الاعتقادات میں ہے۔

وَفِي الشَّرْعِ اخْتِلَافٌ مَا كُنَّا نَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

بدعت شرعیہ میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔

اشعة اللمعات یہ ہی باب بدعت ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی سو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرب نام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرب ہے در نہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زلزلہ کے باقاعہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا فَعَمَلُهُ الْبِدْعَةُ هَذِهِ يَتَوَبَّعُتُ بِهَا اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام ہو کہ کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پرہیز میں قرآن دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ وعیدیں پڑھنا یا کہ لاؤ سپیکر پر از پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بدعت کبیرین کے آواز چنپنا تا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ کردہ منکر بھی یا مکروہ تحریمی یا ناسم ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث دُکُلْ بِسُنَّةِ
 صَلَاحٍ جَنَے و آنچہ موافق اصول و قواعد سنت است و قیاس کردہ شدہ است آن را بدعت حسنہ گویند
 و آنچہ مخالف آن باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور
 اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت
 گمراہی کہتے ہیں۔

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو
 اُس کا ثواب ملے گا۔ اور اُس کا بھی جو اس پر عمل
 کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو
 شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا
 گناہ بھی ہے اور اُن کا بھی جو اس پر عمل کریں اور
 اُن کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام
 میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور برے
 کام نہ کرنا گناہ کا موجب۔

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ
 سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَ أَجْرُ
 مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ
 أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئٌ وَ
 مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً
 فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا
 مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَذْوَارِهِمْ
 شَيْئٌ۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابو حنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں
 کہ جو شخص کوئی بُری بدعت ایجاد کرے اس پر اس کا
 میں ساری پیروی کرنا والوں کا گناہ ہے اور جو شخص
 اچھی بدعت نکالے اس کو قیامت تک کے سائے
 پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ هَذِهِ أَحَادِيثٌ مِنْ تَوَاعِيدِ اللَّهِ
 وَ هُوَ أَنَّ كُلَّ مَنْ أَبْدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ
 عَلَيْهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ اتَّبَعَهُ فِي سَبِّهِ فِي
 ذَلِكَ وَ كُلُّ مَنْ أَبْدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ
 لَهُ مِثْلُ أَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بُری بدعت گناہ۔

بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔
 جو شخص ہمارے اُس میں کوئی ایسی شے نکالے جو
 کر دین سے نہیں ہے تو وہ مُردہ ہے۔

مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ
 مِنْهُ فَهُوَ مُرَدٌّ۔

دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعة الممعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے: "وہراو چیز کے است کہ مخالف و غیر ان باشد" اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو برسنے والی ہو۔ اسی شکوۃ باب الامتصاص تیسری فصل میں ہے۔

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةٍ إِلَّا سَرَّعَ مِثْلَهَا مِنْ
السُّنَّةِ فَتَمَسَّتْ بِسُنَّةٍ غَيْرِهَا مِنْ أَحْدَاثِ بَدْعِهِمْ

اس کی شرح میں اشعة الممعات میں ہے: "چوں کہ بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت تو برابر اور جب بدعت ٹکانا سنت کو مٹانے والا ہے۔ تو سنت قائم کرنا بدعت کو مٹانے والا ہوگا۔"

اس حدیث اور اس کی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بڑی بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اس کی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اسی بگڑا ہوا ہوگا جو اسے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہیے کہ بدعت سنہ تین طرح کی ہے۔ بدعت جائز، بدعت مستحب، بدعت واجب، اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہے۔ بدعت مکروہ اور بدعت حرام۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جہر یہ مذہب اور یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو غریب زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فوجی ناز کے بعد صاف کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شہرتوں میں وسعت کرنا۔

أَمَّا هَذِهِ أَمَّا وَاجِبَةٌ كَتَعْلِمِ النَّحْوِ وَتَدْوِينِ
أُصُولِ الْفِقْهِ وَأَمَّا مُسْتَحَبَّةٌ كَمَذْهَبِ الْجُبَيْرِيَّةِ
وَأَمَّا مُكْرَهَةٌ كَأَحْدَاثِ الرِّوَايَةِ وَالْمَدَائِصِ
وَكُلِّ امْتِنَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصِّدْقِ أَلَا قَوْلُ
وَكُلِّ تَرَاوُجٍ أَوْ يَأْجُمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَ
أَمَّا مُكْرَهَةٌ كَزُخْرُفَةِ الْمَسْجِدِ وَأَمَّا
مُبَاحَةٌ كَالصَّافَةِ عَقِيبَ الصُّبْحِ وَالنَّوْشِ
يَكْنِي بَيْنَ الْمَاجِلِ وَالْمَشَاكِرِ -

شامی جلد اول کتاب الصلوۃ باب الامتصاص میں ہے۔

أَيُّ صَالِحٍ بِدْعَةٍ مُخَرَّمَةٍ إِلَّا
فَقَدْ تَكُونُ دَاجِبَةً كَنَصَبِ الْإِدْلَةِ وَ
تَعْلِيهِ النَّحْوِ مَسْنَدًا ذَبَّ كَحَدَّثِ تَحْوِيْلًا
وَمَذْرُوعًا وَكُلِّ أَحْسَنَ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدَقِ
الْأَوَّلِ مَكْرُوهَةً كَزُخْرَفَةِ السَّجْدِ وَمَبْلَغَةٍ
كَالتَّوَسُّعِ بِذِيئَةِ الْمَالِ وَالْمَشَارِبِ وَالْيَتَابِ
كَتَابِي شَرْحِ الْعَامِيعِ الصَّغِيرِ -

یعنی حرام بدعت والے کچھ نماز مکروہ ہے ورنہ
بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم
کرنا اور عام سوچنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور
مدرسہ اور سرورہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان
کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریت
اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں
میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے -

ان جملات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض
بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ یا قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اسرار لگانا
یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں میں تعلیم کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے فطانت ہو یا کسی سنت کو مٹانے
والی ہو۔ وہ بدعت سیئہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنہ ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کر دو۔
بدعت جہالت۔ ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے
چند کھانے کھانا وغیرہ اس کا سوال مرثاۃ اور شامی سے گذر گیا۔ ان کاموں پر توبہ نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ۔ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کا رُبوب جانتے ہوں
یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کے عام مسلمان اس کو کارِ
ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا ننگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان
اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث
مرفوعہ میں سے کہ میری امت اگر ایسی پر متفق نہ ہوگی۔
اسما کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے نیت
وہی ہے جو نیت کرے۔

مرقات باب الاقسام میں ہے وَدُوِيَ عَنْ تَابِي
مَسْعُودٍ مَا سَمِعَهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ
حَسَنٌ وَفِي حَدِيثٍ مَرْفُوعٍ وَلَا يَجْمَعُ لِمَنْ عَلَى الصَّلَاةِ
مَشْكُورٌ كَيْ شَرَعَ فِيهِ إِلَّا مَا الْأَعْمَالُ
بِالْيَتَابِ وَالْإِمَامُ لَا مَرَّةٍ مَاتُوْنِي -

در مختار جلد اول بحث مستحبات و منویں ہے۔

وَمُسْتَحَبَّتُهُ وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
مَرَّةً وَتَوَكُّهُ أُخْرَى وَمَا أَحْيَاهُ السَّلَفُ

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَإِنَّ التَّحَاتُّ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ يَبْدُتِ

کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث و فقہی عباراتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ بُرا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آدلیگا۔ انشاء اللہ۔

بدعت واجبہ :- وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور عربی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے۔

بدعت مکروہہ :- وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر مکرکہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ منفریہ ہے اور اگر سنت مکرکہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ شریعی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گذر گئے۔

بدعت حرامہ :- وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹا نیوالی ہو۔ در مختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا سنت میں ایجاب ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوئی کے بارے میں فرماتے ہیں۔ فقیہہ دیکھو علی اللہ غیر مکرکہ۔ لَئِنْ الْمُتَوَاتِرَاتُ لَا يَكُونُ مَكْرُوهًا وَكَذَلِكَ نَقُولُ فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْخَلِيلِ فَيَكُونُ بِدْعًا حَسَنَةً إِذْهَامُ الْأَهْلِ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے یا سنت ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان :- مسلمان کے بچے بچہ کو ایمان محفل اور ایمان مفصل یا کرا یا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں ایمان کے یہ دونوں نام بدعت میں قرونِ ثلاثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

کلمہ رہبر مسلمان چھ کلمہ یاد کرنا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں جن کا قرونِ ثلثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔
قرآن۔ قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگانا۔ اس کی سنہری روئی بنی جلدیں تیار کرنا۔ قرآن کو ہلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں جن کا قرونِ ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث۔ حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ مفصل، یہ بدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حوام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرض کہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے جس کا قرونِ ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث۔ یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ۔ اس پر آج کل دین کا دار و مدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے جس کا قرونِ ثلثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ و علم کلام۔ یہ علم بھی بالکل بدعت میں۔ ان کے قواعد و ضوابط سب بدعت۔
نماز۔ نماز میں زبان سے سنت کرنا۔ بدعت جس کا ثبوت قرونِ ثلثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے۔ خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ **يَعْمَتُ الْبِدْعَةُ هَذَا** یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ۔ روزہ انظار تے وقت زبان سے دعا کرنا۔ **اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ** اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ **اَللّٰهُمَّ بِالصَّوْمِ لَكَ غَدَاؤُمِيَّتُ** بدعت ہے۔

زکوٰۃ۔ زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قرونِ ثلثہ میں یہ تصور ہوا سے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے نظرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

سج۔ ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹر میں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ موٹر میں عرفات مشرف
جاننا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقیت: طریقیت کے قریباً سارے مشاغل اور تقصوت کے قریباً سارے مسائل بدعت میں مرتبے
ہئے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں
چلتا۔

چار سلسلے: اشرعیت و طریقیت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح
قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک
بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان
اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں: آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر القردن میں نام و نشان
بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ بشرط ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر،
ہوائی جہاز، سمندری جہاز، تانکر، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفاظ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاڈ اسپیکر وغیرہ یہ
تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔
بولو، دیوبندی، دہلوی، بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ: ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دو لہا کے چھوٹوں کا سہرا بندھا ہوا
تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے، شرک ہے، حرام ہے نہ حضورؐ نے بانڈھا نہ صحابہ کرامؓ نے نہ تابعین
نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا بانڈھو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا
چکے تو دو لہا کے باپ نے اس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رکھے کہ دو لہا نے
ہاتھ پکڑ دیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضورؐ نے
لیے نہ صحابہؓ نے نہ تبع تابعین نے نہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس کو مولوی صاحب
بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دو لہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ تم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے
دوب گئے۔ یہ ہے ان بزدلوں کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت علی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے بعد ازاں وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض ۱ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار میلکون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَالِكَيْسُ صَيْتُهُ قُتِلَ دُجُو شَخْصِ هِمَارِے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب ۱ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے كُلُّ مُحَدَّثٍ بِذَنبٍ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) سہو یا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز سبعة الذمات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز سیم پہلے باب میں مرقاۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھائے، اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کیے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا بذریعہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر ان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، فرائض، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرنا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ مشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ حَتَّى اللَّقْمَةِ تَوَفَّعَهَا فِي إِمْرٍ أُنِيتَ فِيهَا نِكَاحٌ يَهْلِكُ يَهْلِكُ يَهْلِكُ یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بناؤ کہ نیت خیر سے ملاؤ کھانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، دہلی کا انصاب دورۂ حدیث،

تختواہ کے کرمہ سمین کا پرہیز، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعراب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر لایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خور و عادت کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں کوئی بنانا اس کے تیس سپاہ سے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولویہ حرام میں یا حلال؟ پچار سے عقل میلاد شریف اور فاتح نے ہی کیا تصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لیے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کیے ہوئے سب کام حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کریں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام نہیں بدعت شرک دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بیچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کر دے جس سے عقل میلاد حرام ہو اور رسالہ قاسم اور پرنسپل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کٹے تھے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہیے کہ اپنے اس بے جا عموئے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں انشاء اللہ الہی۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو اسے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد یہ ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو انہیں منہ سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز بھی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو بُرا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا نیز شامی اشعۃ اللمعات اور تفتاۃ کی عبارت پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز، واجب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں نیز مسائل فقہیہ اور اشغال معارفہ جو خیر القردن کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے

چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد پر اور اعمال، وظیفے، مراقبے، پلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ پھر کلمے ایمان، جملہ مفصل قرآن کے تیس پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، حسن ہے یا مضلل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جملہ دستار بندی، سند لینا، پگڑی بندھانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن و حدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی دہلائی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث سے نہیں دیکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور ادویوں پر مروجہ جرح خیر القردن سے ثابت نہیں کر سکتا، غرض کہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسماعیل صاحب صراطِ مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں: "نیز اگر طریقت نے اگرچہ کار و مراقبات و ریاضات و عبادت کی تعیین میں جو راہ و دلائی کے مبادی میں کوشش کی ہے لیکن حکم ہر سخن و قسمی و ہر نکتہ مقامی دارد۔ ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات و عبادت ہیں۔" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کیسے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے ہمارا پرے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ بڑا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراف (۲) مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہو گا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اَلْقَعْدِيكُمْ يَسْتَحْيِي وَسْتَحْيِي الْخَلْفَاءُ الرَّاشِدِينَ
اَلْقَعْدِيَّتَيْنِ كَمَنْ تَكُونُ اِيْهًا وَعَصُوْا عَلَيْهِمَا يَا لَتَوَاجِحِنَا
اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو کپڑے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے

معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے خَيْرُ امِيٍّ قَوْمِي ثُمَّ
میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جوان کے متصل ہیں

مرقات گزار چکا کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا چونکہ اس لیے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ کَیْفَ نَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَمْ یَفْعَلْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قَالَ مَوْخِیًا اَبَیْہِ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا، صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے ہلکا ہوا صدیق رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پرہیز لگا کر فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) فَعَلَّیْکُمْ بِسُنَّتِیْ دُسَّتِہِ الْخُلَفَآءُ | خلفاء راشدین کے اقوال و افعال کو لغوی معنی سے التّائیدیّٰ تین۔ سنت فرمایا گیا۔

یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَہٗ اَجْرُہَا اَدْرَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے سُنَّةٌ مِّنْ قَدِّ اَمْرٍ سَلَّمْنَا قَبْلَکَ وَمِنْ رَّسَلْنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا نیز فرماتا ہے سُنَّةَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ اَنْ اَیَاتِ اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیین کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فَعَلَّیْکُمْ بِسُنَّتِیْ کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے بحقیقت سنت خلفائے راشدین ہمارا سنت پیغمبر است کہ در زمان انحضرت علیہ السلام شہرت یافتہ بور و در زبان ایشان مشہور و مضاف بہ ایشان شدہ۔ خلفائے راشدین کی سنت حقیقہ سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہو گئی اور ان کی طرف منسوب ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کر دینے والے خلفاء اور راشدین ہوں پانچویں ایسی کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملتی ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کیے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔ نور الانوار کے مخرج میں ہے وَقَوْلُ الصَّحَابِیِّ وَیَمَّا

يَعْقِلُ مَلْعُوقٌ بِالنِّقَاسِ وَفِيهِ لَا يَعْقِلُ فَمَلْعُوقٌ بِالنِّقَاسِ صحابی کا زمانہ عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنی؟ اشعۃ اللمعات زیر حدیث فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي ہے۔ پس ہر وہ خلفائے راشدین ہاں حکم کر رہے باشند اگرچہ باجہاد و قیاس ایضاً ہر موافق سنت نبوی است اطلاق بدعت بر ان تنزل کرو، جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگرچہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہو گیا کہ سنت خلفاء راشدین یعنی لغوی سنت ہے اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو بآبادعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سید کو کہلاتے ہیں۔

(۲) حَقِيقَةُ امْتِنَانِ قُرْبَى الْاَمْرِ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبر یہ اور قدر یہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاوے گا۔

(۳) مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي اور اَصْحَابِي كَالنَّجْوَرِ سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث باریت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔

حسں کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے، بالشت بحر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی سسی اپنے گلے سے اتار دی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا رہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔

اَتَّبِعُوا الشَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ شَرِّ فِي النَّاسِ۔

نیز وارد ہوا۔ مَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَنْ قَادَرَ النِّجْمَا عَنَّهُ شَيْئًا فَقَدْ خَلَعَ رَبَقًا اِلَاسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ قرآن کریم میں ہے۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ تَوَكُّبَهُ مَا تَكُونُ وَتُضْلِلُهُ جَهَنَّمَ

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ

رجحان کی مخالفت جنہم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہو گا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کرایمادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ہدایت حضرت ربیعہ: جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام مانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و اقوال فقہار سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلائے لا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ
إِنْ تَسْأَلُوا تَسْأَلُوا عَنْهَا
جَلِيلٌ يَنْزِلُ الْقُرْآنُ تَسْأَلُوا عَنْهَا
أَسْأَلُ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ
تَوَفُّمٌ مَكْرُومٌ لَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
أَسْأَلُوا عَنْهَا لَعَنَ اللَّهُ أَسْأَلُوا عَنْهَا

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا وہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لیے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرمایا **ذَٰلِكُمْ مَّا ذُكِّرَ لَكُمْ** اُن کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں نیز فرمایا۔ **وَلَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** تم سے تفصیل در بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

الْحَدَّالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ
مَّا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ
فَهُوَ مِمَّا عَفَى عَنْهُ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتہ قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جن کی حرمت صریحہ آگئی تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؛ شامی جلد اول کتاب الطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔ **الْمُخْتَارُ أَنَّ الْأَصْلَ الْإِبَاحَةُ** عِنْدَ الْجُمْهُورِ مِنَ الْمُتَعَفِّفَةِ

وَالشَّادِعِيَّة - جہود خفی اور شافی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر نازن و درج المیمان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کو ناجائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو یہاں سے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کو ناجائز ہے جب خدا حرام نہ کرے رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہوئی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَا أَجِدُ فِيْمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مَعْصَرًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَسْنِيَّةً ۖ وَلَئِنْ لَمْ يَنْفَرْنَا لَأَسْأَلَنَّ اللَّهَ الَّذِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الْمَرْحَاتِ ۚ الْآيَاتِ سَعَىٰ مَعْلُوم ہرگز حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہوئی دلیل ہے کہ حرام ہونے کی یہ حضرت اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الہی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ یہ لوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی معنایا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات ہیں۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہیے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے نواس کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا۔ حمل شریف کے واقعات، نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کی نعت پاک یا نشر میں پڑھنا سب اسکے

تاریخ میں۔ اب واقعہ ولادت خواہ تنہا میں پڑھو یا مجلس تبع کر کے اور نظم میں پڑھو یا تشریں مکر سے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جاوے گا۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی منانا اس کے لئے کہ وہ پختہ خوشبو لگانا۔ گلاب پھونکنا۔ شیرینی تقسیم کرنا و صدقہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعزت برکت اور رحمت الہی کے نزول کا سبب ہے۔

۱۱۔ عینی علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي هَذِهِ مَا شَاءَ وَجْهُكَ اللَّهُمَّ لَنَا عَيْدًا لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَالْجَوْنُ مَا مَعْلُومٌ ہذا کہ مادہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا۔ آج بھی اتوار کو عیسائی اسی عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اتر اٹھا اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اس مادہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے۔ ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد نہیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں۔ اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے بچکنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہے۔ لیکن اگر عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دھنا بخیر یا اسے جس سے معلوم ہوا کہ عورت نماز میں ضرورت کے تحت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجر کھیل کو اور لغویات میں سے ویسے ہی باجر سے کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبارت ہے۔ اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے۔ لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم پڑھنے لگیں تو ان یہود کیوں کو مناد۔ قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبارت ہے۔

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور علامہ اور معجزوں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا (اے رب تعالیٰ فرماتا ہے) وَذَكِّرْهُ بِالْحَمْدِ اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

۱۲۔ وَآتَيْنَا بَعْضَهُمُ سُرَّتِکَ فَخَبَّرْتَهُمْ بِأَسْمَاءِ نَبِیِّکَ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُونَ کا خوب چرچا کرو۔ اور حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ بے تقالی نے اس پر احسان بتایا ہے اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے۔ آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاج پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔

کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ پر جشنِ جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد مبارک ارشاد فرمایا فرماتا ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ فَخُذُوا حِذْرًا فَسَبِّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكُم مَّا بَدَأَ الْإِنسَانَ حَقًّا لِّمَا كَانَتْ يَدَاكَ أُتَرَفًا وَرَبُّكَ أَكْبَرُ عَنَ الْإِطَاعِ اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا میں نے آپ کو اپنے آپ سے بھیجا ہے۔ خیر فیئ علیکم سے آخر تک حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی باتیں بیان ہوتی ہیں۔

۱۳. لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ

اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول علیہ السلام کو بھیج دیا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ رَبِّ الْعَالَمِينَ وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

غور نہ کہ بہت سی آیات میں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الہیہ ہے اب اگر جماعت کی ناز میں امام یہی آیات ولادت پڑھتے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے چھپے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے۔ پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں ہے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی میں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا۔ اصل میلاد پایا گیا

قرآن مجید نے تو انبیاء علیہم السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر۔ حتیٰ کہ حضرت مریم کا روزہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ يَذْكُرْ فِي الْقُرْآنِ مِثْلَ هَذَا أَهْلَانِ کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمانا غور نہ کہ سب ہی بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد خزانہ بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ مظہر نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ وہ ہی قسم آتی سنت ہے اسی طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، اُن کی شیرخوارگی، اُن کی پرورش ان کا پلانا پھرنا، مدین میں جانا، حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، دہان مہمشا اور اُن کی

بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے چچا کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک پر یمن کرتے ہیں۔ فَقَالَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمَيْمَنَةِ فَقَالَ مَرُّوا أَنَا بِسُورَةِ مَنَازِلِ الْقُرْآنِ أَوْ بِأَكْرِ بَعْضِ بَنَاتِ يَمَنٍ كَوْنُ يَمَنٍ بِسَبِّ سَبِّ رَسُولِ اللَّهِ جِبْرِيلُ فَرَمَا يَمِينَ مُحَمَّدًا بَنِي عَبْدِ شَرْيَفٍ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ جِبْرِيلُ۔ اللہ نے مخلوق کو یہ فرمایا تو ہم کو یہ بڑا مخلوق میں سے کیا۔ پھر ان کے درخت سے عرب و عجم ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا۔ پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے ہم کو ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا۔ پھر قریش کے چند خاندان بنائے ہم کو ان میں سے سب سے بہتر خاندان یعنی بنو ہاشم میں سے کیا۔ اسی مشکوٰۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم قائم النبیین میں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا ویدار میں جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف، اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے۔ ایسی صد احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جایا کر فرمائش کرتے تھے کہ سر کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ۔ معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ بھی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے۔ انہوں نے پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح حضرت انس بن ابی ہاشم فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میرے پیارے رب ہیں۔ خالق مخلوق۔ نہ سخت علیحدت، ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں۔ اب کمال شام میں ہوگا۔ ان کی امت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج و خوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

(۷) یہ تو مقبول بندہ کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی۔ تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب ۱۰ اَمَّا تِلْكَ الْآيَةُ فَضَعْتُمْكُمْ دَمَا يَجْعَلُكُمْ مِنَ الرِّضَا عَقِيْرًا

قَلَمًا مَاتَ أَبَدُ لَهْبٍ أُمِّيٍّ بَعْضُ
أَهْلِهِ يَشْرَحُ حَيْثُ قَالَ لَهُ مَاذَا أَفْقَيْتَ
قَالَ أَبَدُ لَهْبٍ لَمْ أَلْقِ يَعْنِي كَمْ خَيْرًا
إِنِّي سَقَيْتُ فِي هَذِهِ بِعَصَايَ ثَوْبَةً -

حبیب البلب مر گیا تو اسکو اسکے بعض گھروالوں نے
خواب میں برے حال میں دکھا پوچھا کیا گزری بولہب کہ تم
سے علیحدہ ہو کر مجھ کوئی خیر نصیب ہوئی ہاں مجھے اسٹکی
انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے تیرے لونڈی کو آزا کیا تھا

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثویبہ نے اگر اس کو خبر دی کہ آج تیرے
بھائی عبداللہ کے گھر فرزند محمد رسول اللہ پیدا ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی
کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جاتو آزاد ہے۔ یہ سخت کافر تھا۔ جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے۔ مگر
اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب روزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو
چومتا ہے۔ پیاس ٹیچھ جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن۔ وہ دشمن تھا۔ ہم ان کے بندے بے رام۔
اس نے جتنیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی
کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو وہ کرم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔
دوستان را کجا کنی محسوم ہ تو کہ باد شمنان نظر سداری
مدارج النبوة جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر
فرماتے ہیں۔

° دریں جہانداست مرا بل مولید کہ در شب میلاد
آں سر در سر رکند و نزل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر
بود چوں بسر در میلاد آں حضرت و نزل شیر جاریہ دے
بجست آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ مملو است
بجست و سر در و نزل مال در دے چہ باشد لیکن باید کہ
از بدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی و آلات محرمہ
و منکرات منالی باشد °

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور
علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے
اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب
حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے
کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا ہوگا جو محبت نبوی
سے بھرپور ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد
شریف مولوم کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و ادیب و مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے
اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے۔ جس ملک میں بھی

جاوہر مسلمانوں میں یہ عمل پادشہ کے - ادیبانہ اور علمائے امت نے اس کے بڑے بڑے ناموں سے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ تین کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے - لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ أَوْلَادِكُمْ إِذَا قُمُوا عَلَيْهِمْ يَوْمَ تَكُونُ الْفُلُكُ مَكْمُورَةً فِي الْأَرْضِ ذَلِكُمْ فَسَمَاءُ يَوْمَ تَأْتِي سُنُبُ أُولَئِكَ أَفْوَاجًا لَقَدْ جِئْتُمُوهُمْ يَوْمَ الْبَيْعَةِ فَامْتَنِعُوا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذْ أَخَذُوا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ فَزَادُوا عُصْيَانَهُمْ فَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَنُفِخَ فِي سُورَةٍ فَإِذَا هُمْ جَاثِلَةٌ

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۰۵ میں ہے کہ شیخ محمد ظاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں - قَدْ أَتَى شَهْرُ أَمْرِ نَبَاٍ ظَاهِرٍ الْحَبُورِ فِيهِ كُلُّ عَامٍ مَعْلُومٍ وَأَوَّلُ رُبْعِ الْأَوَّلِ مِنْ بَرِّ سَالٍ خَوْشَى مَنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ تَفْسِيرُ رَحِيبِ الْبَيَانِ بِآرِهِ ۲۶ سُوْرَةُ نَجْمٍ زِيَارَتِ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ -

میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بری باتوں سے خالی ہو یا مہینہ سیٹی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے ابن حجر مہینی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا بعد میں ایجاد ہوا پھر ہر جگہ کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پر جتنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونے کی خبر پہنچتی ہے جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ

مَنْ تَعَطَّيْتُمْ عَمَلُ الْمَوْلِدِ إِذَا اللَّهُ يَكُنْ فِيهِ مَنكُورٌ قَالَ الْإِمَامُ الشَّيْخُ طَبِيعٌ سَقَبَتْ لَنَا أَظْهَارُ الشُّكْرِ بِمَوْلِدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ پھر فرماتے ہیں - فَقَدْ قَالَ ابْنُ الْحَجَرِ الصَّيْحَانِ إِنَّ السُّدَّةَ الْحَسَنَةَ مُتَّفَقٌ عَلَى خُدَّيْهَا وَعَمَلُ الْمَوْلِدِ وَاجْتِمَاعُ النَّاسِ لَهُ كَذَلِكَ بِدَعَا حَسَنَةً قَالَ السَّخَاوِيُّ لَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ وَ إِنَّمَا حَدَّثَ بَعْدَ ثُمَّ لَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ مِنْ سَائِرِ الْأَقْطَارِ وَالْذُّنُ الْكِبَارِ يَعْمَلُونَ الْمَوْلِدَ وَيَتَصَدَّقُونَ بِأَنْوَاعِ الْقِسْمِ قُتْ وَيَعْتَمِدُونَ بِقِرَاعَةِ مَوْلِدِهِ الْكَبِيرِ وَيُظَاهِرُونَ مِنْ بَرَكَاتِهِ عَلَيْهِمْ كُلُّ فَضْلٍ عَظِيمٍ قَالَ ابْنُ الْجَوَارِيِّ مِنْ خَوَاصِهِ أَنَّهَ أَمَّا فِي ذَلِكَ الْعَامِ وَبُشْرَى عَاجِلَةً بِكَيْلِ الْبُعْثَةِ وَالْمَرَامِ وَأَوَّلُ مَنْ أَخَذَتْهُ مِنَ الْمُلُوكِ صَاحِبُ

أَسْرَبُ وَصَفٌ لَهُ ابْنُ وَحْيَةٍ كِتَابِي
الْمَوْلِدُ فَاجَادَهُ بِالْقَبْرِ دِينَارٌ وَتَدَا سَحَابُ
لَهُ الْخَفِظُ ابْنُ حَجَرَ أَصْلًا مِنَ الشَّعَةِ وَ
كَذَلِكَ الْخَفِظُ السُّيُوطِيُّ وَرَدَ عَلَى أَنْكَارِهَا فِي
قَوْلِهِ إِنَّ عَمَلَ الْمَوْلِدِ بِدَعَا مَذْمُومَةٌ

شاہ ارسل ہے اور ابن وحید نے اس کے لیے میلاد شریف
کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے سکون پر ارشاد فرمایا
نذریں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی
اصل سنت سے ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو
اس کو بدعت سید کہہ کر منع کرتے ہیں۔

علامہ قاری مورود الرومی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں کہ اهل الإسلام يحثون في
كل سنة جديدة ويعتقون بقرآن مولد الكفر فيهم وعليهم من بركاته كل
فضل عظيم اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں کہ

بهذا الشهر في الإسلام فضل * ومنقبة نفوق على الشهر

ترجمہ فی شریع فی کریم * وکون من قوی قوی نوہر (افکار ساطعہ)
ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر
کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے جیسے
امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر، غیر ہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک
کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن۔ مراد پوری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند نائد سے ہیں۔ مسلمانوں
کے دل میں حضور علیہ السلام کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت برصانے کے لیے زیادتی و درود شریف اور
حضور علیہ السلام کے حوالہ زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے
ہیں۔ مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقع مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلموں
میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں حضور علیہ السلام کے حالات علیہ سنی اسلام
کی خوبیاں دیکھیں خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو
مسائل دینیہ بتانے کا موقع ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاد تو
جمع نہیں ہوتے۔ ان محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے

بھی اس کا بہت تجربہ کیا۔ اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔
 چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جن میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت
 کی جادے کیونکہ مقابلہ شرک کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتی ہے۔ اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس
 میں سنتے سنتے مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کا نسب شریف اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک
 و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات
 ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرک کر کے یاد
 ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے بوڑھوں کو
 پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ دلاؤ کہتے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا
 تو بہت مفید ہو۔ سنی ہوئی چیز کو نہ لگاؤ۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیروں میں دعا ہے اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز
 اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں کہ ”مشرک فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف
 میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں“
 عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ
 ہو کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد! یہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتوے لگے گا؟

(۱۱) جم غریب کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں
 ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جائیگا
 تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کو نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے
 ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جا
 سکتا ہے کہ شرعیاً منع نہیں اور مسلمان اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب
 ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کوئی قطعی الثبوت قطعی الدلائل حدیث یا آیت لائیں گے صرف
 بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات ہیں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔
اعتراض (۱) محفل میلاد برکت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ لہذا مومنوں کو حرام۔

جواب :- میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت النبۃ، سنت الانبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنت صحابہ کرامؓ، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر مروج البیان کے حوالہ سے بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحب ہے حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

اعتراض (۲) اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو مخاطب ماطل۔ اور بھی منکران کائنات خدائی کرنا۔ غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے۔ لہذا حرام ہے۔

جواب :- اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتوں پر دونوں میں علیحدہ ٹیختی ہیں۔ اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے، دے پڑھنے، پابند شریعت ہونے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے باذن بھیجتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے سہ لذت بادہ عشقش زمین مست میرس ۛ ذوق ایں مے نہ شناسی غمستانہ شیشی

ہائے کجخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ علیہ السلام کیوں حرام ہوگا۔ بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ

دہاں مرد بے داڑھی واسے پتے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بڑے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پر پڑھتے ہیں۔ ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں۔ بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کیے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جادے گی۔ بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیا قرآن پڑھنا بند کر دے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراف ۳۱ مغل میلاد کی وجہ سے رات کو پر میں سونا ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جن سے فرض چھوٹے وہ حرام میلاد حرام۔

جواب۔ اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو۔ وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا۔ دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے۔ تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بار بار کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول علیہ السلام کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے و دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں۔ اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخرات میں ہوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح۔ یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو مغل میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ درندہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

اعتراف ۳۲ علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث مذاہرات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی حارج تفسیر احمدیہ شریف میں مغل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مغل میلاد سخت بڑی چیز ہے۔

جواب۔ شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس مغل میں گانے باجے اور غزبات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں۔ کارٹاب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَأَقْبَمَ مِنْهُ الشَّامِيُّ بِقِرَاءَةِ الصَّوْمِ ۱ | اس سے بھی بڑی میناروں اور دود پڑھنے کی مذمت

فِي الْمَنَازِلِ مَعَ اِسْتِحْبَالِهِ عَلَى الْغَنَاءِ وَاللَّعِبِ | ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود
وَأَمَّا بَابُ ثَوَابٍ ذَلِيلٌ إِلَى حَضْرَتِ الْمُصْطَفَى

اسی طرح تفسیرات احمدیہ نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا کہ جن میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو
اور لوگ اس کو سماع کہہ کر کاٹھاب جانیں تفسیرات احمدیہ نے ان لغویات کی تصریح بھی کر دی ہے دیکھو
تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ - ہم نے بھی پہلے عرض
کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں۔ میں نے خود گراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں
اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہسوان ضلع ہلاویں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے
باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ
کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی
ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر
ہے تو حاجی لداؤد صاحب پیر و مرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراف ۱۵: نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں بڑی آہ ہے۔
اسی طرح تقسیم شیرینی کو بد امر مانا ہے۔

جواب: نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔
دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں۔ گذشتہ انبیائے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت
خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور علیہ السلام نے اپنی
نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت
منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کے لیے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے۔
حضرت حسان اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ
اللَّهُمَّ آيِدْنَا بِرُوحِ الْقُدُسِ اِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ سَيُؤَدُّ رُوحَ الْقُدُسِ سَيُؤَدُّ رُوحَ الْقُدُسِ سَيُؤَدُّ رُوحَ الْقُدُسِ
باب الشعر اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے
حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلال مصطفیٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا۔ ابو طالب نے نعت لکھی۔ خرپوٹی
شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ بردہ کو فالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا۔ آخر کار قصیدہ

برہہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی مل۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابو حلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور عزت پاک ﷺ کے سارے ارشاد و علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں۔ ان حضرات کے قصائد فقہیہ مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ میں گلے بجانے کی بڑیاں ہیں نہ کہ نعت کی۔ جن گیتوں میں محراب اخلاق مضامین ہوں۔ عربوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناچا کرتے ہیں اس کی پوری تحقیق کے لئے مرتبہ شرح مشکوٰۃ باب مَا يُقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ وَكِتَابُ الصَّلَاةِ اور باب الشعرین رکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں۔ مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے۔ دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں۔ تو نعتیہ اشعار سیکھنا یا کرنا پڑنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ بھی پاکیزہ کس طرح ناچا کرنا ہو سکتے ہیں؛ شامی کے مقدمہ میں شعری بحث میں ہے۔

شعار جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا
فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے
عربی قواعد ثابت کئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں
اگر پر معنوی خطا ممکن ہے مگر عقلی غلطی نہیں ہو سکتی۔

وَمَعْرِفَةُ شِعْرِهِمْ مَرَدِيَّةٌ وَدَرِيَّةٌ عَشِيَّةٌ
فَقَهَاءُ الْإِسْلَامِ حَرَضٌ لِّكَافِيَةِ رَدِّهِ تَشْبِيهُ
تَوَاعِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُ مَعْزَمٍ وَإِنْ جَانَبِيَّةُ الْخَطَا
فِي الْمَعْنَى فَلَا يَجُوزُ مِنْ فِيهِ الْخَطَا فِي الْإِنْسَاظِ

گلے کی پوری تحقیق بحث غرض میں قرآن کے ماتحت آوے گی۔ ان شاء اللہ

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقع پر کھانا کھانا۔ نعمانی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقع ہے خاص نکاح کے وقت خیرے تقسیم کرنا بلکہ اس کا ناسنت ہے۔ اظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے۔ دعوت کرتا ہے۔ مدد و خیرات کرتا ہے۔ شیرینی تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر چھ دے سے شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ میں نے عید و ضلع علی گڑھ میں کچھ نوحہ تعلیم پائی ہے دہاں دیوبندیوں کا مدد نہ تھا۔ مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کو سنبھالنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین سے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھانا بعد میں مہاجرین میں تقسیم شیرینی

کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَاجَعْتُمْ الرَّسُولَ فَقَدْ مَوَّابِينَ يَدِي فَبُحَاكُمْ صَدَقَ اللَّهُ وَلِلَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ وَآخِرُ بَارِ ۲۸۔ سورۃ مجادلہ۔

اے ایمان والو جب تم رسول سے کچھ آمہٹہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لئے بہتر اور بہت سہج ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس منے پوچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور کچھ تفسیر خزانہ العرفان و خازن دارک، اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ مگر اباحت اہلیہ اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا۔ مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح احادیث و قرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار ثواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور ہی سے کلام کرتا ہے۔ تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی کہ ربیقی در شعب لایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورۃ بقرہ یا مستحق آل و رحمت و از وہ سال خواندہ فارغ شد و روزے ختم شترے را کہ کشتہ طعام وافر بختہ یا از ابن حضرت پیغمبر را خود را نید۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ بارہ سال کی مدت میں اس کے روزہ اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اجمہ کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اجمہ کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قرابت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ تھما کھاؤ تھجبتوا ایک دوسرے کو بدیدہ و درجستہ بڑھ گئی فقہا فرماتے ہیں کہ جب دیر محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو دریاں کے نفا کر کو صدقہ دے کر وہ اجیہ الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہو گا کہ کیا اعمال لائے؟

حق بفرماید چہ آوردی مرا! اندران مہلت کہ من وادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لاخیرو فی الشرف اسراف میں بھلائی نہیں۔ فوراً جواب دیا لاخرت فی الخیر بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض (۱) محفل میلاد کے لیے ایک دوسرے کو جانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا کر قفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب۔ مجلس وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے بویہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی میں لہذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے۔ لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہیے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض (۲) کسی کی یادگار متانا اور دن تاریخ وقت مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب۔ خوشی کی یادگار متانا بھی سنت ہے۔ اور دن تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہاء درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا ﴿ذَكَرْهُمْ يَأْتِ بِآيَةٍ﴾ یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرق فرعون من و ملوکی کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سَيَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاَشْيَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وَبَدَتْ وَفِيهِ اُنْزِلَ عَنِّي

حضرت علیہ السلام سے در شبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

ثابت ہوا کہ در شبہ کا روزہ اس لیے سنت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ یادگار متانا سنت ہے اس کے لیے دن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور فاضل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ۔ مشکوٰۃ یہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہ میں روزہ رکھتے

میں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فَصَلُّوا أَحَقَّ دَاوُلَى يَوْمَئِذٍ مِنْكُمْ جَمِيعًا عَالِمِ السَّلَامِ سے تم سے زیادہ قریب میں قُصَاةُ دَاوُلِیْصِیَامَہِ خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔ چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا۔ اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے۔ اسی مسئلہ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس میں یہود سے مشابہت ہے تو فرمایا کہ اچھا سال آئندہ اگر زندگی رہی تو ہم دو روزے رکھیں گے یعنی چھوڑا نہیں۔ بلکہ زیادتی فرما کر مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے۔ ہم نے شان حبیب الرحمن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں۔ فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار۔ دہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گذشتہ انبیاء کی یادگاری ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اگر ارات دیکھی تو پریشان ہوئے۔ صبح کے وقت دو رکعت شکر یا ادا کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قدیر ذبح پایا۔ سخت جنگ کی جان بھی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکر یہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ معلوم ہوا کہ نماز کی رکعت بھی دیگر انبیاء کی یادگاریں۔ حج تو ادا اہل تا آخر ماجرہ واسمعیل و ابراہیم علیہم السلام کی یادگار ہے اب نہ تو دہاں بانی کی تلاش ہے ابدہ شیطان کا قربانی سے روکنا۔ مگر صفا و مردہ کے دریاں چلنا، بھالنا۔ منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی موجود ہے۔ محض یادگار کے لیے۔ اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔

شان حبیب الرحمن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لیے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اَنْ اُنْزِلَتْ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اس کی بارہویں تاریخ اعلیٰ و افضل کیوں نہ ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کو روز عید قرار دیدیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جس دن جس تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آتی ہو۔ وہ دن وہ تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے دیکھو مجموعہ کا دن اس لیے افضل ہے کہ اس دن میں گذشتہ انبیاء علیہم السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، انہیں مسجد کرنا۔ ان کا دنیا میں آنا، نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگانا، یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا، یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے

دن ہے لہذا جمعہ سیدہ الایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ نیکل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے۔ اسی دن بائبل کا قتل ہوا۔ اسی دن حضرت خواکو حقیق شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے۔ مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لیے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگار میں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسماعیل شہید یا داکا مولانا تاسم خود مخالفین مناتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو درہم دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر تعطیل کے لیے ماہ رمضان مقرر، دستار بندی کے لیے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تہذیب مقرر، کھانے اور سونے کے لیے وقت مقرر، جماعت کے لیے گھنٹہ اور منٹ مقرر، نکاح ولیمہ اور عقیقہ کے لیے تاریخیں مقرر۔ میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ۔ یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لیے ہمارے یونی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔ کاتھیا واٹر میں خاص شادی کے دن بیت کے نیچے۔ دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں۔ پھر ماہ بیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔ سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے۔ کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو۔ جیسے ہولی۔ دیوالی کے دن اسکی تعظیم کے لیے دیگ پکاتے۔ یا مندر میں جا کر صدقہ کرے۔ اسی لیے مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے ہوانہ میں اونٹ فروغ کرنے کی منت مانی تو فرمایا۔ کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا، عرض کیا نہیں۔ فرمایا جا اپنی نذر پوری کر۔ یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو۔ یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لیے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں یسور سے مشابہت ہے۔ یا اسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے اسے روزہ کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔ یوں ہی ایک چڑھیدا

ہو گئی ہے اس لیے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے سہ
مٹ گئے تھے ہیں مٹ جائیگے اعدائے ترے + نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔
نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع سجدہ کی تسبیح انتہا
وغیرہ کا پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا
ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں
اسی لیے زیادہ کمرے کے پیچھے سندھ دست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا۔ بروقت
رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی میں سات اعضا کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے نیچے دونوں
گھٹنے۔ دونوں تہذیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے
لیے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحقیر و تعظیم
کے لیے خدا تعالیٰ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور
ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیم
بیٹھنے کو ناجائز رکھا۔ مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ
ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا نسخ حدیث پاک
سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی
نیت سے یہ کام کرے۔ لیکن اگر کسی بزرگ کا جو تائبہا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لیے جھکا تو اگرچہ
جھکنا تو پایا گیا۔ مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں تا حد رکوع جھک کر سلام
کرنا حرام ہے یعنی تعظیماً تا حد رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کس اور کام کے لیے تھا۔ اور کام تعظیم کے لیے
تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے شامی
جلد پنجم کتاب الکلاسیۃ باب الاستبلا کے آخر میں ہے۔

الْإِيمَانُ فِي السَّلَاحِ إِلَى قَرِيبِ الشَّرِّ كَوْنِهِ | اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر انشاء کرنا سجدہ

كَالْمُجُودِ فِي الْحَيْطِ أَنَّهُ يُكْمَلُ الْإِنْجَاءُ
لِلْمُسْلِمِينَ وَغَيْرِهِ

کی طرح ہے حرام ہے، محیط میں ہے کہ بادشاہ
کے سامنے جھکا کر وہ تحریر ہے۔

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب، قیام مکروہ
قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کیے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود
معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت
بنانا اور دیگر دنیوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَاذْكُزِيَّتِ الصَّلَاةِ فَانْتَشِرْ وَافِي الْأَذْهَبِ
پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے دَقُّوْهُ اَللّٰهُ تَعَالٰی کے سامنے اطاعت
کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) فوائد میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے
آب زمزم اور وضو کے نیچے ہونے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر
اللہ معاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج
آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

روضہ مطہر کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں
کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے
گویا کہ وہ میر کا اپنی قبر انور میں آرام فرما میں۔ اس کو
جلستے ہیں اور اسکی بات سنتے ہیں۔

وَيَقِفُ حَتَّى يَقِفَ فِي الصَّلَاةِ دَيْمُثِلَ
صُورَتِهِ الْكَلِيْمَةِ كَأَنَّهُ نَائِمٌ
فِي لَحْدِهِ عَالِمٌ بِهِ يَنْمَعُ
كَلَامَهُ۔

اسی طرح مومنین کی قبروں پر نثار پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قہر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری کتاب الکرامۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

يَخْلَعُ لَعْنِيْهِ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرًا الْقِبْلَةَ | اپنے چہرے اتار دے اور قبلہ کی طرف پشت اور بیت
مُسْتَقْبِلًا يُوْجِهَ الْبَيْتَ | کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

روحِ پاک آب زمزم، دھنوکا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کر لینی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا ہونا سنت اور بیٹھا ہونا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسرار اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ قُمْ مَوَالِیَ سَبِّحْ کُمْ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا۔ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے۔ سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کر لی گئی۔ جن لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا۔ وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ کُلُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَیَسِّرَ لِلْعِبَادِ کُلَّ حَسَنَةٍ یَّحْسِنُ۔ اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت و رعاۃ توفیق و اکرام سعد بن مقام و لم
تعظیم و تکریم اور اوریں ہاں باشد کہ اولیٰ علم کردن
طلبیدہ بودند پس اعلان شان اوریں مقام اولیٰ و
انساب باشد۔

فَاِذَا قَامَ قَمْنًا قِيَامًا مَا حَسَنَةً قَمْنًا
قَدْ دَخَلَ بَعْضُ يَوْمٍ
اَمْرًا فَاجِهًا۔

اشترک اللغات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قُمْ مَوَالِیَ سَبِّحْ کُمْ ہے۔ اجماع

کر دے اندھا بہر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم باصلاح یا شرف و فوری گفتہ کہ اس قیام مہر اہل فضل را وقت قدوم آوردن ایشان مستحب است و احادیث مدین باب در روایاتہ دور نہی ازان صریحا چیز سے صحیح نہ شدہ از قیہ نقل کر دہ کہ مکرہ نیست قیام جائس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بحمت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علمائے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے فوری نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحتہ کوئی حدیث نہیں آئی۔ تفسیر سے نقل کیا کہ کھینچے ہوئے آدمی کا کسی آنیوالے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مکرہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکرامیہ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تَجُودُ الْحَدَّثِ مَعَ غَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى بِالتَّقِيَا
وَ اخْلُصَ الْيَدَيْنِ وَالْأَيْحْنَاءِ۔
غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے
جھک کر ہر طرح جائز ہے۔

اس جگہ جھکنے سے مراد مدد کو رہے کہ جھکانا ہے۔ تاحمد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ در فتاویٰ بلند پنجم کتاب الکرامیہ باب الاستبزار کے آخر میں ہے۔

يَجُوزُ بَلْ يَسْتَدْبِرُ الْإِيَّامَ تَعْظِيمًا لِلْفَقَادِ
يَجُوزُ الْإِيَّامَ وَلَوْ لِقَارِي يَدِي الْعَالِيَةِ
آنیوالے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا جائز بلکہ مستحب
جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہونا جائز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجائے تو اس کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِي الْقُرْآنِ لِمَنْ يَحْتَجُّ عَظِيمًا لِّلْكَوَّةِ
إِذْ كَانَ مِمَّنْ يَسْتَحْتَجُّ التَّعْظِيمَ۔
قرآن پڑھنے والے کا آنیوالے کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو
جانا مکرہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لیے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لیے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علم امامت کی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے توہین از پر چلتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لائے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے۔ مشکوٰۃ باب مرض النبی ان امور سے معلوم ہوا کہ مرزا گاندی کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فَقَامَ صَلَاحَةُ ابْنِ عَمِيْرٍ اَللّٰهُ يَهْدِيْهِ وَاَنْتَ
حَتٰى صَاغِرٍ وَهَآئِذَا - پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔

اس بگڑی ہوئی میں ہے۔ فیہ استعجاب مصاحفہ القایمہ والقیامہ الذی اقامہ اللہ فی بقاءہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آجادے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ بلکہ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فَقَامَ اِلَيْهِ سُرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ عَنْ يَمَانَا فَانْقَطَعَ وَقَبْلَهُ - ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ قَامَ اِلَيْهَا فَآخَذَ بِسِدِّهَا فَقَبَّلَهَا وَاجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهِ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجماعة فصل دوم میں ہے۔ فیہ ایمانو اِلٰی نُدْبِ الْقِيَامِ لِتَعْظِيْمِ الْفَضْلَةِ وَالْكِبَرِ الْمَعْلُوْمِ ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تقیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر کرے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل ثانی میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک خوشخبری سنائی۔

فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَخَلْتُ بِاَيْتِ اَنْتَ دَاخِلِي
اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا - تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خوال نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعَصَىٰ ذَٰلِكَ قَامَ الْإِمَامَ الشَّيْبَانِيَّ وَجَبَّحَ مَرَّةً
فِي الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ أَشْرُ عَظِيمٍ بِذَٰلِكَ الْمَجْلِسِ -

تو فوراً امام سہی اور تمام حاضرین مجلس کمرے ہو گئے
اور اس مجلس میں بہت ہی نطف آیا۔

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیٹھا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے
لیئے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے
تو حضور علیہ السلام نے کمرے ہو کر ان کو اپنے سید پاک سے لگایا اور کتب و تاریخ
عالمگیری کتاب الکرامۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

إِذَا دَخَلَ ذِمِّيٌّ عَلَىٰ مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ طَمَعًا
فِي إِسْلَامِهِ فَلَا بَأْسَ -

اگر کسی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے
اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔
دھارچند جگہ قیام کمرہ ہے۔ اولاً آب زرمز اور روضہ کے سوا دہ پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔
دوسرے دنیا دار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے
کھڑا ہونا اس کی مالدری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکرامۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

ذَٰلِكَ قَامَ لَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَتَوَيَّ شَيْئًا مِمَّا ذُكِّرْنَا
اَوْ قَامَ طَمَعًا لِقِيَاءِ كِسْرَةٍ لِّذَلِكَ -

اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا
اسکی مالدری کے طمع میں کھڑا ہوا تو مکروہ ہے۔
چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرنا چاہتا ہو اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان
میں بیٹھا ہو اور لگ اس کے اس پاس دست بستہ کمرے ہوں۔ تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے
قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے انشاء اللہ۔ تقسیم خیال میں ہے۔

جب تحقیق ہو چکی تو اب یہ تلک گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت
سلف صالحین سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں جو عا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے
کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی غفلت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا قیام میلاد چند وجہ
سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت
سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر پر قیام مسنون ہے، تیسرے نبی کریم سے
بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں
صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک

کے وقت ملائم درود ملت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لیے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائم سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لیے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لیے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جن کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جن کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ **بِأَنَّ التَّعَامُلَ يُثْبِتُ بِهِ الْفُقَاسُ لِحَدِيثِ مَنْ لَمْ يَلَهُ الْوُثْمُونَ حَسَنًا فَمَوْعِدًا اللَّهُ حَسَنًا** یعنی دیکھی وجہاً وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو غائتہ المسلیہ جن کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت القاسدہ میں ہے۔

وَجَائِزُ اجَارَةِ الْمُتَمَامِ لَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَخَلَ حَمَامَ الْحَقِيقَةِ وَلَيَعْرِفَ وَقَالَ الشَّيْخُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَمَوْعِدًا اللَّهُ حَسَنًا

حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہر حقف کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس سے کہ عورت جاری ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جبکو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حقف کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک روایت یعنی عورت عام تو ثابت ہو کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَأَنَّ النَّاسَ فِي سَائِرِ الْأَمْصَارِ عِنْدَ قُحُونِ اجَارَتِ الْمُتَمَامِ فَذَلَّ اجْتِمَاعُهُمْ عَلَى اجْوَادِ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ الْقِيَامُ يَا بَاهُ

کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا۔ اور کرایہ میں نفع واجرت معلوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ جائز

ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔ لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے
وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

تعلیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعلیم کا ہو اس طرح کو درست طریقہ
شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعلیمی سجدہ درگوش۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے
ہو کر بھی پڑے جاتے ہیں لہذا مجبور کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔ دیکھو کھڑا شہر بڑا میں مطلقاً
کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو۔ تو یہ بانی، زرعہ، قورما سب ہی حلال ہوا تو خیر القرون
میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تَوَقُّفُ دُاعَا کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعلیم کر۔ خیر القرون سے ثابت
ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا
مِنْ تَعْوَى الْقُلُوبِ۔

اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعلیم کرے تو یہ
دل کے تقویٰ سے ہے۔

روح البیان نے زیت آیت دَعَاؤُ ذُو الْعَلَى الْبَرِّ وَالتَّقْوَى دَعَاؤُ ذُو الْعَلَى الْبَرِّ وَالتَّقْوَى
لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ انکی تعلیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض سمیٹے
بعض دن، مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی لیے صفاء مردہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعلیم
کی جاتی ہے۔ اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اسکی تعلیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔
ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے۔ تو ایک
بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض (۱) چونکہ میلاد کا قیام ازل تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے
حضور کی وہ ہی تعلیم کی جاوے کہ سنت سے ثابت ہو اپنی ایمازات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو مقابلہ صحابہ
گرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔
جواب۔ بدعت کا جواب تو بار بار دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ بلکہ یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام

کی وہ ہی تعظیم کی جادے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہوئی جائے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر شیش پر جانا۔ ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ ان کے لئے جلوس نکالنا۔ جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔ کرسیاں لگانا۔ وعظ کے وقت زندہ باور کے نعرے لگانا۔ مسند اور قالین پچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی جو نہ نہیں پیش کر سکتے۔ تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ رکوع و سجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جہزہٴ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔ در چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملک ہر رسم سے

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح : ہندیاں را اصطلاح سندھ مدح
مرقاۃ واشعۃ المصنوعات کے مقدمہ میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب مدینہ بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور جمیعت و دربار سے بیٹھتے تھے۔ کہتے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی معانی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہٴ دل ہے عین ثواب ہے۔ تفسیر روح البیان زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدًا أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا۔ محمد سلطان اس کا نام ہے کہ پکارتے تھے۔ ایک روز غسل نہا میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا تصور ہوا کہ غلام زارے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں دیا کرتے۔ ہزار بار بشویم دہن مشک و گلاب : ہنوز نام تو گفتن کمال ہے اور بن است کہتے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہنے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراف (۲) اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کر د۔ اور میلاد شریف میں

اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب :- یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ سے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پر سنا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ ہر وقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھا یا کرتے تھے۔ دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھتے دالے بھی کھڑے ہوتے تھے اجماعاً فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہو گا۔ اس لیے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی اونگھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لیے اس وقت سوز گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب اہل نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز حسب التعمیات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ اور ہزار ہا موقوفوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صرف اتنے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کھینچ کر اس کے ہر طرف پر ایک انگلی بند کر کے کا پیروں پر وغیرہ پھر حقیقت پڑھے ہر ایک ایک انگلی کھوے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تعجب قدامت قرآن کے دوران میں یہ کھاتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں لہریا شائے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں یہ صحیح وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقوفوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں اور مل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صد ہا سوالات کیے جاسکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کے اسناد بیان کیا۔ بعض کو تغلیف۔ سب کو کیا کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراف (۳) لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب :- یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔ اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا ثواب ہے۔

پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا بڑا ہوگا
 نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احادیث
 غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ درود نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق حاجی
 امداد اللہ صاحب نے بہت مسئلہ میں خوب کی ہے۔ رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور
 نہ کرنے والے کو دہلی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔ اَحَبُّ
 الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَذْذُ مَعَادٍ اِنَّ فَلَی اللّٰہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔
 ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے
 ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں مسلمان
 ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر دو پہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی و وجوب کی علامت
 ہے رہا قیام نہ کرینوالوں کو دہلی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ دہلیوں کی علامت
 ہو گئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت
 اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ لیا جتنی ہو گیا مشکوٰۃ
 کتاب الایمان کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے
 تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا
 ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق چھوٹے ہیں کہیے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر میں چھوٹے
 پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار
 سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان مہر سنا نا ہے روکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب القصاص باب
 قتل اہل الروہ، یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں علامہ علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے
 امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حَبِثُ الْخَنَّاسِیْنَ تَفْضِیلُ الشَّیْعِیْنَ
 وَ الْمَسَاحُ عَلَی الْخَنَّاسِیْنَ دو اماموں یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا۔ شیعیان صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ
 عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ النعام زیر آیت دَاتِ
 هٰذَا اَصْحَابِیْ جَنَّتْ مُسْتَقِیْمًا کے ساتھ ما عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے
 تَفْضِیلُ الشَّیْعِیْنَ، تَوْحِیدُ الْخَنَّاسِیْنَ، تَعْظِیْمُ الْقَبْلِیْنِ۔ الصَّلَوةُ عَلَی الْجَنَازَتَیْنِ، اَنْصَلُوْهُ

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔

لَا تَقُومُوا مِثْلًا تَقُومُوا إِلَّا عَاجِلًا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی اوسے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔

میلادِ شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں۔ پھر تعظیمی قیام کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

جواب۔ ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ روز پہلے باب میں ہم نے جو احادیث

اور اقوال فقہار نقل کیے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امر سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے۔ "وواصل انکر قیام ذکر قیام

بجسب زمان و اشخاص مختلف کہ دو ازیں جا است کہ گاہے کہ مذکورہ خلاصہ یہ ہے

کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام

نے کبھی تو حضور کے لئے قیام کیا اور کبھی نہ کیا، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف

آوردی پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہو نہ کا ذکر پہلے ہو چکا اور

آپ کا قیام سے کرامت فرماتا تو انعاماً و انکساراً تھا۔ لہذا اس بلکہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کہ

دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے۔ "قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت

قیام است اگر دے محبت قیام نہ دار و قیام پرانے دے مکروہ نیست قاضی عیاض مالک گفتہ کہ قیام

منہی رفق کسی است کہ نشستہ باشند و الاستادہ باشند پیش دے در قیام تعظیم پرانے اہل دنیا بخت دینا

ایشان و عید وارد شد و مکروہ است۔ خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا

ہو تو اسکے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو

اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لئے قیام تعظیمی میں و عیدائی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ

مشکوٰۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسلام زیر حدیث قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ میں ہے۔

قَالَ النَّوْزِيُّ فِيهِ الْكِرَامُ أَهْلُ

الْفَضْلِ وَتَلْقِيهِمْ وَ الْقِيَامُ إِلَيْهِمْ وَلَعَبَّهُ بِهِ

الْجَمْعُ هُوَ رَدَّ قَالَ الْقَاضِي عِيَاضٌ لَيْسَ هَذَا

نودی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے

منا۔ انکے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علماء نے

اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے

مِنَ الْقِيَامِ الْمُنْتَهَى عَنْهُ دَائِمًا ذَٰلِكَ فَيَمُنُّ
يَقُولُ مَوْنٌ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَيَمْسِكُونَ
لَهُ قِيَامًا طَوَّلَ جُلُوسِهِ

نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے
کھڑے ہوں۔ اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے منجھے
رہنے تک کھڑے رہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محض قیام
کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ مروتہ کھڑے
ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

بحث فاتحہ تجید، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں
مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشا جائز ہے اور پہنچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و
حدیث اور اقوال فقہار سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز
جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر فرمایا ھٰذِہ
کَاْمَرٌ مَّصْعُیَہِ اِیَّامِ سَعْدٍ کُنُوْا لَہِ اِیْصَالٌ ثَوَابٌ کَاْمَرٌ دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز
نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ ہاں نماز کا ثواب بخشا
جاسکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملحاح فصل دوم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا
کہ مَنْ یُضْمِرْ لِيْ مِنْکُمْ اَنْ یُّصَلِّیَ فِیْ مَسْجِدِ الْعِشَاءِ رُکْعَتَیْنِ دِیْقُوْلُ ھٰذِہِ لِیْ فِیْ ہَرْدِیْ اَسْ
تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے
دوسرے یہ کہ زبان سے ایصال ثواب کہنا کہ خذ یا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ
برکت کی نیت سے بزرگانِ دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی و
بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ ادرج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کھدے کہ تم میری طرف سے زکوٰۃ دے
دو تودے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ ہے تو دوسرے سے حج بدل کر اسکا

ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال ویدوں تو وہ مالک ہو جائیگا۔ اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا۔ اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آگیا اور پڑھانے والے کا جانا نہ رہا۔

دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی ٹیپے نا بالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ہر نفس کے لیے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس خود کر لیا

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى | انسان کے لینے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لیے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لیے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال میں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم اہل بیت و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے وَاتَّبِعْتُمْ ذَرِّئَتَهُمْ بِالْأَعْيُنِ یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لیے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل و ربات پائیگی۔ دیکھو جمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے اسی لیے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ یہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل و نفع کا اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، رسواں، چالیسوں وغیرہ اسی ایصال ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے۔ اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر طرح البیان نے پارہ ۷ سورہ النعام زیر آیات وَهَذَا الْكِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ مَبَارَكًا میں ہے۔

حقوقہ اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعائے مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔

وَعَنْ حَبِيبِ الْأَعْرَجِ قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَخَصَّه ثُمَّ دَعَا آمَنَ عَلَى دُعَائِهِ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُونَ يَدْعُونَ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُونَ وَيُصَلُّونَ عَلَيْهِ إِلَى الْمَسَاءِ أَوْ إِلَى الصُّبْحِ۔

یہ بھی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اشعة اللمعات باب زیارت القبور میں ہے۔ ”وَقَدْ دُقَّ كَرْدُ شُرَازِ مِيتَ بَعْدَ رَفْعِ اِرْزِ عَالَمِ تَا بَعْدَ رُزْ مِيتَ كَسْ مَرْنِ كَسْ بَعْدَ سَاتِ رُزْ تَمَكْ صَدَقَ كَيْ جَاوَسَ۔ اسی اشعة اللمعات میں اسی باب میں ہے بعض روایات آہے است کہ روح میت سے آید خانہ خود را شبِ جمعہ پس نظر می کند کہ قصد کند از دوسے یا نہ“ جمعہ کی رات کہ میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے لوگ عذرہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اسکی یہ اصل ہے۔ انوار ساطعہ صفحہ ۵۴۴ اور حاشیہ خزائنہ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ نتیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نووی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس ابن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعائے مانگتے۔ حکیم ابن عقیہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد و عیدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں۔ اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگانِ دین ختم قرآن کے وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اُس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نووی کتاب الاذکار) لہذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔

در مختار بحث قرئت للیت باب الدفن میں ہے۔ فی الحدیث من قرء الإخلاص أحد عشر مرة ثم ذهب آخرها لألحوت أعطى من الأجر بعد الألوام حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔ ویقرء من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول

جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورۃ فاتحہ بقر کی اہل آیات اور آیت الکرسی اور اس الرسول اور سورۃ یس اور ملک اور سورۃ تکواث اور سورۃ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین دفعہ پڑھے کہ بالآخر کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔

التيقرء من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة وآية الكرسي وامن الرسول وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة إذا أخذني غم أو سبعا أو ذلنا ثم يقول اللهم أذ صلب أو فاقض غمنا إلى فلاں آذ اليه

ان عبارات میں فاتحہ مرتبہ کا پورا طریقہ بتایا گیا۔ یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا۔ پھر ایصال ثواب کی دعا کرنا اور دعائیں مانگنا سمیت لہذا ہاتھ اٹھا دے۔ عزیمت کہ فاتحہ مرتبہ پوری پوری ثابت ہوئی۔ فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷ میں ہے طعا میکہ ثواب آن نیاز حضرت امامین نہانید برآں قل و فاتحہ و درود خواند متبرک می شود و خوردن بسیار خوب است جس کھانے پر حضرت حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اسی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۱۱ میں ہے اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشان پختہ بخوراند جائز است مضائقہ نیست اگر دو وہ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلا دے تو حائر ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

مخالفین کے پیشوا شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا۔ در روز سوم کثرت جہوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حسا است ہشتاد و یک کلام اللہ بہ شمار آمدہ و زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حضرت نیست تیسرے دن لوگوں کا اس قدر جہوم تھا کہ شمار سے باہر ہے کیا سی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے بیشک کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرنا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس مفہوم ۲ پر فرماتے ہیں: جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو برو سے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو درخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ سو بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے آپ نے جی ہی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع زدہی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جولان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جولان کے مکاشفہ کی صحت کو سمجھو کہ حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اسکے مکاشفہ سے ہو گئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلام طیب ایک لاکھ پانچ سو بخشتے سے مرد کی بخشش کی امید ہے اور توحید میں جنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

ان تمام عبادات سے فاتحہ اور تہجد وغیرہ کے تمام مراسم کا ہوا معلوم ہوا۔ فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ نتیجہ کے دن قرآن خوانی۔ یکدر شریف کا ختم۔ کھانا پکا کر نیاز کرنا۔ سب معلوم ہو گیا صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف طرق ہیں۔ کاشیاوازی میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں۔ پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یوپی و پنجاب اور عرب و شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ پھر کھلاتے ہیں۔ دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحبِ طعام کے لئے دعا فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میرا کھانا کو دعا داسی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدُ الْکَثِیْرِ اَطِیْبًا مَبَارَکًا فِیْہِ عَیْنُوْ مُکَفِّیْ وَلَا مَوَدَّہُ وَلَا مُسْتَقْنَا عَنْہُ سُبْحَانَہٗ۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں سنوں ہیں۔ حمد الہی کرنا اور صاحبِ طعام کے لئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ اس کی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعائے برکت فرما دیں۔

فَضَّلَہُ عَلَیَّ ثُمَّ دَعَانِی فِیْہِیْنَ بِالْبَرَّکَۃِ | آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔

مشکوٰۃ باب البجرات فصل اذان میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہو گئی حضور
 علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ کچھ جس کے پاس مولاد۔ سب حضرت کچھ کچھ لائے دسترخوان بچھایا
 گیا اس پر یہ سب رکھا گیا۔ قَدْ عَاءَ سِرْ سُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ بِالْبُزْكَةِ ثُمَّ
 قَالَ خُذْ ذِيْ اِذْنِيْكُمْ مِنْ اِسْ بِرِوْعَا فِرَاقِيْ اِهْزِ بَايَا كَرَابِ اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو اسی مشکوٰۃ
 اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا حضرت امّ سلیم
 نے کچھ کھانا بطور ولیمہ بچھایا۔ لیکن بہت لوگوں کو بھایا گیا۔ قَرِئَتْ الشَّيْخُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَصَّحَ يَدَهُ عَلَى ثَلَاثِ الْحَرِيْصَةِ وَنَحَلَهُمْ بِمَا شَاءَ اللّٰهُ اُس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور
 علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔

اسی مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا
 پکا کر حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام ان کے مکان میں تشریف لائے فَخَسَّ حَيْثُ لَہُ
 حَيْثِيْنَا فَصَنَقَ فِيْہِ دَبَابَرَتُکْ اُپ کے سامنے گدھا بڑا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف
 ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس قسم کی بہت سی روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اتنے پرکفایت کرتا ہوں
 اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہو گئے۔ والحمد للہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ
 جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جا چکا کہ فاتحہ و عبادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ
 اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی
 ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اسلئے کہ بریانی، چاول، گوشت، لکھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب
 اس کے سارے اجزاء حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہو جیسے کہ
 دو ہوشیرو ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ٹپنے سے کوئی حرام چیز بن جاوے مثلاً مجموعہ میں
 نشہ پیدا ہو گیا۔ تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا۔ یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا
 شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی۔ پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔
 دیکھو مگر یہ مر رہی ہے۔ اگر ویسے ہی مرجائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہو گئی
 قرآن کریم تو مسلمانوں کے لیے رحمت اور شفاء ہے۔ شَفَاؤُ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ پھر اگر اس کی
 تلاوت کر لینے سے کھانا حرام ہو جاوے تو قرآن رحمت کہاں رہا۔ زحمت ہوتا۔ مگر ہاں مومنین کے لیے

رحمت ہے کفار کے لیے رحمت۔ دَلَّا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا اُس سے ظالم تو نقصان پہنچتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے۔ نیز جس کے لیے دعا کرنا جو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیے۔ جنازہ میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے لیے دعا ہے۔ اس کو سامنے رکھ دیا۔ اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو کون سی خرابی ہے۔ اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبح پر جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اَللّٰهُمَّ هَذَا مِنْ اُمَّتِيْ مُحَمَّدِيْ + اے اللہ یہ قربانی میری امت کی لڑت سے ہے حضرت نبیل اللہ نے کبیر کی عمارت سامنے رکھ کر دعا کی دِنَا تَقْبَلُ مِنَّا اَلَا نیت اب بھی عقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو۔ تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیئے۔

ماتین کے پیشوا بھی فاتحہ مزبور کو بار بار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب اپنی کتاب القباہ فی سلاسل اویامہ اللہ میں فرماتے ہیں پڑھیں وہ مرتبہ درود خواندہ ختم تمام کنند و بر تقدیر شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت ثمرًا بنجاء دعا جنت از خدا سوال نمایند پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پڑھیں خواجگان چشت، فاتحہ دس پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب زیۃ النصاری صفحہ ۱۳۲ پر لکھا۔ سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ "و شیر مرغ بنا بر فاتحہ بزرگ بقصد ایصالِ ثواب بزرگ ایشان زند و بخورد مصافقہ نیست اگر فاتحہ بنام بزرگ دہ شول غنیاء اہم خورد و جائز است" دودھ پیادل پر یک بزرگ کی فاتحہ دی جائے کہ اور کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکھا تو ہاں رکھا تو نہیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جائے تو بالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی دہلوی صاحبان کے مرشد حاجی امجد اللہ صاحب فیضہ جنت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ ۲۱ میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھنا یا واجب و فرض اعتقاد کر کے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی معصیت باعث تقلید میقت کذا یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا

بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و زبان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہو کہ لفظ اس کا مشائر ایہ اگر دربرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا دربرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ تو جمع بین العبادتین ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی۔ دسویں بیسواں چہلم۔ ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور میر حسن حضرت شاہ بوعلی قلندر اور علوشب برات دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرمایا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔ آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں:-

اعتراض ۱۱۔ بہت سے فقہائے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لیے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ برازیل نے تو لکھا ہے۔ دَبَعَدَ الْاَشْجَعِ یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد مردن من رسوم دنیاوی دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسنی تیج نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سر روزنامہ کر دن جائز نہ داشتہ۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب:- فقہانے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی

توم کے طعن سے بچنے کے لئے ہومیت کے نتیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام دُود کے لئے ہے اور موت نام دُود کا وقت نہیں ہے اگر فقرا کو بغیر نصیب ثواب فاتحہ کر کے کھا نکھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَيَكُونُ إِتِّخَاذُ الْقِيَاسَةِ مِنَ أَهْلِ الْهَيْئَةِ
لَا تَشْرَعُ فِي الشَّرِّ دُرُّ لَافِي الشَّرِّ دُرٌّ -
یعنی میت والوں سے قیاس لینا مکروہ ہے کیونکہ
توخشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔
دعوت لینے کے وہ ہی معنی کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَعْمَالُ كُلُّهَا لِلتَّعَمُّعَةِ وَالزِّيَارَةِ
فَيَجُوزُ مِنْهَا كَأَنَّهُمْ لَا يَرِيدُونَ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ
یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں بہذا
ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔
صاف معلوم ہو کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَأَبِ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفَقْرِاءِ حَيًّا
حَسَنًا -
اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا
ہے۔ یہ فاتحہ کا جواز ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے
ہیں۔ رسوم دنیاوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر
رونا بہیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں۔ اس
جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں جس کا مقصد یہ نہ کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔ تمنا یا کہنا کہ
میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو تو ان اجادیث کا کیا
مطلب ہو گا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز رقم بھی کہتے ہو کہ
بغیر تاریخ مقرر کیے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اس خیرات کو کون کھائے گا؟ جو آدمی
کھائے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ: بر میت کے فاتحہ کا کھانا امرت فقراء کو کھلایا جاوے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے
اس پر مستقل رسالہ لکھا "جلی الصوت الذہبی الدعوت عن الموت"۔ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں۔
کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے مال تعزیت کے لئے شریف سے جاتے تو دواں پان

حقد وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے۔ اور خود مایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جادے۔ نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے۔ تو خیال رہے کہ فائز وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جادے یعنی اولاد مالیت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ یہ ضرور خیال رہے۔

اعترض (۲) فاتحہ کے لیے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے۔ گیارہویں تاریخ یا تیسرا دسواں بیسواں پہلا اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ وَهَذَا عَنِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ مَسْلُكًا لِنُكَاثٍ مِّنْهُمْ سَعَتٍ يَوْمَئِذٍ يَمُوتُ فَمِنْهُمْ شَقِيحٌ يَأْكُلُ جَسَدَهُ يَوْمَئِذٍ يَكُونُ لِيَوْمِهِمْ أَنْزَالٌ وَسِيلٌ فَأُنْزِلُوا فِي الْيَوْمِ الْوَحِيدِ۔ مفسرے دن کا انتظار کیا؟ نیز نتیجہ کے لیے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لیے نتیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب :- مقرر کرنا کیا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں کسی جائز کام کے لیے دن تاریخ مقرر کرنا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وعظ کے یث جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے۔ فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لیے ہوتا ہے۔ آج بھی مدارس کے امتحان جلسے تعطیلات کے عید اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں۔ صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب دیکھو یہ سوال کہ یہ تاریخیں مقرر کیوں کریں۔ تو سنئے! گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوتی کہ سلاطین اسلام کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا ہے کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا۔ اب حتیٰ تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ ان کے

نام پر خرچ کریں۔ اس کا نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔ یو۔ پی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز ہزاروں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جن کے بعد گیارہویں رات آتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا۔ ان کی توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پارلنا اسماعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفا پانا۔ امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہداء کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی۔ وہ گیارہویں تھی۔ لہذا یہ رات متبرک ہے۔ اسی لئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقررہ میوں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں مجدد ثانی اس کا بہت سختی سے پابن ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب یازدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا۔ ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں۔ یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہے۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا۔ اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی سہ

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹنے ۔ جب بڑھائے تھے اللہ تعالیٰ تیرا
تہجد کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز و تکفین
میں مشغول رہتے تھے دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر
فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے تھے۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے۔
الافغائب عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَوَقَّتْهَا مِنْ حِينَ يَمُوتُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَكَيْفَ مَا بَعْدَ هَذَا إِنْ يَكُونُ الْمَعْرُوفُ أَوِ الْمَعْرُوفَةُ إِلَيْهِ عَائِلًا۔
اور ماہر پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکڑہ ہے۔ مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا نائب ہو۔

آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے ہیں۔ اب رائیں گے تو کچھ ایصالِ ثواب کر کے جاویں نیز باہر کے پرسی خوش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشا ہے کہ سال بھر تک میت کو دُعا و ثواب پہنچا رہیں کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں۔ تو اولاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا بدیدہ وغیرہ بھیجا جاری رہتا ہے۔ پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے۔ کیونکہ شروع میں دہاں و بھمی اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصالِ ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنی چاہیئے۔ حضرت عمر ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور گمیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔
ثُمَّ آتَيْنَاهُ أَحْوَلَ قَبْرِي حَتَّى أَتَانِيَسَ بِكُمْ أَجْنِبَ مَا ذَاكَ أَجْعُ رُسُلَ سَرِيٍّ۔

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ ۱ ص ۱۸۱ و ۱۸۲ اِذَا انْشَأَ تَفْسِيرِ میں لکھتے ہیں۔ اول حالتے کہ بجز جدا شدن روح از بدن خواہ شدنی العمل اثر حیات سابقہ و الفت تعلق بدن و دیگر معارف از انبار جنس خود باقی است و آن وقت گویا برزخ است کہ چیز سے ازالِ طرف و چیز سے ازیں طرف مدور مذکاں مبروگان دریں حالت زود ترمی رسد و سر و گان منتظر حقوق مدوازیں طرف سے باشند صدقات و ادویہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار آدمی آید و ازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص یک چلہ بعد موت دریں نوع اندو کہ شش تمام می نمایند مردے کی پہلی حالت ہو کہ فقط جسم سے روح نکلنے کا وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے۔ یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر ادھر تعلق اور کچھ اس طرف اس حالت میں

زندوں کی مدد و دی کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعا میں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو نشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہیے تھی۔ مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لیے چھ ماہ مقرر کیا گیا۔ پھر اس کا آدھا میسراں پھر اس کا آدھا دسراں۔ چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں پھر چالیس روز تک لفظ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (دیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر) پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچکر عقل پختہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام و طیفوں کے لیے چلے یعنی چالیس چالیس روز شقیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آکر چالیس روز اعتکاف کر دے تورات دی گئی۔ **وَإِذْ قَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَنْ يَخْلُفَ لِي فِي بَنِي إِسْرَءِيلَ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ يَأْتِيَهُم بِالْبَیِّنَاتِ** کہ بت بیان کی۔ بحث چلم کہ **أَتِ الْآيَاتِیَآ لَکُم لَکُونُوا فِی قُلُوبِکُمْ** ہم ان کے لیے آیتیں لائیں گی تاکہ وہ ہمت کر سکیں **وَلَکُنْ هُمْ یُحْشَوْنَ لَکَ** تاکہ وہ اللہ سے ڈریں **حَتَّىٰ یُخَفِّحَ فِی الصُّورِ** اس حدیث کے معنی زرقانی مخرج مواجب نے یوں بیان کیے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاوہ رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی اصل کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کے بعد میں تغیر و تبدل ہے لہذا مناسب ہوا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جادو سے اور اس کی ممانعت سے نہیں۔ تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاشیا داڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں۔ یوپی میں

تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے پنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچ سو بار کلمہ پڑھ کر بخشے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لیے ساڑھے بارہ سیر چنے مقعب کیے گئے ہیں کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں یہ محض شمار کے لیے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گھٹیاں یا لنگریاں جمع کی جائیں تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ لنگریاں جمع کرنا پھرے اس لیے چنے اختیار کر لیے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بھنے ہوئے اس لیے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے گھوٹل کا دار بنادیں گے۔ اس میں بے حرمی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجادیں گے۔

اعتراف ۳۴) فاتحہ وغیرہ میں ہندو سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیروہیں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ ناجائز منع ہے۔

جواب: کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بدی باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ وہوتی، چوٹی، زنار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آب زمزم مکہ معظمہ سے لاتے ہیں ہندو بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا۔ مالا لاکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے۔ کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی باب مکرویات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کیے جاویں وہ منع ہیں۔ فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعین میں ہے۔

اعتراف ۳۵) اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہے جس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کہ لہذا اولہ رگوں پر وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کہ وہ جب چوڑا خانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب:۔ نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے

وکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ نہ کہ کمرچ بٹھانے پر کہ وہ نمس اور ناقض وضو ہے۔ اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے۔ دفن کے بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لیے دعا کرنا۔ ایصال ثواب کو ناجائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کے پاس میچہ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو دھکے میں کیونکر بھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل سے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں۔ حوالہ فقہین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازہ فصل ثانی میں ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاخْلُصُوا لَهُ الدُّعَاءَ | جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کیلئے خالص دعا۔

فت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لیے دعا مانگو وہ فت کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور تَخْلُصُوا اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیے نہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے۔ اور تَخْلُصُوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے خَاذَاطْعِيْنَحْمُ فَاَنْتَشِرْ ذَا مِیْن کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور اِذَا اَقْبَضْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاَغْسِلُوْا رُجُوْهُمُ مِیْن نَّازِکِے لَیْسَ اُتْمَنَّا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ الی سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو اور دعا کے بعد ہی ہوا اور فت سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے

قَرَّهَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِغَايَةِ الْكَثَابِ | حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی۔

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے : واحتمال وارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ الان متعارف است ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو مگر آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوۃ الجنائزہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اشار میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فَتَشَلَّ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَعَا لَهُ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُ ذَلَّهٗ لِسِ اِنْ بِرِجَازِہٖ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے دائرے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ موابب الذنیۃ جلد دوم القسم الثانی فیما اخبر من الغیوب میں یہ ہی واقعہ نقل فرمایا کہ اِثْمَ قَالَ اِسْتَغْفِرُ ذَلَّهٗ اِی طَرَحَ عَبْدُ اللَّهِ اِنْ رَاحِہٖ رَاحِہٖ بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جاتے ہے۔ منتخب کنز العمال کتاب الجنائز میں ابواسم جبری کی روایت ہے۔

میں نے ابن ابی ادنیٰ کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازہ پر نماز کے بعد دعا کی

تبرکیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی

قَالَ رَوَيْتُ ابْنَ اَبِي اَدْنٰی وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَةِ مَا تَابَ اِسْتَشْفَا اِلٰی اَنْ قَالَ ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذَلِكَ فَدَسَّ مَکْبَرَتَيْنِ التَّكْبِيرَ تَيْنِ وَقَالَ رَوَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصْنَعُ هَكَذَا۔

بہیقی میں ہے وَعَنِ الْمُسْتَظْلِ بْنِ حَصِينٍ اَنَّ عَلِيًّا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ بَعْدَ مَا صَلَّى عَلَيْهِ مَرَّةً اُخْرٰی ہر دو مرتبہ الکراری میں ہے۔

يَقُولُ هَكَذَا اَكْلَمًا كَبَّرُوْا اِذَا كَانَ التَّكْبِيرُ الْاٰخِرَ قَالَ

مِثْلُ ذَلِكَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ۔ طرح کے پھر کے اللهم صل على محمد۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف العظام میں ہے "فاتحہ دو بار اترے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمر کہ کذا فی خلاصۃ الفتح "میت کے لیٹے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔

بسوط شمس الانوار سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۶ باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

إِنْ سَبَقْتُمْوُفِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ ذَلَا
أَلَمْ يَنْصَرِفْوُفِي بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ ذَلَا
اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے
اگے نہ پڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو۔

اسی بسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیت میں ابن عمر و عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ مفتاح الصلاة صفحہ ۱۱۲ مصنف مولانا فتح محمد صاحب بریل پوری میں ہے "چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صلح دیگر فاتحہ بقرا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرا آمن الرسول طرف بائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث بعد از دفن واقع شدہ ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است و جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صلح آدمی سورہ بقرہ کا شروع رکوع مفلحون تک جنازے کے سر ہانے اور سورہ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول میت کے بائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر

ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زاد الاخرت میں نہ فائق شرح کنز الدقائق اور سحر ذخائر سے نقل فرمایا بعد از سلام بخواند اللَّهُمَّ لَا تَحْزَمْنَا أَجْرَهُ
وَلَا تَقْبَلْنَا بَعْدَهُ وَاعْظِمْنَا دَلَّتْ۔

طحاوی میں ہے۔ دَانَ أَبَا حَنِيفَةَ أَمَّا مَاتَ
فَعُتِمَ عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ۔
جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو
ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔

کشف الغم فتاویٰ مالگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ دَعَى بَعْدَ الدَّفْنِ أَوْ لِي
مِنْهَا قَبْلَهُ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور مالگیری نے

یہ بھی فرمایا **هَذَا إِذَا دُعِيَ مِنْهُ خَيْرٌ مِمَّا يَدْعُو إِلَيْكَ مِمَّا يَدْعُو إِلَيْكَ** یہ جب ہے جبکہ ان درٹا میں سخت گھبرائے نہ ہو ورنہ تعزیت و دفن سے پہلے کی جاوے۔ حسن ظن یہ میں ہے۔

وَيُحْيِي بَعْدَ الدَّفْنِ أَدْوَىٰ مِنْهَا قَبْلَهُ | دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل میزان کبریٰ مستند امام شریعی میں ہے۔
قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَالتَّوْبَةُ إِلَى اللَّهِ تَعْرِيفُهُ مَسْئَلُ الدَّفْنِ لَا بَعْدَهُ إِلَّا تَبَيُّنًا لِّلْأَخْبَرِ لِيَكُونَ قَبْلَ الدَّفْنِ فَيُعْرَضَ وَيَدْعُو لَهُ۔
 امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے نہ کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج و غم سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے نواہ نماز سے بھی پہلے جو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مستحب ہے اور تعزیت میں میت دسماندگان کے لئے دعا لے اور صبر جمیل تو ہوتی ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے کہ میت کو سامنے رکھا گیا ہے اور اس میں رکوع سجدہ التیمات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہوا جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور ہما مت مسنون۔ اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد دعا مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ آتَى الدُّعَاءُ أَصْحَابُ | حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخرات کے درمیان جہنمیں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض **الْمَكْتُوبَاتِ**۔

نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ **الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ** اسی جگہ یہ بھی ہے۔ **الدُّعَاءُ مَعَ الْعِبَادَةِ** دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت ہے دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کا پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے سراسر؟ نماز جنازہ بھی کوئی جاوے ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا ایصال ثواب

کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا آثار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض (۱) وہ ہی پڑانا یا دیکھا ہوا۔ سن کر یہ دعا بدعت ہے اور بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

جواب: یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہار نے اس کی اجازت دی۔ جب کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض (۲) نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب: یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استسارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعا کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اَلَّذِیْذُ الدُّعَاۃُ دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اور ولی نے پڑھ لی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مبارک و دشنبہ کو جو اور دفن شریف چہار شنبہ کو رشامی کتاب الصلوۃ باب الامامت، اور ان دو روز میں لوگ جماعت جماعت آتے ہے نماز جنازہ ادا کرتے ہیں کہ اب ایک صدیق کبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق سید نماز پڑھتی۔ اب تاقیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ نہ علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب: المواتۃ الجنائزہ بحث زمین حق بالامامت) اب لو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ دعا مانگنی۔ یہ

دوبارہ نماز کی کسی وجہ سے ہو رہی ہیں ؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کسے کہہ نہ سکے کہ بعد پانی نہ پو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا۔

اعترض ۱۳ چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر جوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔
جواب ۱۔ یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو ہر حال منع کرتے ہیں۔

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع در نہ نہیں۔ تو بناؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں۔ کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل بخارج ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ سے جائے اور غسل کا کام آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور نور اچھینک کر آبادیں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے سے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔ خواہ بعد نماز کے سے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں ؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لئے ہے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف و روشنہ کو اور دفن چہار شبہ کو بڑا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ السَّعَةِ بَاقِيَةٌ إِلَى الْآنِ لَمْ يَدْخُلْ
حَقِيقَةُ حَتَّى يُوَلَّى عَمْرُكَ۔
یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جانا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دینا پڑے کہ سلام پھیر سکتا ہے۔ اس آیت نماز کے بعد فوراً فاش اٹھال جائے تو یہ شخص دعا پورہ کرنا۔ ہاں اگر اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ بعد دعا بعد نماز میں مسنون نمازیوں

کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے بیٹے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس بیٹے کو دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کرے۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شریک ہے کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراف (۴) نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ جامع الزیورین ہے۔

لَا يَقُومُ دَاعِيًا لَهُ۔

نماز کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا رہے۔

نماز جنازے کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا رہے۔

فخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لَا يَقُومُ

بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

عالمگیری میں ہے لَا يَدْعُو بَعْدَهُ فِي ظَهْرِ الْمَذْهَبِ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

نماز جنازہ کے بعد میت کے بیٹے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کر چکے مشابہ ہے۔

وَلَا يَدْعُو بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

لَا تَقْبَلُ الشَّيْءَ الَّتِي يَدْعُو فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شور بعد از نماز ہوتے دعا یا نماز کے بعد دعا کے بیٹے کھڑا نہ رہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

جامع الزیورین ہے وَلَا يَقُومُ يَدْعُو بَعْدَهُ

صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ الَّتِي يَدْعُو۔

ابن حامد سے مروی ہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ مُكْرَهٌُ۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

جامع الزیورین ہے وَلَا يَقُومُ يَدْعُو بَعْدَهُ

صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يَشْبَهُ الَّتِي يَدْعُو۔

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب ۲۔ اس اعتراف کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس

دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ جو تھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعا میں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی بیٹے نماز جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔

تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحقیقت نماز دعا کی جادے کر دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جادے تو بلا کر امت جائز ہے یہ وجہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارات آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال امارت مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و فعل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف العظار کی عبارات میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے لَا تَقْطَعُ يَسْتَبِيحُ التَّيَادُّعَ يَزِيدُ فِيهِ زِيَادَتِي کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادت کا دھوکا ہو۔ وہ یہ بھی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صرف تھوڑی یا بیٹھ گئے تو جرح نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوں توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن، تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع میں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ مانگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةُ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ | چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔
یعنی نماز جنازہ میں پہلی تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاتا ہے۔
جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ مبالغہ۔ کفایہ غنایہ میں ہے۔ لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ ابو بکر ابن مائد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قید کی عبارت ہے مگر قید غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المظنی میں ہے کہ صاحب قید ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں فرماتے ہیں۔ اَذْ لِنَقْلِ الْأَقْوَالِ الضَّعِيفَةِ فِيهَا كَالْقَبِيلَةِ لِلتَّاهِدِ تِي فَلَا يَجُوزُ إِلَّا دُعَاءٌ مِنْ هَذَا۔ علی حضرت قدس سرہ نے بدل الجواہر میں فرمایا کہ قید والا معتزل بریلو ہے اور اگر قید کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر و حقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبر وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے قاتحہ وغیرہ پر مٹی ہاسکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ دلوں میں پختہ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبر وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ مستحب صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبر بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گونا گونا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس سبب ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبروں کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنادینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کریمیت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا۔ سچے لفظ کے اندر بیرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں کوڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سینٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ کوڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء و مشائخ کے لئے جائز ہے۔

سچے لفظ کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چوڑی اونچا کر کے اس پر تعویذ لکھ کر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

سچے لفظ کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہار و

علماء کی قبروں پر جائزہ۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابو داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سر پر لے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اَعْلَمُوْا بِهَا قَبْرُ اَخِيْ وَادْفِنُوْا اَيْتِهٖ مِنْ مَّامَتٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِیْ مِمَّنْ اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الحجر علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت فاروق فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے اَنْ اَشْهَدَ نَا دُشِیْئَہُ الْکَذِبِ وَیَثْبُتُ دُفْنُ عُثْمَانَ ہم میں بڑا کوڑے والا وہ تھا جو کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کو بھلا کر جاتا۔

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سر پر لے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایت اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سر پر لے پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے عینہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سر پر لے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لیے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے چمٹہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے وہ منسلک محل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندر دفن جگہ میں چاروں طرف مٹی سے لکھلکھ کر دو دو دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن میت اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کبف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔ قَالِیْ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِهِمْ لَنَنْخِذَنَّ مِنْهَا لَیْلًا مِّنْ دُوْنِ مَا کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اور اسے کہ از چشم مردم پوشیدہ شو مدعی لا یعلم احد البیان میں اس آیت میں بُنِیَانًا کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوار سے کہ از چشم مردم پوشیدہ شو مدعی لا یعلم احد رَبُّیْہُمْ وَتَكُوْنُ تَحْفُوْظَہُ مِنْ نَّظَرِ النَّاسِ کَمَا حَفِظْتَ نُوْبَتُ سُرَّسُوْلِ اللّٰہِ بِالْحَفِیْظَہُ یعنی

انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بنا دو جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ رہو جاویں جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے مگر یہ بات نامنظور ہوتی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تفسیر روح البیاء میں ہے یُصَلَّى فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَيَتَوَكَّلُونَ بِهَا كُنُفُهُمْ۔ لوگ اس میں ہزار پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ آج کل کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبر اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل سبب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شَرَعَ قَبْلُنَا يُكْرَهُ نَا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھجادی۔ پھر ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار وار المستطیع حضرت سید محمود، دوسری فصل فیما يتعلق بالبحرۃ الغنیۃ میں ہے عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَابْنِ زَيْنَارٍ وَعُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَرِيحَةَ قَالَ لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ كَانَ أَقْوَلُ مِنْ بَنِي عَدْنٍ عَلَيْهِ جِدَارُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ ابْنِ أَبِي زَيْدٍ كَانَ جِدَارُهُ قَصِيرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ الزُّبَيْرِ ثُمَّ قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ لَمَّا أَدْخَلَ يَسُوتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُائِمًا غُلَامٌ مَرَاهِقٌ أَوْ نَالَ الشَّقِيقَ يَدِي وَكَانَ يَكُلُ بَيْتَ خُجْرَةٍ وَكَانَتْ خُجْرَةُ مِنْ الْكُعْبَةِ مِنْ سَعِيرٍ مَذْبُوحَةٍ فِي خَشَبٍ عَنْ عَمْرٍو۔ ترجمہ وہ جی جو کہ اوپر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب مَلَجَاؤُنِي فِي دُبُرِ النَّبِيِّ وَآلِي بَكْرَةَ عُمَرَ میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبد الملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو اَخَذُوا دِائِي يَسَارِيهِ صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے قَبَضَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَرَّ عَمَّا وَطَّئُوا اَنتَهَا قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى قَالَ لَهُمْ عَمْرُوَةُ لَا وَاللَّهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَاهِقٌ اَوْ كَقَدَمِ عُمَرَ

ایک قدم غائب ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔

حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔

مذہب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ سلسلہ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں مندر کی گزشتہ کی حالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور سلسلہ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نقش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خراب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کر دیا اور روزہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سلسلہ لگا کر اس کو بھر دیا پھر سلسلہ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز حباب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ منظرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روزہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

حَدَّثَنَا إِمْرَأَتُهُ الْفَيْثَةُ عَنْ قَبْرِهَا سَنَةَ ۱ | تَوَانُ كِي بِيْرِي نَعْنِي اَنْ كِي قَبْرِ اِيْكَ سَالِ تَمْتِ ذَلَعِي۔

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر عبادوں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہار محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۲ پارہ ۱ ازیر آیت اَلْمَا كَعَمْرُ مَسْجِدِ اللّٰهِ مَنَ اَمَنَ بِاللّٰهِ مِیْنِ ہے۔

علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

قَبْنَاءُ قَبْنَابِ عَلٰی قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَ اَلْاَدْبَاءِ وَ الصُّلَحَاءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيْمِ فِيْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحْسَبُوْهُ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں۔

قَدْ اَبَاحَ الشَّافِعِيُّ عَلٰی قُبُوْرِ الْمَشَاطِعِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُوْرِيْنَ لِیُرُوْهُمُ

النَّاسُ وَيَسْتَرْجِعُوا إِلَى الْجُلُوسِ -

اور ہاں میٹھ کو آرام پائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

در آئین زمان بحسب اقتضای نظر عوام بنظایر مصلحت و تعمیر و
ترتیب مشاہد و مقایر مثلث و عظمه دیدہ چیز با افزودن
آنجا حبیبیت و شوکت اہل اسلام اہل صلاح پیدا آید خصوصاً
در دیار پن کہ اعلیٰ سنی از ہندو کہ فارسیار اند و ترتیب
و اعلام نشان این مقامات باعث عجب و انقیاد ایشان
است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف
الزکویات بودہ اند و در آئین زمان از مستغنیات گشتہ

آخِر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر میں رہ گئے ہیں لہذا مشائخ اور صلحا کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو مخاصکہ ہندوستان میں کہ یہاں سہو اور کفار بہت و دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلیٰ شان کفار کے لعب اور اطاعت کا زریعہ ہے اور بہت کھام میلہ کر رہے تھے اور آخر زمان میں مستحب ہو گئے۔

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

وَقِيلَ لَا يَخْلَعُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمَيِّتُ
مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ -

کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لَا يَزِفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ
قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے بعض لوگ
کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور مختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لیے یہ قول ضعیف ہے لیکن
یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں
قیل سے۔ ہاں منقول میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذانِ قبر کے بیان میں رکھو۔

طوطاوی علی مرقی الفلاح - فقو ۳۳۵ میں ہے ۔

وَقَدْ اِعْتَادَ اَهْلُ الْمِصْرِ وَصَحَّ الْاَنْجَارُ حِفْظًا
لِلْقُبُورِ عَنِ الْاَسْنَادِ وَالنَّبْيِ وَلَا
بَأْسَ بِهِ وَفِي الدُّمْرِ وَلَا يَحْضَرُ وَلَا يَطِينُ
وَلَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَتَبِيلُ رَأْسِهِ هُوَ الْعَتَا

مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں ۔ تاکہ وہ ہشتے اٹھرنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گھونٹنے کی جادو سے کھٹکھٹکی جادو سے نہ اس پر شرارت بنائی جادو سے اور کہا گیا ہے کہ جہانزبے ادیب ہی مختار ہے

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنازۃ میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ أَنَّ الْقَبْرَ
لَا يُبْنَى وَلَا يُجَصِّصُ مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ
يَعْنِي ذَلِكَ قَالَ الْأَوَّلُ مُشَدَّدُ الثَّانِي
مُخَفَّفٌ -

اسی سے ہے دیگر اماموں کا کہنا کہ قبر میں عمارت
بنانی جاوے اور نہ اس کو گہری جاوے باوجودیکہ امام
ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے
پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی

اب تو رجسٹری ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ
وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک
سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء و علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی یہاں تھی ہے کہ یہ جائزہ ہر چند
وجہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچھ قبروں کا عوام کی نگاہ میں مذہب ہوتا ہے نہ احترام اور
نہ زیادہ فائز خوان نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ قبروں سے اس کو دیکھتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو محترم دیکھتے ہیں غلات
وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچکر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو
باقی اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی بعد موت کیساں اور
چاہیے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکرامیت اور اشعة اللمعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر
کو چرمنہ جائز ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھتی جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی
میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بعد زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ
کو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی۔ اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا اندیشہ ہے لہذا کم از کم مستحب
ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارت میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان
کو پہچان کر لوگ اس سے ناگزیر اٹھائیں۔ علماء کو چاہیے کہ اپنی دضع قطع لباس صورت اہل علم کا سارکھیں
تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیے کہ علماء و مشائخ کے قبور عام قبروں سے
ممتاز ہیں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابلہ اولیاء اللہ شعائر اللہ میں جیسا کہ
جہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن
سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہیے۔ ادب کے برابر ملک اور بر زبان میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں
جو طریقہ بھی ادب کا خلعت اس دم نہ بیوہ جائزہ سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں تھا۔ (تذکرہ)

اور چہرے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کبھی مٹی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی مٹی کی طرح
کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار و فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے
اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

در غمناک کتاب الکرامیت فصل فی البیع میں ہے۔ وَجَاءَتْ تَحْلِيَةُ الْمُصَصِّفِ لِمَا يَنْبَغِي مِنْ تَعْظِيمِهِ
کہا فی تَعْظِيمِ الْمُسْتَحْدِ اس کے ماتحت شامی میں ہے اُنْیَ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ یعنی قرآن کریم کو چاندی
سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ
کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور کورح اور اعراب سے ظالی رکھو لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت
ورہش ہوئی۔ یہ تمام کارباز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وَمَا رَوَى عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ جَرَّدَ الْقُرْآنَ
لَكَانَ فِي مَرِّ مِهْمَةٍ كَثْرَةً مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ
یَا خَلِيفَ الْمَرْءِ مَا لَكَ وَالْمَكَانِ -
ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب
وغیرہ سے ظالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت
سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔

اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حامل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم مونا ہو۔ حرف
کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لیے اسی طرح یہ بھی ہے
اول زمانہ میں تعظیم قرآن و اذان و اقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث دفعہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً
کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو بختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پتھر
مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ تب
جواب سلام دیا دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام
نے فرمایا۔ اِذَا الْمَرْءُ بَارَكَ لِلْعَبْدِ فِي مَالِهِ جَعَلَهُ فِي الْمَاءِ وَالْطَّلِينِ جب بندے کے مال میں بے کتنی
ہوتی ہے تو اس کو ایسٹ گاسے میں غرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں
پتھر مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرت اولیاء اللہ کی قبروں کے پتھر کرنے یا ان پر
قبر بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پتھر بناتے ہیں اَقْوَمُ مَقَوِّدٌ يَبْغِضُ الْكِتَابَ
وَيَكْفُرُ ذَاتَ يَبْغِضُ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے۔ چوتھے اس لیے کہ اولیاء
اللہ کی مقام پر پتھر ہونا۔ ان پر عمارت قائم ہونا، تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ امیر شریف وغیرہ ان دیکھا

گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقات پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں و خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کھتی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جمایتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں بچتے ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اسکے حدود معلوم رہیں۔ میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کھتی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں بچتے قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو موسیٰ بچتے قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفیدہ زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک بچتے قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کھتی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گیا کیونکہ اس قبرستان کے حدود بچتے قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے تہہ لگا کر اب ہندوستان میں کچھ قبریں بچتے ضرور ہزانی چاہئیں کیونکہ یہ بفار وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے بیٹے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۷۰ء کے اجازات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالا کوٹ میں واقع ہے نکتہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد غیر تعمیر کیا جاوے گا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۷۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۰ لاکھ روپیہ خرچ ہو گا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ میں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑاتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت

و مبارک باد کے تارہ بنے تھے کہ اس نے صحابہ اہل بیت کی قبریں لکھ کر دیں آج کا مہ اعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد سے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبان مذہب اور علمی مذہب کچھ اور ہے۔ پلوتام اور کوہا جو جبرہری۔ بہر حال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ہر دایت مسلم ہے۔
 تَهْلِي سَمَوْلَ اللّٰهُ حَلَّهٗ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 اَنْ يَّحْضَرَ الْقَبْرُ سَرَّ دَا نَ يَتَّبِعِي عَلَيْهِ دَا نَ
 يَفْعَدُ عَلَيْهِ۔
 حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گنج کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ یَكْفُرُ الْاِيْمَانُ عَلَى الْقَبْرِ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو بچختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب:۔ قبر کو بچختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو بچختہ کیا جاوے۔ اسی بے حدیث میں فرمایا گیا۔ اَنْ يَّحْضَرَ الْقَبْرُ رِيْءَ فَرَمَا يَکُوْنُ عَلَى الْقَبْرِ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبر بچختہ کی جاوے کیونکہ گریبے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوتے کہ قبر کو بچختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلف یا فخر کے لئے بچختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی دل اند کی قبر بچختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر بچختہ پتھر کی بنائی عیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی اَنْ يَّحْضَرَ الْقَبْرُ کے ماتحت ہے لَمَّا بَيَّنَّهٖ مِنَ الزَّيْنَةِ وَالتَّكْلِيفِ کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے اَنْ يَّتَّبِعِي عَلَيْهِ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اول تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَيَكْفُرُ الزَّيَادَةُ عَلَيْهِ لِمَا فِي الْمُسْلِمَةِ۔ | قبر کو ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے۔

نَحْنُ تَرْثُوهُ اللَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ يَحْضُرْ
الْقَبْرَ دَانَ يَبْنِي عَلَيْهِ -

کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو عتق کر لیا
اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔

درمختار اسی باب میں ہے وَتَكُنْ فِيهِ الرِّيَاضَةُ عَلَيْهِ مِنَ الْقُرَابِ كَأَنَّهَا سَبْعُونَ أَلْفًا وَتَبْنِي قَبْرَ رَسُولِ اللَّهِ
کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار
میں آباد ہے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے ارد گرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم
عامۃ المسلمین کی قبروں کے لیے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ
مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔ اَللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ
قَبْرِي حِجْرًا وَتَبْنِي عَلَيْهِ قَبْرَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ
الْسَّلَامُ وَتَجْعَلْهُ مَسْجِدًا لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ -

اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پر جا کی
جگہ سے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس
نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث
سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جگہ سے۔ یا
کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف مسجد کیا جگہ سے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں
فرماتے ہیں۔

قَالَ الْإِسْطِثْوَ حَىٰ كَمَا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى
يَتَجَدَّدُونَ لِقَبْرِ رَسُولِ الْإِنْبِيَاءِ تَعْظِيمًا لِّشَأْنِهِمْ
وَيَجْعَلُونَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُونَ فِي الصَّلَاةِ
فَيُحْيَوْنَهَا وَتَحْدُ دَاهَا أَوْ تَأْتِيَانَا لَعَنَهُمْ وَ مَنَعَ
الْمُسْلِمُونَ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ -

بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی
قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس
کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبر کو انہوں نے
بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے
لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر
کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے
کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ چنے کے مکانات کو بچتر کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں
یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا قائمہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ یہ
غلط خیال ہے اور اگر دائرہ میں کی آسائش کے لیے عمارت بنائی جگہ سے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ تو جہیں اس لئے کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارت بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروقؓ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبر ڈالا جس کو ہم عمارت شکوہ باب الیکاد سے نقل کر چکے۔ زہیر حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت علامہ قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکار میں فرماتے ہیں۔ اَنْفَلَّهِمْ اَنْفَ الْاَجْمَاعِ الْاَحْبَابِ لِلَّذِي كَرِهَ الْقَبْرَ اِنَّهُ دَخَّضُوْهُ بِالْاَحْطَابِ بِالسَّعْفِ اَمَّا حَمَلٌ وَفِيْهَا عَلٰى لَعْنَتِ الْمَكْرُوْهِ فَعِيْرٌ لَا يُبْنٰى لِصَنِيعِ اَهْلِ النَّبِیِّ۔

فدلیہ یہ ہے کہ یہ قبر دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تاکہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ابن زبیر کے اس کام کو بعض بے فائدہ بنانا جو کہ وہ ہے یہ اہل بیت کی شان خلاف ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ فائدہ عمارت بنانا منع اور زائریں کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبر بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنفیہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر بنایا۔ متفقے شرح موطا امام مالک میں ابو عبدہ سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دَضَرَبَهُ عُمَرُ عَلَى قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ وَضَرَبَهُ عَائِشَةُ عَلَى قَبْرِ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ اَبِيْ مَبْسُ وَزَيْنَبُ كَرِهَتْ لِمَنْ ضَرَبَهُ عَلَى دَحْجِ السَّمْعَةِ وَالْمِبَاهَةِ۔

حضرت عمر نے زینب بنت جحش کی قبر پر قبر بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قبر بنایا محمد ابن حنفیہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبر بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبر بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے کہا جو کہ اس کو فخر دیا کہ اسے اپنے بنائے۔

بائع الصنائع جلد اول صفحہ ۲۲۰ میں ہے۔

نُودِيْ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَّمَّا مَاتَ بِالْمَدَائِنِ صَلَّى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَهُ مَسْطَحًا وَضَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا۔

جسکے طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر چھلوانی بنائی اور قبر پر قبر بنایا۔

علیٰ شرح بخاری میں ہے ضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ مَبْسُ۔ ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض

نہ کیا۔ لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنی ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں۔ جو قبر کا انتظام رکھتے کھڑے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظر اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اعتراف ۱۲ مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔

وَعَنْ أَبِي هِنَاجَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَمِّي
أَلَا أَعْلَمُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
أَنْ لَا تَدْعُوَ يَمَانًا إِلَّا أَطْمَئِنَّتَهُ وَكَأَقْبَرًا مُقَرَّرًا
الْأَسْوَيْنَةَ۔

ابو سیاج اسدی مروی ہے کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر بھیجوں جس پر مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھو نہ لگو نہ ٹاؤ اور نہ کوئی اونچی قبر گراس کو برابر کر دو۔

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجریۃ علی القبر میں ہے۔

وَرَوَى ابْنُ عَسَّامٍ عَنْ شَطَا عَنْ قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ
فَقَالَ إِنَّهُ يَأْخُذُ بِمَا نَأْمُرُ بِأَطْلَعَهُ عَلَيْهِ۔

ابن عسّام نے عبد الرحمن کی قبر پر قبیرہ دیکھا پس اپنے فرمایا کہ روکے اسکو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر ایسے عمل سایہ کر رہے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبور اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے۔

نوٹ ضروری۔ اس حدیث کو آذربائیکا بغدادی و دہلیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہوا کر دیا۔

جواب۔ جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمان کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لیے بھیجتا ہوں۔ جس کے لیے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ بزرگ ابی کے رفیق یہ حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کو بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت جس قدر قبور مسلمان تھیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ

کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ نابھہ بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ یاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف ص ۱۱۱ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

أَمَّا النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقْبُورُ
الْمُشْرِكِينَ فَنُجِشَتْ۔

حنوفیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا مکرم یا پس
الکھیرودی گئیں۔

بخاری شریف جلد اول ص ۱۱۱ میں ایک باب بالذہاب ہنّٰی یُنْبِتُ قُبُورَ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیرودی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۲۱۱ میں فرماتے ہیں۔

أَنَّ دُونَ غَيْرِهَا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ
وَأَتْبَاعِهِمْ لَهَا فِي ذَلِكَ إِهْلَاقٌ لَهُمْ۔

یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی
قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں وَفِي الْحَدِيثِ جَوَازُ
تَصْرِيفِ فِي الْمَغِيرَةِ الْمَمْلُوكَةِ وَجَوَازُ بَنِي
قُبُورِ النَّاسِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُحَرَّمَةً۔

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک
میں آگیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی
قبریں اکھڑی جاویں بشرطیکہ محترم نہ ہوں۔

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لیے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لیے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھڑا دیں اور ان کے فرزند محمد بن حنفیہ اسے عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھڑا سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناد مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا ساڑھا چھاپا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکرامیت۔ مگر عجیب چھپ گیا تو اس کو پھینکو رد جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے اص حدیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا دھل پاخانہ کرنا۔ دھل جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس سے چلنا پھرنا منع ہے گرافٹوں سے کہ نجدی نے معالجہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب

جہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْتُلُونَ
أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَذَرُونَهُمْ أَهْلَ الْكَافِرَاتِ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلالا معض بے ہوا ہے وہ تو خود فرما ہے میں کو میت پر اعمال کا سایہ کافی
ہے میں سے معلوم ہوا اگر میت پر سایہ کرنے کے لیے قبر بنایا تو منع ہے۔ زائرین کے آرام کے لیے
بنایا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَبِهِ يَأْتِي سَرَّةُ الْإِنِّي أَنَّ هَذِهِ الْفَسْطَاطِ
لِغُرَضٍ صَحِيحٍ كَالْتَّسْوِ مِنْ الشَّيْءِ مَشْرُ
لِلْأَحْيَاءِ وَلَا لِإِضْلَالِ الْمَيِّتِ جَاءَتْ -
اور اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لیے خیر لگانا
جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے نہ کہ
میت کو سایہ کرنے کے لیے جائز ہے۔

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دھوپ کے وقت ایک گھنٹہ کے لیے سیالکوٹ گیا۔
بہت شوق تھا کہ ملا عبدالمکرم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حاشیہ دیکھنے
کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا قبر پر کوئی سا نشان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بالکل تمام چند آیات
پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹا پڑا۔ جذ بہ دل دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر مسمارت
بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِذْ قَامَا يُعَظِّمُونَكَ فَقَتَلْتَ الشَّيْءَ ہے
کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ نہ کہ آجکل لوگ ادبیات اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں
کو گرائیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے درندہ اپنی قبروں کو گرنے
سے بچا لیتے۔

فَأَعْلَمَ أَنَّ هَذَا الصَّبِيْعَ كَفَرٌ صَدَاحٌ
مَأْخُذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى
وَلَيْدَمُ رَبِّي أَنِّي أَخَانْتُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ
أَوْ يُظَاهِرَ فِي الْكَافِرَاتِ الْفَسَادِ -
تو جان لکہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس
قول سے ماخوذ ہے کہ چھڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل
کروں وہ اپنے خدا کو بلا سے میں خوف کرتا ہوں کہ
تمہارا دل بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلادے گا۔

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی دہاویوں سے اپنی
قبروں کو کیوں نہ بچایا یہ معلوم ہوا کہ یہ محض مرد سے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور
علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو سال تک نہ تھے اور اعدائے نبوت میں ہے کہ قریب قیامت ایک

شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ مہربانو
 کر دی گئیں تو اگر مہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بھالیا
 ادبیار اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مسند
 اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کو صفا پر وغیرہ وغیرہ

۱۳۲ بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا۔ چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا
 فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا ادبیار علماء صلح
 کی تدبیر پر جائز عوام مسلمین کی قبر پر تا جائز کہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے
 عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز ہے اور ادبیار اللہ کی قبر پر صاحب مزار
 کی عظمت شان کے اظہار کے لیے بھی جائز ہے ضرورت میں تین ہیں یا تو رات میں مروجے کو دفن کرنا ہے
 روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے ہے تو اس پر اس لیے چراغ جلا دینا کہ کسی
 کو ٹھکر نہ لگے یا کوئی غریب یا کرنا تو پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں
 کچھ قرآن وغیرہ بیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو
 چراغ جلانا فضول مزحیٰ اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات ادبیار اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی
 نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لیے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلائے یا چند ان تینوں باتوں کا محافظین انکار
 کرتے ہیں۔ اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے
 باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مرادات شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ يُعْظِرْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر جگہ ہر جگہ میں اور ہر زمانہ میں جو بھی جہاد تعظیم مردج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا۔ چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں پوکہ نہ لگے گی ہے اس لیے وہ تسبیح و تہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ باب آداب العزاء فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی پھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چٹل کیا کرتا تھا ثُمَّ أَخَذَ جَرِيَّةً رُحِمَةً تَشَقُّهُنِ نَضْفِيْنِ ثُمَّ غَرَزَنِي كُلَّ مَبْرَأٍ وَاحِدَةً قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَا عَذَّبَ هَذَانِ فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يَخْفَفَ مِنْهُمَا مَا كُنَّا نَنْسِيَا اس کی شرح میں امام نوردی فرماتے ہیں۔

وَقِيلَ إِنَّهُمَا يُسْقَوْنَ مَا كَانَا نَسْخَبُ عَلَيْهِنِ وَاسْتَحَبَّ الْعُلَمَاءُ قِرْعَةَ الْقُرْآنِ عِنْدَ الْقَبْرِ بِهَذِهِ التَّحْدِيثِ إِذْ يَلْزِمُ الْقُرْآنُ أَوْلَى بِالْمُتَعَبِّفِ مِنْ تَسْبِيحِ الْحَرِيِّ۔

شعائر المعاصی میں اس جہاد کے باعث ہے جسک کنند جماعت بہ اس حدیث درلذا حقن سبز و گل ریحان بہ قبر۔ اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر بزمی پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز میں۔ مرقات میں اس حدیث کی شرح میں ہے۔ وَمِنْ ثَمَرَاتِ آدَمِي بَعْضُ الْأَكْمَةِ مِنْ مَتَاخِرَتِي

أَصْحَابِيَا إِنَّ مَا عَتَيْدَا مِنْ وَضْعِ الرِّجَالِ وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ لِهَذَا الْعَدِيدِ وَقَدْ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ أَنَّ سَيِّدَ ابْنِ الْخَضِيبِ الْقَحَايَ أَذْهَبَ أَنَّ يُجْعَلُ فِي قَبْرِهِ جَرِيدٌ تَأْكُلُ مِنْهُ أَوْ كَمِثْلِهِ
ترجمہ: انا سنت ہے۔ طحاوی علی مرقی الفلاح صفحہ ۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ أَذْهَبَ بَعْضُ الْأَشْيَةِ مِنْ مَنَاقِرِي
أَصْحَابِيَا إِنَّ مَا عَتَيْدَا مِنْ وَضْعِ الرِّجَالِ
وَالْجَرِيدِ سُنَّةٌ لِهَذَا الْعَدِيدِ
ہمارے بعض مناخرین اصحاب نے اس حدیث کی
وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبودار پھول پر دھانے کی
جو عادت ہے وہ سنت ہے۔

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض علماء اس کو جائز
کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے
مالگیری کتاب الکرامت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے۔ وَضْعُ الْوُجُوْدِ وَالرِّجَالِ فِي الْقُبُورِ
حَسَنٌ قَبْرٌ بَرِّعُولٍ وَخُشْبُورٍ كَمَا أَجَابَ۔ شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں
پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے
قبروں پر اس کی شانیں وغیرہ پر دھانے کو بھی
قیاس کیا جاسکے گا۔ جس کا ہمارے زمانہ میں رواج
کی مذاب کی علت ہے انکا شک ہونا یعنی انکی
تسبیح کی برکت سے مذاب قبر میں کی ہوگی کیونکہ ہری
شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے
کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ مِنَ الْعَدِيدِ
شَدَبٌ وَضِعَ ذَلِكَ لِلرِّجَالِ وَيَقَامُ
عَلَيْهِ مَا عَتَيْدَا فِي مَرَاتِنَا مِنْ وَضْعِ
أَعْصَابِ الْأَسْرِ وَنَحْوِهِ۔
شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَتَعْلِيلُهُ بِاللَّحْفِ
عَنْهَا مَا لَمْ يَنْبَغِ أَنْ يَخْفَ عَنْهَا بِذِكْرِ
تَسْبِيحِهَا إِذْ هُوَ أَكْمَلُ مِنْ تَسْبِيحِ الْيَابِسِ
لِمَا فِي الْأَخْضَرِ نَوْعٌ حَيَاةٍ۔

اس حدیث اور محدثین و فقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکنا ہر
مسلمان کی قبر پر جائز ہے حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو مذاب ہو رہا تھا اور دوسرے
یہ کہ مذاب قبر کی کس سب سے تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا
کی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہوئی کیوں قید گمان ہائی، لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی
انشاء اللہ میت کو فائدہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو بجا رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے۔ کہ بارش

میں اس پر سبز گھاس مجھے اور اس کی تسبیح سے میت کے غلاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو سہرے چیزیں قبر مومن پر جارت ہے۔ مولوی انشوت علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں کا جرموں کی قبروں پر ڈالنا چاہیے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر۔ ان کے مزارات میں غلاب ہے ہی نہیں۔ سب کی پھول وغیرہ سے تحفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لیے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لیے بلندی درجات کا قاعدہ دیتے ہیں۔ دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدے لازم آتا ہے کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے دلائل تلامذت قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چاروں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں حساب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ شامی جلد ۱۰ کتاب الکرامیت باب اللہس میں ہے۔

قَالَ فِي قَتَادَى الْحَجَّةِ وَتَكَرُّهُ الشُّؤْمُ عَلَى الْقُبُورِ وَلَكِنْ نَحْنُ نَقُولُ اَلَا نَاِذَا قُضِيَ بِهِ الشَّعْطُ فِي عِيُونِ الْعَامَّةِ لَا يَحْتَقِرُ وَاصَابَ الْقَبْرِ بِلِجْلِ الشُّؤْمِ وَالْاَلَمِ لِلْعَفْلِينَ وَالْاَلَمِ لَهُمْ حَيَاتُ الْاَوْفَاكِ يَالْيَتِيَامَ -

یعنی قتادی حجاز میں ہے کہ قبروں پر غلاف پر دے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور شریع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔ وہ جائز ہے اور چارہ کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت سنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی دہلیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھا لے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لیے احترام اولیاء کے لیے ان کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ اسودہ توبہ زیر

آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَن اٰمَنَ بِاللّٰهِ ہے۔

علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلات اور علماء اور کپڑے چڑھانا جائزہ کام میں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔

قَبَاؤُ الْقَبَابِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ الْقُلُوبِ
وَدَضَعُ السُّنُوسِرِ وَالْعَصَائِمِ وَالْيَنَابِ عَلَى قُبُورِهِمْ
أَمْرٌ جَائِزٌ إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذَلِكَ التَّعْظِيمِ فِي أَغْيُنِ
الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَخْتَفِرُ صَاحِبُ هَذِهِ الْقُبْرِ۔

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر مندرجہ اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لیے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندریہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۴۹ میں ہے۔

قبروں پر چراغے جلائے عزت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا دہان کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لیے کو یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور دہان اللہ سے دعا میں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔

إِخْرَاجُ الشُّعُوبِ إِلَى الْقُبُورِ بِدَعَةٍ
أَنْتَ مَالٌ كَذَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَهَذَا أَكْثَرُ
إِذَا خَلَا عَنْ قَائِدَةٍ وَآمَأَ إِذَا كَانَ مَضْمُنُ الْقَبْرِ
مُسْتَحَبًّا أَوْ عَلَى طَرِيقٍ أَوْ كَانَ هُنَاكَ أَحَدًا جَلِيلًا
أَوْ كَانَ قَبْرَ دِينِي مَن لَّا ذَلِيلًا أَوْ عَالِمًا مِّنَ
الْحَقِيقِينَ تَعْظِيمُ الرُّوحِ إِعْلَاءُ مَا لَيْسَ أَنَّهُ
دِينِي لَيْسَ كَوَافِهِ وَيَدْعُو اللَّهَ تَعَالَى عِنْدَ
قَبْرِ حَبَابٍ لَهُمْ قَبْرًا مَرْجَائًا۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ اسرہ توبہ برآیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ میں ہے اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بقیال جلانا ان کی عظمت کیلئے چونکہ اس کا مقصد تصحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لیے تیل اور موم بھی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لیے ان کی قبر کے پاس جلالی جادیں جائز ہے اس سے منع نہ کرنا چاہیئے۔

كَذَلِكَ الْإِقَادُ الْقَنَائِلُ وَالشُّعُوبُ عِنْدَ قُبُورِ
الْأَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ وَالْإِجْلَالِ لِلْأَوْلِيَاءِ
فَالْمَقْصِدُ فِيهَا مَقْصِدٌ حَسَنٌ وَتَدْرُ
النَّيْبُ وَالشُّعُوبُ لِلْأَوْلِيَاءِ يُؤْتَدُ عِنْدَ قُبُورِهِمْ
تَعْظِيمًا لَهُمْ وَتَحَبُّةً فِيهِمْ جَائِزٌ لَا يَتَّبِعِي
الذَّهَبِيُّ عَنْهُ۔

علامہ نالین علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور میں اصحاب القبور میں بھی بالکل یہی مضمون تحریر فرمایا۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امر جائز نہیں جیسا کہ ہم گنبد کی محبت میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم و عطف کو چاہیے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبودار و منیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے کہ اس سے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی دہائیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور عظیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کا ذریعہ چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور جی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے۔ تو مقابر اولیاء پر بھی تو دیاں جی کی تختی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا بُرائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لائٹیں کے گیس جلاتے ہیں جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے مدارس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیتہ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں یقین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں سے ہار ڈالے جاتے ہیں مذیہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امر جائز نہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات ہیں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔
اعتراض ۱) حضرت علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَمُعْذِبٌ اَمْرًا اَنْ تَكْتُمُوا الْحَقَّ سِرًّا وَالْقَلٰیْمَ رَبِّ نَعَمْ

أَمَّا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَقْبَلْنَا فَتْرًا لِّقَوْلِهِ قَوْلًا مِّنْ جِهَةِ الشَّيْخِ أَوْ فِي الْمَنَاسِرَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِمَّنْ تَذَلُّ لِهَيْبَتِهِ
يَسْتَدِينُ عَيْنِي الْقَادِرِ وَيُؤْخَذُ فِي الْمَنَاسِرَةِ
جِهَةِ الشَّرْقِيِّ فَهُوَ بَاطِلٌ -

لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا میلہ میں چراغ جلانے کے لیے تیل کی نذر مانی جیسے کہ عورتیں حضورؐ غوث پاک کے لیے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی منارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے -

تادمی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالین میں لکھا ہے کہ چراغاں کروں بدعت است پیغمبر خدا بر شمع افرادان نزد قبر و مسجد کندگان لعنت گفتہ - چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور مسجد کو نیرالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں صفحہ ۱۱ پر ہے - و اما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغها و ملووس ساختن قبر بدعت ثنیہ اندہ لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو عطا پھنا یا یہ سب بدعت سیئہ ہیں -

ان عبادات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے - رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی محبت نہیں کیونکہ یہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جبکہ اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے جواب یہ بدعت ارض حقیقت میں چھو اعراضوں کا مجموعہ ہے - اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں - جوابات ملاحظہ ہوں - ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بجا نہ چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے - فائدہ کل چار یہ ہیں کہ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لیے اور چھوٹا یعنی تعظیم روح ولی مشائخ و علماء کی قبر کے لیے - اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بیفائدہ ہو - چنانچہ صاحبیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے -

وَاللَّهِ عَنِ اتِّخَاذِ الشَّرْحِ لِيَمَّا فِيهِ
مِنْ تَضْيِيعِ الْمَالِ -

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی حدیث مذکورہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں -

أَيُّ الدِّينِ يُؤْقِدُونَ الشَّرْحَ عَلَى
الْقُبُورِ عَبَثًا مِنْ غَيْرِ فَائِدَةٍ -

ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبت چراغ جلاتے ہیں -

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ لَيْلًا فَلَسِرَ بِهِ لَيْلًا سِرَاجًا -
نبی کریم ایک شب دفن میت کیلئے قرقان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلا یا گیا۔

دوم یہ کہ حدیث میں ہے - وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهِمُ الْمَسْجِدَ وَالشَّرْجَةَ حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلا میں۔ ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی و دیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر قریش مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کیلئے تو مجاز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے ملا علی کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جس سے لازم آیا کہ خود تعزید قبر پر چراغ جلا مانع ہے۔ لیکن اگر قبر کے ارد گرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہذا مجاز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ نیز حلیہ قدیہ میں علامہ ناطقی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں - الْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهِمُ اَعْنَى عَلَى الْقُبُورِ يَجْعَلُونَ فِيهَا عِصِيَّ خَاصَّ قُبُورِ كَلَامِ الْوَجْهِ اس کی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا بڑا ہے اسی لئے خاص قبریں کلامی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر کلامی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کی ممانعت آگ ہو نیکی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے نیز یہاں ایک ہی ملا علی ہے اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کیلئے تو آپ علی کے حقیقی معنی ملاو میں یعنی خاص قبر کے اوپر اور چراغ کیلئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہو گا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جگہ علی کے حقیقی معنی ہی ملاو ہیں۔ مرقات میں ملا علی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں -

فَيَسَدُ عَلَيْهِمْ وَيُفْسِدُ اَنْ اِتَّخَذَ الْمَسْجِدَ
يَجْعَلُهَا كَالْبَاسِ بِه -
ادھر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔

لفظ علی سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علی سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز
فیر سے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اَتَمَّا يَنْفَعُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَثَلِ اَمْتٍ بِاللّٰهِ ہے وَفِي الْاَحْيَاءِ اَكْثَرُ مَقَرٍّ وَفَا
هَذِهِ الْاَثَارُ مُشْكِرَاتٌ فِي عَصْرِ الْمُتَقَابَلَةِ
یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے نماز میں ناجائز تھے۔

مشکوٰۃ کتاب الامارہ باب ماعلی اولادہ میں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان مالک خیر بر سر نہ ہو اور چرائی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو الی حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے تھے -

لَا تَقْعَبُوا مَسْجِدَنَا وَلَا تَقْدَحُوا بِكُمْ الْعُقُوبَةَ | اگر تم نے ان میں سے کچھ بھی کیا تو تمکو سزا دی جاوے گی اسی
مشکوٰۃ باب الساجدین ہے کہ مَا أَثَرُ يَنْشِيهِ الْمَسْجِدُ مَجْرُوحٌ مَسْجِدٍ دُخِيَ بِنَانِهِ كَالْمَكْمَرِ دُخِيَ بِأَنْبَانِهِ
ما شیعہ میں ہے اَنِّي يَا عَلَامُوتِ لَوْ هَذَا تَرِيذِيهَا عِنِّي مَسْجِدٍ دُخِيَ بِنَانِهِ اَوْ كَرَأْسَةٍ كَرِيكَهَا مَكْمَرٌ
اسی مشکوٰۃ میں ہے لَا تَمْنَعُوا الْمَاءَ لِلَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔

قرآن میں زکوٰۃ کے مصرف اٹھ ہیں یعنی مولفہٴ قلوب بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے
صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفہٴ قلوب کو علیحدہ کر دیا گیا دیکھو ہذیر وغیرہ کیسے اب بھی ان پر عمل
ہے؟ اب حکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رنایا پر رعب نہیں ہو سکتا اگر کفار کے مکانات
اور ان کے مندر تو انہی بوں کو اٹھ کا گھر مسجد نبوی اور کچی اور معمولی ہو تو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر
عورتیں مسجد میں جاویں تو صدمات و خطرات ہیں کسی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ احکام کیوں بدے؟ اس لیے
کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب و زینت کے مسلمانوں کے دلوں میں ادبِ اللہ
اور مقابر کی عزت و حرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری
شیب ٹاپ دیکھتی ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو اب
جائز قرار پایا۔ تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا يَعْزَّمُ صَلَاحُ اللَّهِ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام
نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مربع میں عورتیں اس کی روشنی میں چرند کا
تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آراستہ کیا تھا۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی اصل عبارت
یہ ہے۔ اِخْرَاجُ الشُّعُورِ اِلَى سَرَايِنِ | شروع راتوں میں قبرستان میں چارغ بے جانا
الْقُبُورِ فِي اللَّيْلِ اِلَّا ذَلَّ بِسُوءَةٍ۔ بدعت ہے۔

اس میں درکلمے قابلِ عز میں ایک تو اخراجِ روح سے فی اللہ الی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہو رہا
ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چارغ لے ہا کر جلاتے تھے یہ سمجھ کر کہ اس سے
مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک بعد میں مردے کی جگہ چارغ جلاتی
ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا کر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کر دو یہ
حرام ہے کیونکہ میل کا بلا ضرورت خرچ ہے اور بدعتیہ کی بھی ہے اسی کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ عرس کے
چراغات۔ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ مشروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہو تو مشروع راتوں کی

قید کیوں ہے؟ شامی کی عبادت قربا کل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبادت در مختار کی اس عبادت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ الشَّاذَّ وَالذَّوْقِيَّ يَتَّبِعُ لِلْأَعْوَابِ
مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّارِ هُمِ
وَالشَّيْخُ وَالزَّيْنَبُ وَنَحْوُهَا إِلَى خُصَائِرِ الْأَزَلِيَّاتِ
تَقَرَّرَ يَا أَيُّهَا الْجَمَاعَةُ يَا طَائِلَ -

جاننا چاہیے کہ عوام جو مردوں کی نذر میں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لیے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لیے وہ بالا جماع باطل ہے۔

اور خود شامی کی عبادت میں بھی ہے۔ نو شاذ اگر اس کی منت مانے۔ پھر اسی شامی کی عبادت میں ہے قَوْلُ صَوْنِ الشَّيْخِ۔ شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا مفرح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ "مفرح گور یا مٹا کے کہ در میان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلہ بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتے ہیں یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جگے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہزار شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے۔ خالص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کے کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ۔ بعض جہلہ کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور دہاں چراغاں کرتے ہیں کہ دہاں فلاں بزرگ کا چلتا ہے یعنی دہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا دہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو دہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ مبارک ہے جائز بلکہ مستحب ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا بَابُ الْمَسْجِدِ الَّذِي طَرَفَتَيْنِ أَيْشِيَّةٌ اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنا دی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ دہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی

مَلِكُهُ يَكُونُ عَبْدَ اللَّهِ اِنْ عَسَىٰ يُفْعَلَنِي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَائِرِ مَا يَهْدِيهِ تَامُّ حَضْرَتِ بَرَكَتِ
حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی نازحوا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نازیں برحقے
میں۔ لہذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی۔
ان کو متبرک کہ سمجھنا کثرت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ ادبیار اللہ کے نام کی نذر دانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے معنی میں نذر دانی جیسے کہ میں اپنے استا سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جاتا رہے اور فقہار اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ ادبیار کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی پئے فرماتے ہیں تَقَرُّوا بِاللَّهِمْ نَذْرًا شرعی جہاد ہے وہ غیر اللہ کے لیے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مرض اچھا ہو گیا تو میں آپ کے نام کی ریگ پھاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ آپ میرے خدا میں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کر دنگا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کر دنگا۔ اللہ کے لیے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپ کو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہو گیا تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کر دنگا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

يَأْنُ تَكُونُ صِيغَةُ التَّوْبَةِ لِلَّهِ تَعَالَى
لِلتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ دَيُّوْنُ ذِكْرِ الشَّيْءِ مَا دَابَّ فُكْرُهُ

يَا ن تَكُونُ صِيغَةُ التَّذْكِيرِ لِلْمَرْثِيَةِ
يَلْتَقِرُّ بِآلِيهِ وَيَكُونُ ذِكْرُ الشَّيْخِ مَوَاطِنَهُ فَقَرَأَهُ
یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا مصروف مزار بزرگ کے خدام فقرا جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصروف بیت المقدس کا اِنِّیْ سَخَّرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مَعْرُکَ دِکْیَہِ غِیْرِ اللّٰہِ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَاللّٰتِیْنِ وَالزَّیْنُوْنِ وَالْحَمُوْنِ سِیْنِیْنِ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اَفْلَحَ وَآیْسَ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھاٹی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کر دو۔ مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں ہواۓ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی دہاں بہت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کر دو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی بگڑ یا کسی خاص جماعت فقرہ کی قید لگانا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب النذر والا بحت صفحہ ۵۷ میں ہے اور جوامع ادبیہ اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر معنی قرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔ (ارشاد احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ اُمد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دت بجاول گی یہ نذر بھی مرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ مگر لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لیے جائز ہے یعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی یعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ پانے مگر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے يَطَّوَّفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَيْمِئِمْ اِنِ هَآؤُا طَافَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُوْنَ گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاصی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیوں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لیے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاصی صاحب چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ قدیر چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز وقاصی صاحبان علیہما الرحمۃ در شہوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خضر صادقہ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہنم اور حرام کاموں کا مرکز ہے کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوتے۔ ان رد صاحبوں کا وہ توئی کسی طرح مانا جائے۔

جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ مذکور میں فرماتے ہیں کہ غریبوں کی
جائے استعمال پیشورہ یعنی شریف اسٹیشن پر غریبوں کی آٹھ پندرہ ہزار گال کی برآمد و نیا ڈکونڈ۔

۱۵۔ حرمین شریفین کے عمارت کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا عینک اس کے استعجاب کی دلیل ہے یہ زمین
پاک و صاف ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل
عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ
رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المَدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برسے لوگوں کو اس طرح نکال

بھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھتی روتے کے میل کو خواہ فرار نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب
میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ "مراؤ نفی و ابعاد اہل شر و فساد است از ساخت عورت این بلد طیب و
خاصیت مذکورہ در سے در جمیع ازمان مہویا است" اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام
شریر و مفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے۔ لہذا علمائے مدینہ کی عبادات
کو بے دھرمک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکی کی ایجاد
ہے۔ امام اہل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمتہ کی وفات ۸۹۷ھ میں ہوئی اور
امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۷ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے
باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لیکن جو سونے چاندی کی تندلیں رونہ منظر کے
اور گردن کی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب
سے شروع ہوئیں۔

امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل
السیکین علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ رونہ
منظر کی یہ تندلیں جہاز میں ان کا وقف درست ہے
ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی

وَأَمَّا مَا لَيْتِي الْخُجْرَةَ الشَّرِيفَةَ الَّتِي تَعْلَقُ
حَوْلَهَا مِنْ قَنَادِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَتُخْرِجُهَا
قَلَمًا أَقِفْ عَلَى ابْنِ آدَمَ حُدُودِهِمَا۔

اسی مقام پر فرماتے ہیں وَتَقْدَأُ الْفُتُوحَ الشَّكِيمَةَ تَالِيًا
سَمَاءَ مَسْزُولِ الشَّكِيمَةِ عَلَى قَنَادِيلِ الْمَدِينَةِ وَ
ذَهَبَ فِيهِ إِلَى جَوَائِزِهَا وَصَحْفَةٍ وَفِيهَا عَدَمُ
جَوَائِزِهَا شَيْءٌ مِنْهَا لِحَبَاسَةِ الْمَسْجِدِ۔

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔

بحث خاتمۃ پنجاب اور یوپی کا مختیار اور میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تلاویع کی

شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک مجرام کہتے ہیں یہ معض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے، اہل تہذیبیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں ادلا کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تیم داری کچھ قندیلیں اور دریاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تَوَدُّرْتُ مَسْجِدًا تَأْتُرُ اَنْتَ اَللّٰهُ عَلَيْهِ تَم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نوری رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تَوَرَّثَ مَسْجِدًا نَاوَرًا لِلَّهِ قُبُورُ
كَأَنَّ بَنَاتِ الْخَطَّابِ -

اسے عترتم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ
قبر کو روشن کرے۔

تفسیر کبیر میں آیت اِنَّمَا يُعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کی تفسیر میں ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
اسْتَرْجَعَ فِي مَسْجِدٍ مَرَّ جَانِبَهُ نَزَلَ إِلَيْكَ وَحَمَلَهُ
الْعَرْشُ يَسْتَغْفِرُ وَنَزَلَ مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ صُرُوءَ

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الخط والا باحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عبدالقادر قیامی بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر ماموں رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں کثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرض کہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

۱۵ بحث قبر پر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان و اہل میت کے نزدیک جائز ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی و یوہندی اس کو بدعت، حرام و مشرک اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بعون اللہ تعالیٰ دکر رہے۔

پہلا باب اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے امارت اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے بشکوۃ شریف کتاب الجنائز باب بالقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اپنے مردوں کو سکھاؤ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دینا وہی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لیے دو جہ سے خطرناک وقت میں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا کہ اگر جان کنی کے وقت حنا نہ یا خیر نصیب نہ ہو تو عمر بھر کا کرا دھرا سب پر باد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی بگاڑ ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں نفل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لیے زندوں کو چاہیے کہ ان دنوں و قتلوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کھڑے پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کھڑے پڑھ کر دنیا سے جاتے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو لہذا اس حدیث کے مدد میں ہو سکتے ہیں۔ ایک توبہ ہے کہ جو مردہ اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی میں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہو کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔

دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الہی سے اس معاملہ کرتی ہے

أَمَّا عِنْدَ أَهْلِ الشَّيْءِ فَالْحَدِيثُ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ مَحْمُولٌ عَلَى حَقِيقَتِهِ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَرَ بِالتَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَذْكَرٌ أَمْ يَمُوتُ الَّذِي كُنْتَ عَلَيْهَِا۔

شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا لَا يَنْهَى عَنْ التَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ فِيهِ بَلْ فِيهِ نَفْعٌ فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَأْنِسُ بِإِلَهِ كَلِمَةٍ عَلَى مَا دُرِّي الْأَنْبَاءُ

جیسا کہ روایت میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طہیثی کہتے ہیں مستحب ہے تاکہ مردہ نیکرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ آذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لیے یہ آذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ آذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نیکرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر کہ تیرا ریس کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری مہال والے سبز گنبد والے آقا کو کیا کہنا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ۔ دوسرے کا جواب ہوا سَاحَتَى عَلٰی الصَّلٰوةِ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ آذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا ہے

فَوَضَّ الصَّلٰوةَ وَفِيْ اَذْنِ الصَّغِيْرِ وَفِي	وَقَسَمَ الْحَيَّ بْنَ وَالتَّحِيَّاتِ اَلَّذِيْ فِيْ دَعَا
خَلْفَ الْمَسَافِرِ وَالْعِيْلَانِ اِنْ طَهَّرَتْ	فَلْخُفِطْ لَيْسَتْ مِنْ يَلْدَيْ قَدَسَةٍ عَا
وَزَيْدٌ اَرْبَعُ دُؤْهِمَ وَدُؤْ غَضَبِ	مَسَافِرٍ صَدَّقَ فِيْ خَفَرٍ دَمْنُ صَرَعَا

نماز بچکانہ کے لیے چتر کے کان میں۔ آگ لگنے کے وقت جبکہ جنگ واقع ہو۔ مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر۔ غمہ والے پر۔ جو مسافر کو راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لیے۔ شانی میں اسی کے تحت ہے۔ قَدْ يُسَنُّ الْاَذَانَ بِغَيْرِ الصَّلٰوةِ كَمَا فِيْ الْاَذَانِ الْمَوْكُوْدِ اَلْمُهْمُوْدِ۔ فَلَصَّرُوْهُ وَالْغَضِيَّانِ وَمَنْ سَاوْ خُلُقُهُ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَهِيْمَةٍ وَعِنْدَ مَرْوَدِهِمُ الْجَنَّةِ وَعِنْدَ الْحَيَّيْنِ وَقَدْ عِنْدَ اَوَّلِ الْمِيْتِ الْقَبْرِ قِيَاسًا عَلٰی اَوَّلِ خُرُوجِهِ لِذٰلِكَ لٰكِنْ مَرَدَّةُ ابْنِ تَجْرِ فِيْ شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَقْوَلِ الْعِيْلَانِ اَتَى تَمَامُ الْجَنَّةِ۔

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ (۱۱) شاہ الحد۔

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طحال کی آذان سے رمضان کی سحری

ختم کر دو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گوسے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوسے کو جگانے کے لیے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔

اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ نامائے عرض کیے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے نامائے حاصل ہو سکتے اور اتوریہ کہ میت کو تلقین جوابات ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔

اِذَا نُودِيَ لِلْمُتَوَلِّیِّ اَذْبَرَ الشَّیْطٰنُ لَهٗ
صَرَاطًا حَتّٰی لَا یَسْمَعُ التَّذٰییْنَ۔

جب نازکی اذان ہوتی ہے تو شیطان گزرتا ہوتا
بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔

اور اس طرح کہ فوتِ موت شیطان مرنے والے کو درغلا تا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بھگتا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔

اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ چنانچہ نواز الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا سُئِلَ مِنْ شَرِّكَ
یُرِیْ لَهٗ الشَّیْطٰنُ فَیَقْبِیْزُ اِلٰی نَفْسِهٖ اَوْ
اَنَّا شَرِّكَ فَلَیْهٰذَا وَ سَرَدَسَوَالُ التَّیْبَتِ
لَهٗ حَیْنَ سُئِلَ۔

یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب
کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے
کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسی لیے ثابت ہے کہ حضور
علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے
لیے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بھگانے والا کیا

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے
روایت فرمائی۔ نَزَّلَ اَلْمَدُّ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جَبْرِیْلُ فَنَادٰ عَلٰی بَابِ الْاِذَا نِ حضرت آدم
علیہ السلام جہنم وستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح
مدرج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیان آیات شریفہ دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت
عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تارکیت مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں

حراس باختر ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو ایمنان ہوگا۔ جوابات درست سے گا۔
چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے۔ اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مسند الفردوس میں حضرت علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
قَالَ إِنْ كُنِيَ طَالِبٌ لِي أَشْرَكَ يَتَيْتُنَا فَهَرَّ
بُضْ أَهْلِكَ يُؤَدِّتُ فِي أَقْدِيكَ وَبِأَنَّهُ دَرَاهِمُ

مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبیہہ دیکھا تو فرمایا کہ
کیا وہ ہے کہ تم کو نبیہہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ
تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کر دیتی ہے
بزرگان دین حتیٰ کہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ خیریتہ فوجدتہ کذلک فی المیزان فانت مرثیۃ
مشہور باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مڑے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے
اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

بَرَزَان دین حتیٰ کہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ خیریتہ فوجدتہ کذلک فی المیزان فانت مرثیۃ
مشہور باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مڑے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے
اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے گلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔
يَطْفَأُ النَّارَ بِهَا الْكَبِيرُ وَإِذَا سَرَّوْنَهُمْ
الْغَيْرُ نَبِيٌّ فَكَذِبُوا فَابْتَهِ دُفْعِي النَّارَ۔
گلی ہوئی آگ کو نکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی
دیکھو تو نکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قربت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدا نے پاک اس کی برکت سے بجھا دے۔
پچھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر
سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا
واقعہ نقل کر کے روایت کیا۔ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَفَّرُوا كَفَّرَ النَّاسُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ

لَبَّ سَبَّحْتَ قَالَ لَقَدْ تَضَائِقُ عَلَى هَذَا الرَّجُلِ الصَّبْرُ قَبْرُهُ حَتَّى تَرَجَّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بَعْدَ دَفْنِ
حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا
جید اللہ تسبیح تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صلہ بندے پر بڑے بڑے برکتیں ملتی ہیں اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔ اس کی

شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

أَيُّ مَا زِلْتُ مَسْكِينًا وَتَكْتَبِرُونَ دَسْتِجْ
وَدَسْتِجُونَ حَتَّى تَرَجَّ اللَّهُ۔
یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ
اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزل رحمت ہوتا ہے۔ امام سفین

ابن عیینہ فرماتے ہیں۔ وَكَوْضُ الصَّالِحِينَ تَلْزِمُ الرِّحْمَةَ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ مگر خاک جہادی تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے جیسے سے سات قلم سے پہنچ جائیں تو کیا حرج ہے؟

ثابت بڑا قبر برازان دینا باعث ثواب، شامی باب سنن الوضو میں ہے۔ الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ۔ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعت مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے۔ بارہ جو مباح کام نیت خیر سے کیا جائے وہ مستحب، شروع مشکوٰۃ میں ہے اِنَّهَا كَالْأَهْمَالِ بِالْقِيَادَةِ۔ شامی بحث سنن الوضو میں ہے۔

إِنَّهُ الْفَرْقُ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ هُوَ الْعَادَةُ فِي مَوَاقِفَ الْغُلَاظِ | عادات اور عبادت میں فرق نیت، غلاظ سے ہے یعنی جو کام بھی غلاظ سے کیا عبادت سے ہے۔

اور جو کام بغیر غلاظ کے جوہر عادت۔ در مختار بحث مستجابات الوضو میں ہے۔

وَمُسْتَعْبَهُ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ | مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کثرت و تکرار سے آخری و ماحبہ السلف۔

شامی بحث دفن زیر عمارت ولا یحبس ہے۔ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا تَرَاكَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ حَسَنًا لِلَّهِ حَسَنًا۔ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت بڑا قبر بڑا اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ نیت غلاظ مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے لہذا مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عذر اللہ اچھی ہے۔ خود نو سیدیوں کے پیشوا امروزی رشید احمد صاحب گنگوہی قادری رشیدی جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۱۱ میں فرماتے ہیں۔ کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین بعد دفن ثابت یا نہیں تو جواب یہ مسئلہ بعد معالجہ مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی جس پر عمل کرے درست ہے رشید احمد

دوسرا باب

اذانِ قبر پر اعتراضاتِ نجابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض ۱۔ قبر برازان دینا بدعت ہے اور مردہ بدعت حرام لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں۔ وہ ہی پرانا سبق۔

جواب :- ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد از وفات ذکر اذنی تبلیغ و تکبیر حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور اس کی اصل ثابت ہر وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہار فرماتے ہیں کعبہ میں تبلیغ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی مثلاً یہ سنت ہے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ رشید احمد معنی :-

اسی کتاب میں صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کھانا تارخ میں پرکھنا نابدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا۔ رشید احمد کہتے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری :- مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری دہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہل حاجت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں۔ شاید یہ بدعت اس لیے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبروں پر اذان کیوں حرام؟

اعظم الشیخ (۲) شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقع شمار کیے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لکن من دفعہ ابی منحنی فی شرح العیال اس اذان کی ابن حجر نے شرح عیال میں تردید کر دی ہے معلوم ہوا کہ اذان قبر مردوبہ۔

جواب :- اذلا تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء میں بعض اصناف بھی شافعی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ کنفیوں کو مسک جوہر پر عمل کرنا ہوگا کہ تو ان شافعی پرہ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت جو نکاحا نکاحا یعنی سنت نہیں۔ اگرچہ کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پیش

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقع پر فرمایا: قَدْ لَيْسَ الْاَذَانُ اِنْ مَوْتُوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا: اذہ اس کی اس جھڑنے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوئی؛ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لیے عقل و ایمان کی ضرورت ہے مگر یہ کہ اگر ایمان بھی ہو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے مگر نہیں۔ بلکہ اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ بلا دلیل شرعی کراہت متنبہ بھی ثابت نہیں ہوئی۔ شامی بحث مستحبات الوضوء میں ہے۔

وَلَا يَكْفُرُ مِمَّنْ تَرَكَ الْمُسْتَحَبَّ ثَبُوتُ
اَكْثَرُ اَعْوَادَ لَا يَبْدُلُهُ مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍ -

شامی جلد اول بحث مکروہات الصلوٰۃ بیان المستحب والسنن والمندوب میں ہے۔

مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو
حالت بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت مکہ شرعی
ہے اس کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

آپ تو اذانِ قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شے کو مکروہ متنبہ بھی نہیں مانتے۔

اگر کجاہ سے کہ شامی نے اذانِ قبر کو قتل سے بیان کیا اور قیل منصف کی علامت ہے تو جواب یہ کہ قیل میں قیل

ضعف کے لیے لازم نہیں۔ شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ قَعْبِيَّ تَرَا مَصْنُوعٍ يَقُولُ لَيْسَ يَنْزِمُ اللَّهُ

اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر عجب الجنازہ کے پیشے فرمایا: قِيلَ تَحْيِيًّا كَوَقِيلَ تَلْذِيْزًا۔ دیکھو یہاں دونوں قیل

دونوں قیل سے نقل کئے۔ فالگیر بنی کتاب الوصیۃ بحث مسجد میں ہے: وَقِيلَ هُوَ مُسَجَّدٌ اَبَدًا هُوَ الْاَصْحَابُ يَبْصَحُ

قوال قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل یا منصف نہیں۔ اور اگر ان میں یا جبار سے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا

یہ کہ جائز کہنا کیونکہ یہ سنت ہی کا قول ہے۔ ہم بھی اذانِ قبر سنت نہیں کہے صرف جائزہ مستحب کہتے ہیں۔

اعتراف رضی رحمہ فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر کفار کا تھکے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذانِ قبر فاعلم کے علاوہ ہے لہذا اس سے

چنانچہ بحر الرائق میں ہے: وَيَكْفُرُ مَا عَدَا الْعَبْرِيْنَ مَا لَمْ يَعْقِدْ مِنَ الشُّكِّ وَالْمُجُودِ مِنْهَا لَيْسَ الْاَكْبَرُ اَذَانًا

وَالَّذِي عَادَ عِيْنَهُ هَذَا كَمَا شَامِي كِتَابُ الْجَنَائِزِ فِي

لَا يَسْنُو الْاَذَانَ يَعْقِدُ اِدْخَالَ الْمَيِّتِ

فِي قَلْبِهِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ اَلَا اَنْ دَقَّ صَرْحُ زَيْنٍ

یعنی میت کو قبر میں آکر نہ وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ یہاں اگر اس کی تردید ہے اور ابن حجر نے تصریح

خَصِي بِأَنَّهُ يَدْعُهُ وَقَالَ مَنْ ظَلَمْتَ
أَنَّهُ سَتَّهُ فَلَمْ يُصِبْ -

فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جائے
وہ درست نہیں کہتا۔

در الجہاز میں ہے مِنَ الْمَدِينَةِ الَّتِي شَاقَبَتْ
فِي بِلَادِ الْإِهْنَادِ أَكْذَانَ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدُّفْنِ -

جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان
میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔

توضیح شرح تنقیح میں محمد طہی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَکْذَانَ عَلَى الْقَبْرِ لِقَوْلِهِ يَشْفِي قَبْرَ إِذَا دُنِيَ
کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت
نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب :- بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست
ہے وہ زیارت قبر کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو بڑگو جو دینا یا
سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر
وقت دفن بھی ۱۲ میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن
تلقین کرنا جس کو قادی رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے بس مرد کو جنگل میں رکھ کر ناسخ پڑھ کر
بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع میں۔ وہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے
ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر بسز یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت
ہے اور بحر الرائق میں فرمادہ ہے کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے مولوی
اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبر کا طریقہ بیان
فرماتے ہیں ”و بعدہ بمقت کرہ طواف کند و در آن تکبیر بخواند و آغاز از راست کند و بعدہ طرف پایاں رضا
نہد“ یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کے اور دوسری طرف سے شروع کرے اور
قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے ؟ اس کا جواب حفظ الایمان
صغیر پر دیتے ہیں یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی نیت
تسویع شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے ارد گرد پھرنا واسطے پیدا کرنے سمیت
وہی کے صاحب قبر کیساتھ اور بیٹے فیوض کے اس کی نظیر حضرت جابر کے قفسے میں وارد ہوتی ہے جبکہ
ان کے والد قرد من ہو کر وفات پائے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام

سے عرض کیا کہ بارگاہ میں تشریف لاکر غایت کر دیجئے حضور علیہ السلام بارگاہ میں رونق افروز ہوئے اور چھوڑ دینے کے اجازت مل کر بڑے اہلکار کے گروہ میں بارگاہ سے۔ طاعتِ حَوْلِ اعظمیہ ہائیکہ اراہیہ صدرہ پھر انوارِ دلوانہ نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لئے اس کی چاروں طرف پھرنے۔ اسی طرح کشف القبر کے عمل میں ہے کیئے اگر اذانِ قبر اس لئے منع ہے کہ قبر پر مجوز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا حوالہ اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے بلکہ بجز اس طریق کی غامضی عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ یہ بظاہر بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض لانا جائز نہیں کیئے دلائل جہاں اور جہاں سے فیض لانا جائز ہے۔ قبر پر خطہ رکھنا جائز ہے۔ کی کو تقریر الایمان میں شرک کہلاتا ہے۔ شامی و توشیح و غیرہ کا عبادت کا جواب سوال نمبر کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنت کا اظہار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کا کفر الیقین متفق ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ واجب نہ سنت، مضاف جہاں اور جہاں سے۔ سنت ہے۔ اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہار کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں اور بدعت ہائیکہ یا بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ بدعت مکروہہ کہنا بلا دلیل کہ بدعت ثابہ نہیں ہوتی۔ مولوی اسماعیل صاحب یونیندہ کے پیش میں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نہ یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ در نہ قرآن کے پیارے اور اعراب اور بخاری بھی مکروہ ہو گئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔ درمختار باب معلومہ اسیدین مطلب فی تکمیل التشریہ میں ہے۔ دَعْوَةُ النَّاسِ يَوْمَ مَعْرِفَةٍ فِي غَيْرِهَا تَشْدِيدًا لَهَا لَوْ اتَّعَيْنَ لَكِنَّ بَشَرًا اِذَا اسْمَعِلَ مَطْلَبٌ شَامِي میں ہے۔ دَعْوَةُ النَّاسِ فِي مَوْضِعِ التَّقِي تَتَعَلَّقُ بِالْعِبَادَةِ مِنْ فَرَسٍ وَتَدْعُو وَتَمْتَعُ بِبَقِيَّةِ الْبَاقَةِ قِيلَ يَسْتَعْبِتُ۔ ہدایک و اشیرہ میں ہے۔ تَشْدِيدٌ تَحْتَ فَرَسٍ تَحْتِ۔ اَحَى لَكِنَّ بَشَرًا يَتَعَلَّقُ بِهِنَّ التَّوَابُ وَهُوَ يَصْدُرُ عَلَى الْبَاقَةِ اِنْ جَارَتْ سَلَمًا سے معلوم ہوا کہ کسیر شامی مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اعتراف ہم اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے دن کے وقت کو کسی نماز پر ہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب۔ یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہیئے آخر ہجرت کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کو کسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب میں دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کیلئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے

لطیفہ : کاتھیاوا میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یہ - پی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معافہ رکھے مٹا کرتے ہیں - ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معافہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہیے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معافہ بدعت ہے لہذا حرام ہے - ہم نے عرض کیا کہ معافہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے -

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باوجود باب المصافحہ والمعاہدہ اور دہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معافہ فرمایا - حدیث کی روش بتاتی ہے کہ یہ معافہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لیے انظار خوشی میں معافہ کرتے ہیں - نیز در مختار جلد پنجم باب المراسم میں باب الاستبرام میں ہے اِنِّیْ کَمَا تَجْعُوْنَ الْمُصَافَحَةَ وَتُوْبَعْدُ الْعَصْرِ وَتُوْلَهُمْ اِنَّہٗ یُدْعَۃً اِنِّیْ مُبَاحَۃً حَسَنَۃً کَمَا اَنَادَۃُ التَّوْبِیْیِ فِیْ اَذْکَارِہٖ -

اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں - اَعْلَمَنَّ اَنَّ الْمُصَافَحَۃَ مُسْتَحَبَّۃٌ عِنْدَ کُلِّ یَقَایِہٍ وَاَمَّا مَا اُتِیَ اَذَۃَ النَّاسِ مِنَ الْمُصَافَحَۃِ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَہٗ فِی الشَّرْعِ عَلٰی هَذَہِ الْوُجْہِ وَلٰکِنْ لَا بُدَّ مِنْہٗ وَتَقْرِیْبُہٗ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ عَلٰی عَادَۃٍ کَانَتْ فِی زَمَنِہٖ وَارَۃٌ تَعْقِبُ الصَّلَوةَ کُلُّہَا کَذَا لِق -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تلافی نہ ہوتی یہ بھی کہتا رہا کہ مصافحہ معافہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ - اول ملاقات کہے کہتے ہیں : بولا نماز ہوئی کے بعد جب ملیں - تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا - غائب ہوئی دو صورتیں ہیں ایک قریہ کہ جسا غائب ہوں - دوسرے یہ کہ وہی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر ایک ایک سے ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے

کی مدد۔ بلکہ یہ قاسم لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا پینا چلنا پھرنا قاسم دنیاوی کام حرام ہیں اور القصد
 یغتر اجز المؤمنین کا نقشہ نظر آ رہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ میں جب سلام
 پھیلا۔ اب دنیا میں آگئے قاسم دنیاوی کام حلال ہو گئے۔ یہ وقت غائب مرنیکے بعد ملنے کا ہے لہذا
 مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق سے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔
 سمجھنے کہا کہ مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیے کہ سلام
 میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کر نیکی نیت کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نازی صرف
 ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیا کیا
 یہ لوگ کہیں سے آ رہے تھے یا بار ہے میں؟ چاہا تو نہیں رہے ہیں کیونکہ ابھی دعا مانگیں گے وعلیفہ پڑھیں گے
 بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کر کے آ رہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا
 مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہیے۔ ہم نے کہا کہ ہاں اگر ہر نماز کے
 بعد کرے تب بھی منع نہیں ہے۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہو گئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

بحث ۱۶ عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب مسکد عرس پر اعتراضات

دعوات میں۔

پہلا باب

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لیے دوہا اور دھن کو عرس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ
 وفات کو اس لیے عرس کہتے ہیں کہ شکوۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا استئذان
 لیتے ہیں اور وہ کہہ دیا اب ہوتا ہے تو کہتے ہیں ثُمَّ كُنْتُمْ مَعَهُ الْعُرْسِ الَّتِي لَا يُؤْتِيهَا إِلَّا أَحِبُّ أَهْلِهِ
 إِلَيْهِ تَوَاسُّعًا کی طرح سوچا جسکو سزا کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے

ان کو عرس کہا۔ اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا۔ یا اس لیے کہ وہ جمالی مصطفیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ کثیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے وہاں ہیں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت ضرب اس قدر ہے کہ ہر سال تاسیخ رفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہار سے ہے۔ شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اہل کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

قَدْ عَلِمْتُ اَنْيَ شَيْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشَّهَدَاءِ وَيُكَلِّمُهُمْ عَلَى كُلِّ حَوْلٍ تَفْسِيرُ كِبَرٍ اَوْ تَفْسِيرُ مَشْرِقٍ فِي هَذِهِ عَنْ تَرْسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشَّهَدَاءِ وَعَلَى تَرَاهِمْ كُلَّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا صَبْرَتُمْ فَيَعْبُدُكُمْ النَّارُ وَالْخُفَاءُ اَلَا بُرْعَةُ هَكَذَا اَلَا نَوْمُ اَيُّعَلُونَ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عربیہ ص ۵۴ میں فرماتے ہیں : دوم آنکہ مہینیت اجتماع عید و مان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نموده تقسیم در میان حاضران کنند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود اگر کسے میں ملو کنند باک نیست بلکہ فائدہ اچھا اموات و احیاء می شود۔ و دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کہے تو حرج نہیں بلکہ زہدوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہما رحمۃ الرحمن کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں : ”ایں طعن جہنی است بر جہل بہ احوال طعون علیہ زیادہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ و اسیچ کس فرض فی و اندازے تبرک بقبور و اعداد ایشان با ایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعا ہے غیر تقسیم طعام و شیرینی اسر مستحسن و خوب است با جماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آن روز ذکر انتقال ایشان می باشد از ذرا العمل بہ ان مطلب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔“ یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہوئی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کہ فرض نہیں جانتا ان صاحبین کی قبروں سے

برکت لینا اور ایصالِ ثواب اور تلاوتِ قرآن اور تقسیمِ شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماعِ علماء سے اچھا ہے
 عوس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ در نہ میں دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا
 ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جمال الدین کو لکھتے ہیں: "اوس پر ان
 برکت پر ان بسماح و عفوئی جاری و رندیاں پیروں کا عوس پیروں کے طریقہ سے قوال اور صفائی کے ساتھ
 جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد و اشرف علی صاحبان کے پر حاجی امرو اللہ صاحب اپنے فیصلہ ہفت
 مسئلہ میں عوس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں: "فقیر کا مشرب اس امر
 میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیروں کی روح مبارک پر ایصالِ ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے
 اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر حاضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب
 بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عوس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد
 اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں: "بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع
 ہو گئیں۔ مجلس عوس مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید
 احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عوس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر
 حمزہ رضی اللہ عنہ کا عوس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صاحبان
 خصوصاً اہل مدینہ عوس پر کار بند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانتے وہ عند اللہ بھی اچھا ہے: عقل بھی چاہتی
 ہے کہ عوس بزرگانِ عمدہ چیز ہو اولاً قرآن لینے کے عوس زیارتِ قبر اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارتِ قبر
 بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبر میں ہے
 کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: "جہنم نے تم کو زیارتِ قبر سے منع فرمایا تھا۔ اِنَّا نَنْهَوُكُمْ عَنْ ذَہَابِ قُبُورِہِمْ
 کیا کر دو۔ اس سے ہر طرح زیارتِ قبر کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی
 جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے
 بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہوا بغیر معین کیے ہر طرح جائز ہے۔ دوم ایسے
 کہ عوس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی،
 کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے اس لیے کہ ایک
 پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیروں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات

سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ چوتھے اس لئے کہ طالبان کو سیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے حقیقت ہو اس سے بیعت کر لے۔ آخر حج اور زیارتِ مدینہ منورہ بھی تالیفِ مقدرہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فائدہ ملحوظ رہے۔ ہم نے یونہی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں مدفون نہ کوئی فاتحہ خواں نہ ان کو ایصالِ ثواب نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیوضِ امر و خیر نہ کوئی بی بی بیکار ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعترض (۱) جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرے یا بے دین ہو کر مرا۔ پھر کسی مرد سے کی ولایت کیونکہ معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب: زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ کہن و فن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کہن، نہ تقسیم میراث، نہ شریعت کا حکم ظاہر ہو رہا ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں ولی ہوا بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کر دشاہد مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کر دشاہد کافر ہو کر مرا ہو۔ نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنائزۃ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا وَجَّحَتْ واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گذرا۔ جسکی لوگوں نے برائی کی فرمایا وَجَّحَتْ واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْآخِرِ حِجْزِ تَمَزِیْنِ میں اللہ کے گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ ہی بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعثِ ثواب اور حلال ہے کیونکہ

مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی۔ مَا سَرَّ آةَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔ قرآن فرماتا ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكَ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

جس نے تم کو امت عادلہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی۔ کہ فرمایا۔ وَشَهِدَ شَاهِدًا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَى مِثْلِهِ۔ جب صالح مومنین کی گواہی سے ثبوت ثابت کی جا سکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے۔ اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہو گا؟

نوٹ ضمنی درجی:۔ یہ سوال کہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا۔ ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لیے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی جو مجھے کیونکہ دہاں فرمایا ہے۔ اَنْتُمْ مِمَّنْ اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے وَفِي يَوْمِئِذٍ الْمُؤْمِنُونَ شَهِدُوا لِلَّهِ فِي الْآخِرَةِ اِيك روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں اَنْتُمْ مِمَّنْ نہیں۔ نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے ہیضہ سے آئے اَيُّهَا الصَّالِحُونَ وَآلِ الْكَرَامِ وغیرہ اور ہم قرآن مجید کے دقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لیے تھے قرآن و حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ نہ آگیا مگر جواب نہ آیا۔

اعترض (۲) حدیث شریف میں ہے۔ لَا تَتَّخِذُوا قُبُورِي عَيْدًا امیری خبر کو عید نہ بناؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا عید لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلاد ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے عید لگانا ہے لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو، تنہا تنہا آیا کر۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت و آرائشی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں۔ یہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو بالادب آؤ۔ یہاں اگر شور نہ مچاؤ

کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طہات قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَسْرِ رُفُفًا
بعد نماز پنج گانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ مفت مسئلہ میں
بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ لَا تَتَخَذُوا قَبْرِیْ حَبِیْبًا اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور
خوشیاں اور زینت و آرائش دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا
منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا داسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا وَ هَذَا بَاطِلٌ
پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابِلہ افراد و اجتماعات و فلول طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم
ہماری قبر پر جلد بلیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعترض (۳) عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، تو ای کائی
جاتی ہے۔ نزع ملک عرس بزرگان صدام محرمات کا مجرمہ ہے اس لیے یہ حرام ہے۔

جواب ۱۔ اس کا اہمالی جواب تردید ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے
اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبر کتاب
الجنائز میں ہے۔ وَلَا تُؤْثِرُكَ لِیَا یُحْضِلُ عِندَہَا
مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمُفْضِلٍ كَاخْتِلَاطِ التَّحْلِیْلِ بِالنِّسَاءِ
وَعِیْرَہَا كَاَنَّ الْقُرْبَانَ لَا تُؤْثِرُكَ لِیَمْثِلُ ذَلِكَ
بَلَىٰ عَلَى الْاِنْسَانِ فِعْلُہَا وَ اِنْ كَاَسَرُ الْیَسَدِ
قُلْتُ وَ یُؤْثِرُ مَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ سَوَاكٍ
اِتْبَاعِ الْجَنَاسَةِ وَاِنْ كَانَ مَعْبُودًا لِّسَاكٍ نَاحِیَاتٍ۔

زیارت قبر اس لیے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز
کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا اختلاط کران
جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے
بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبر کرے اور بہت
روکے اسکی تاہم وہ گذشتہ مسئلہ کو تباہ کیے جانے کیساتھ جانا
نہ چھوڑے اگرچہ اس کیساتھ زور کرنے والیاں ہوں۔

فتح کر سے پہلے خانہ کعبہ میں بہت تھے اور کہہ صفا و مردہ پر بھی بہت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں
نے نہ قحطواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا آج بازاروں میں ریل کے
مسفروں اور دنیاوی مجلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حایوں کے جہازوں میں بعض وقت
طواف میں منیٰ منولہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔
دینی مدارس میں بھی اکثر اذونات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرّس حرام نہیں اسی طرح
عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں۔ لیکن انکی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو

بلکہ وہاں جاکر ان عیسائی نامہائے رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو جو ابن تمیم نے منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائیے کہ وہم و شاکم کی عزت میں خود بدعت ہیں اور میں عمر بن خطاب کا شیدائی ہوں مجھے تنہا میں نہ ڈالیں مگر قرآن کریم نے اس غدر کی تردید یوں فرمائی کہ **اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوا** اَوَاقَاتِ جَهَنَّمَ لَیْخِطُنَّ بِاَلْکَلْبِیْنِ اِس غدر کو رب تعالیٰ کفر اور ذریعہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کہ یہ روح البیان یہ بھی غدر آج دیوبندی محض روکنے کے لیے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صد ہا رسوم رسمیں ہوتی ہیں جن سے مسلمان بیاہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوال جو آج کل عام طور پر مروج ہے۔ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوال ہو گا تو اسے اسے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوال کو اہل کے لیے جائز فرمایا اور اہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک ہندوی دھن بجا رہی تھی۔ صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی۔ عثمان منی آئے۔ بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم آئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ توقف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اسے عڑاؤ تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دھن بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر و عثمان رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا اور اسمیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کیوں کی؟ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم کے آنے سے ہی شیطانی بن گیا بند ہو گیا۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی۔ جیسے کہ مجلس لعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیہم علیہ میں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لیے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ

کھانے میں شرکت کریں قرآن میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس نفی کی قرین نہیں ہوتی۔
 شامی جلد پنجم کتاب الکرامیت فصل فی اللیس سے کچھ قبل ہے اَللّٰهُ لَیْسَتْ بِحُرْمَةٍ لِّعِبَادِہَا
 بَلْ یَقْضِی اللّٰهُ لَہُمْ مِہَا اَلَا تَرَی اَنَّ حَرَمَ بَنَاتِہِ الْاَلِیَہِ یَعْنِیْہَا اَحِلَّ تَاَدَاۃً وَحَرَمَ اٰخَرِی و فِیْہِ
 وَیَنْبَغِی سَاۡدَۃُ الْاَصْحَابِیۃِ الَّذِیْنَ یَقْضُوْنَ رِیْسَہَا اَمُوْسُ لَہُمْ اَعْلَمَ بِہَا فَلَا یَسَیْءُ اَمْرُ الْمُعْرِضِ
 بِاَلِیَّہِ لَکَی لَا یَحْجُرَ مَدَّ بَرِّکَہُمْ فَاِنَّہُمْ السَّادَۃُ الْاَخِیَارُ تفسیر اسمیہ پارہ ۱۱ سورہ لقمان زیر آیت و مِنَ
 النَّاسِ مَنْ یَشْتَرِی نَفْسَہُ الْخَدِیۡثِ مِیۡرَاسِ قُرَآئِیۡ کی بہت تحقیق فرمائی۔ آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قرآنی اہل کے لیے
 حلال ہے اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں دِیۡہِ نَاخِذٌ لِّیۡ نَأْشِہُمۡ نَاۡ اِنَّہٗ نَشَآءُ مِیۡرَاسِ قُرَآئِیۡہِمْ کَاۡنُوْا عَاۡرِفِیۡنَ
 وَحُجَّتِیۡنَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ وَکَاۡنُوْا مَعَدُوْرَیۡنَ لِقُلُوْبِہِ النَّحَالِ وَیَسْتَلْکُمُوْذُنَ السِّیۡمَاۃِ بِالْعَنَآءِ وَکَاۡنُوْا حَسْبُوْکَ
 ذٰلِکَ عِبَادَۃً اَعْظَمَ وَحِجَّتَہَا کَاۡلِیۡہِ فِیۡحُلِّ لَہُمۡ خَاصَۃً اَنْتَہٰی مَخْصَصًا حَامِی امداد اللہ صاحب فیصلہ
 ہفت مسئلہ میں بحث عرس قرآنی کے متعلق فرماتے ہیں۔ "محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط حجاز جمع ہوں اور
 عوارض مانع مرتفع ہو جہا دین تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فائدہ رشیدی مکتبہ کتاب النظم
 والا باحہ صفحہ ۱۱ پر فرماتے ہیں۔ ہلازمیہ راگ کا سنا جائز ہے۔ اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون
 راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور مافوق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قرآنی اہل کے لیے شرائط
 کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کیلئے حرام ہے۔ قرآنی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب انکرامیہ میں چھ
 بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امر و بے راڈھی کالو کا نہ ہو۔ اور سازشی جماعت اہل کی ہوا میں کوئی نا اہل نہ
 ہو قرآن کی نیت خالص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو۔ لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں۔
 بغیر غلبہ کے دھبہ میں کھڑے نہ ہوں۔ اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔ اور قرآنی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجہ
 کی حالت میں اگر کوئی توار مارے تو خبر نہ ہو۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز
 تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے۔ پھر ایک طرف کھانا ہو اور دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار
 کرے۔ ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قرائیاں ملاں میں یا عام لوگ قرآنی سنیں بلکہ
 ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا کہ وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قرآنی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں
 اور قرآنی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں۔ اس لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خود قرآنی نہ سنا کر دیا رائے جن سے
 سماع ثابت ہے اُن کو فیر نہ کہو۔ قرآنی ایک در کی دوا ہے جس کو درد مہرہ پیئے جسکو نہ جوہہ بچے حضرت محمد

الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "یہ کہ مذاہب کا رمی کفر و نہ انکار می کفر"۔ میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود بنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی ٹرائیاں آگئیں۔ لہذا اس کے مقابل خواجہ اجیر سی و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے۔ معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دو کو پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعترض (۴) اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جائیے حلال حرام نہیں بن جاتا۔ تو تعزیری بت پرستوں کے میلے کھیل تماشے، سینما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو بڑے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ حسن و لیمہ میں ناچ رنگ و ستر خزان پر ہر وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبل و عورت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہو گئی۔ اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب۔ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہوا و اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو۔ اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا۔ اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جن کو غلط کہتے ہیں۔ تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا۔ کپڑے کا جز نہ بنا۔ پانی کا جز بن گیا۔ تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، تنکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیر داری میں اسراف باجے تا جائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیر داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیر داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر بلا معنی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ تیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا میت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے۔ سرمد شریف میں مجدد الف ثانی صاحب کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔ صرف مجلس و منظر اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔ نیز یہ دعوت قبل کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت۔ اہل میت کی ضرورت دعوت اختیار کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبل کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح حسن و لیمہ میں ناچ رنگ خاص و ستر خزان پر ہوا اس کا قبول کرنا منع ہے۔

بخلاف زیارت قبور کے کہ وہ بہر حال سنت ہے ہذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت قر سنت ہی نہ بنی اور زیارت قبور چونکہ مطلقاً سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی۔ جیسے کہ شرکت دفن بہر حال سنت ہے۔ تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

اس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں بوزاک ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے ثبوت میں

سفر کا اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت۔ فرض کے لئے فرض۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفیٰ علیہ السلام کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیونکہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی ختنہ میں اہل قربت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر جائز کیونکہ یہ چیزیں خود جائز ہیں چوری دہشتی کے لئے سفر حرام کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہر تو اس کے مقصد کا حکم دیکھو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ
ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ۔
سفر جرت ثابت ہوا کہ ایلاف قریش ایلاہ فیہم مراحلة الشتاء والصيف۔ اس لئے کہ قریش کو میل دلیا یا ان کے جائزے اور گرمی کے دنوں سفر میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

إِذْ قَالَ مُوسَى لِقَاتِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَابْنُ مَرْيَمَ
ابن ابیہم و ابن ابیہم موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں ہاں نہ

الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حَقْبًا -

رہیں گا جینک کہ وہیں نہ پہنچوں جہاں درمندانے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يَا اِبْنَتِي اَدْهَبُوْا فَاَتَحَسَّسُوْا امِنْ يُّوسُفَ

اے میرے بیٹی! جاؤ اور پروف اور مل کے بھائی کا سراغ

وَاَحْيِيْهِ وَاَلَيْسَ سُوْا امِنْ مَّرْجِحِ اللّٰهُ -

لگاؤ اور اشد کی جست سے نا امید نہ ہو۔

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاشِ یوسف کے لیے حکم دیا۔ تلاشِ محبوب کے لیے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذْهَبُوْا

میرا کہو گئے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈال

يَقِيْضِيْ هٰذَا نَالِقَةٌ عَلٰى صَحْبِ اَيِّ يَأْتِ بَعِيْدًا

دوران کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

علاج کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فُلَيْمًا دَخَلُوْا

پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے

عَلٰى يُّوسُفَ اَوْى اِلَيْهِ -

تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

ملاقاتِ فرزند کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فرزند ان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَاَمْرِسِلْ مَعَنَا اَخَانَا نَكُنْ لَّ وَاِيَّا لَهٗ

ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلام ہیں

لِحَافِظُوْنَ -

گے اور ان کی ضرورتِ حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لیے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ ظَلَمَ -

فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ ستمگرش ہو گیا ہے۔

تبلیغ کے لیے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

جو شخص تلاشِ علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حدیث میں ہے۔ اَطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَكُلُّوْا بِالْقَبِيْنِ -

علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریا میں ہے۔

طلبِ کرم علم شد بر تو فرض

دگر واجب است از پیش قطع از سن

علم کا طلب کرنا تاج پر فرض ہے اس کے لیے سفر بھی ضروری ہے طلبِ علم کے لیے سفر ثابت ہوا۔

پاکستان میں ہے۔

برو اندر جہاں تفرج کن ! پیش از آن روز کہ جہاں بروی

جاؤ دنیا کی سیر کرو رہنے سے پیچے۔ سیر کے لیے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔

ثَلٰی سَبْعُوْا فِی الْاَمْثَرِضِ فَاَنْظُرُوْا کَيْفَ

کھار سے فرماؤ کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمَكْنِيِّينَ -

کیا انجام ہوا۔

جن ملکوں پر عذاب الہی آیا۔ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اویار کی زیارت کے لئے سفر کا بندر بجا دلی ثابت ہوا۔ حضرات طیب روحانی میں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اندر اسے بعد وفات بھی دنیا پر راجح کہتے ہیں اس سے فرق عبارت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وَهَلْ تُشَدُّ رَحْلَةَ لَهَا كَمَا اغْتِيْبَدَ
مِنْ الرَّحْلَةِ إِلَى مَرْيَا سَرَّ وَحَيْلِ الدَّحْنِ وَ
زِيَارَةِ الشَّيْخِ الْبَدَوِيِّ لَمْ أَسْرِ مِنْ مَعْرِفِهِ
مِنْ أَيْمَانٍ وَمَنْعَ بَعْضُ الْأَيْمَةِ الشَّائِعَةِ
يُنَاسُ عَلَى مَنَعِ الرَّحْلَةِ بِغَيْرِ الْمُسَجِّدِ الثَّلَاثِ
وَسَرَّ الدُّعَا إِلَى يَوْمِ مَوْتِ الْفَرَقِ -

اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب جیسے
کراچ کل خلیل الرحمن علیہ السلام اور تید بدوی علیہ الرحمۃ
کی زیارت کیلئے سفر کرنا کراچ ہے میں نے اپنے آئمہ
میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء
نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر تیس کر کے لیکن
امام غزالی نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمایا
لیکن اویار اللہ تعالیٰ انہ زائرین کو نفع پہنچانے
میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔

شامی میں اسی جگہ ہے وَأَمَّا الْأَذَلُّ فَأَيُّهَا تَهْمُ مَعْنَاؤُهُ
فِي الْقُرْبَانِ لِلَّهِ وَتَفْعِ الزَّائِرِينَ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَأَسْرَارِهِمْ

مقدور شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں

إِنِّي لَأَتَّبِعُكَ بِأَيِّ حَنِيْفَةٍ وَأَجِيءُ إِلَى
قَبْرِهِ فَإِذَا عَرَفْتُ فِي حَاجَةٍ صَلَّيْتُ
مَرَّتَيْنِ دَسًّا لَيْتَ اللَّهُ عَمْدًا قَبْرِهِ
فَتَقْبَلَنِي سَرِيْعًا -

میں امام ابو حنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان
کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت ہو پیش ہوتی
تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر
اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔

اس سے چند امور ثابت ہوئے۔ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیر نہ کہ امام شافعی اپنے دین فلسطین سے
بقدر آتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے رضی اللہ عنہ صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے
پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو درویش حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارت روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے سفر کا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب النظم والا بائہ صفحہ ۵۹ میں ہے زیارت

بزرگان کے لیے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے۔ بعض درست کہتے ہیں۔ اور بعض ناجائز و نواہی اہل سنت کے علماء میں مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔ رشید احمد عثمانی رحمہ اللہ۔

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ نقل بھی پاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اس لیے کہ ہم عرس کر چکے سفر کی محنت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے اگرچہ دو دو گنا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لیے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لیے سفر ہے یہ کیوں حرام ہوگا۔

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات جوابات

اعترض ۱۱ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَا تُشَدُّ الزَّيْحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثِ مَسْجِدٍ
مَسْجِدُ النَّبِيِّ وَمَسْجِدُ الْكَافَّةِ وَمَسْجِدُ هَذَا
تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر نہ کیا جاوے
مسجد بیت اللہ مسجد بیت المقدس اور میری یہ مسجد
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبر
بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں حجۃ الوداع پڑھنے کیلئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ جاتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بیت سے سفر

قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہونگے۔ آج تجارت کے لیے، علم دین کے لیے، دنیاوی کاموں کے لیے جدا قسم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے: "و بعضی از علماء گفته اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجد سے دیگر جہاں میں مساجد سفر جائز نہ باشد و اما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفہوم میں کلام است۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کو تحت ہے: "فی الشرح المسلم للثبوتی قال ابو محمد یحییٰ بن محمد الریحانی فی غیر الثلثۃ وہو غلط فی الاحیاء ذهب بعض العلماء إلی الاستدلال علی النعم من الریحانی لزیادۃ کثرت وقبور العلماء والصالحین وما تبیین فی ان الامر لیس کذا لک بل زیادۃ ما مؤثر بہا لغيرہ الا فزودوها اما اوردہا عین الشدید غیر الثلثۃ من المسجد یشتمل علیہا و اما المشاہد فلا شادی بل بزرگہ من یأمر بہا علی قدر درجہ ہرہم عند اللہ هل یمنع ذلک القائل عن شہد الرجال یقبور الانبیاء کا بزہم و موسیٰ و یحییٰ والنعم من ذلک فی غایۃ الاحوالہ والادیاء فی معناہم فلا یبعد ان یکون ذلک من اغراض الخلق کما ان زیارۃ العباد فی الحیوۃ۔"

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضاہ میں ہے۔

نودی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوا ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔ اس حدیث کی دوسرے کہ اکثر دروہا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات میں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اویا افتد بھی انبیاء کے حکم میں ہیں کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اذْهَبْ إِلَى الْمَدِينَةِ الَّتِي فِيهَا كُنْتَ تَخْفَى مِنْ أَهْلِ الْكُفْرِ فَإِنَّ عَدُوَّكَ إِذَا أَقْبَلَ عَلَيْكَ فَأَدْبَارْ وَهُوَ يُخَالِفُكَ وَلَهُ أُتُتَابُ
 دریا میں سوار نہ ہو گویا جی یا غازی یا مہرہ کرنا لا کھینے
 کیا سوائے ان تینوں کے دروں کو سفر دیا حرام ہے
 مرنے والے حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔
 اعتراف (۲) اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ۔ پھر کس چیز کو ڈھونڈنے کے لئے ادیار کے مزاروں پر
 سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا یہ ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب ۱۔ ادیار اللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی
 پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا پڑتا ہے اگر وہ جگہ لائن پر کھڑا
 ہو گئے تو ریل گزریگی تو وہی گزرتی نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں
 کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی اللہ اعراض
 اور وہ تو ہر جگہ ہے آب و ہوا بدنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو وہاں کی آب و ہوا تو سندرستی
 کو مفید ہو۔ لیکن ادیار کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت
 خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے هَذَا
 دَعَا كَيْتَا رَبِّهِ مَعْلُومٌ ہذا کہہ کر کیا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا
 کی یعنی ولید کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے معلوم ہوا کہ قبور ادیار کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔
 اعتراف (۳) جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اسکو زیارت گاہ بنایا تھا۔ حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور ادیار کو زیارت گاہ بنانا فعل عمرؓ کے خلاف ہے۔

جواب ۲۔ یہ محض غلطی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو برگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت
 قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت
 کی زیارت شروع کر دی تھی اس غلطی سے بچانے کے لئے فادق اعظم نے اس دوسرے درخت کو
 کٹوایا۔ اگر فادق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک
 تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ مسلم جلد
 دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوة الحديبية میں ابن مسیب
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ كَانَ | میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے

اَبِي مَيَّنَ بَايَعُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ قَاتِلْهُنَا فِي قَابِلٍ حَاجِبَةٍ
فَنَحْنُ عَلَيْهِنَا مَكَانَهُمَا۔

بخاری میں ہے فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ الْعَامَةِ لِلْقَبْرِ
لَمَيِّنَا هَا فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهِمَا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے پاس
بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ
جج کے لیے گئے۔ تو اس کی جگہ ہم پر غنی ہو گئی۔
پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے
اور اس کو پا نہ سکے۔

پھر یہ کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اصل درخت کٹوایا۔

بحث کفنی یا الفنی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوسرے
کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث
صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے
ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب کفنی یا الفنی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے
قرآن فرماتا ہے وَيَتَّقُوا اللَّهَ الْوَسِيلَةَ۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا هَذَا هَبُوا لِيَقْبِضُوا
هَذَا فَالْقَهْرُ مَعِيَ اِنِّي يَأْتِ بَصِيرًا۔ میری قمیص بے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیاں
ہو جائیں گے معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ قرآن
ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل میت میں ام عتیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول
علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے
اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر ہم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات

میں ہے هَذَا الْعَبْدُ يَتَّكِلُ فِي التَّوَكُّلِ
يَأْتِي الصَّالِحِينَ وَيَسْأَلُهُمْ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ
مُرِيدِي الْمَشَارِقِ مِنْ لَيْسَ أَقْوَمِهِمْ فِي الْقَبْرِ

یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور انکے کپڑوں سے
برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض
مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔

اسی حدیث کے ماتحت اشعة اللغات شریف میں ہے دریں جا استجاب تبرک است لباس صلحین
و آثار ایشال بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز چھینیں ہووے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے
لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے
تھایہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاسرار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال
میں فرماتے ہیں۔ "پہوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض آیات و کلمات کہ مناسب معنی عفو
مغفرت باشد در کاغذ سے بنوئی و پاکفن سپراہ کنی۔ جب انکی وفات کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ بعضے
اشعار اور کلمات جو کہ عفو بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا
شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ "شجرہ در قبر نہاد معمول بزرگان
لیکن اس را دو طریق است اول اینکه بر سبزه مرده درون کفن یا بالائے کفن گذارند اس طریق را فقہاء منع
سے کنند و طریق دوم اس است کہ جانب سر مرده اندرون قبر طاقہ بگذارند دوران کاغذ شجرہ را نہند
قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مرے کے سینہ پر
کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مرے کے سر کی طرف قبر
میں طاقہ بنگر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔
اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب
الجنائز باب مَنْ أَخَذَ الْكُفْنَ میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر
تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور
علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رو کر ناعادت کر دینے نہیں تھے کیوں مانگ
لیا۔ انہوں نے کہا واللہ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيَسْهَأَ إِنَّمَا
سَأَلْتُهُ لِتَكُونَ كَفْنِي قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفْنُهُ

اللہ کی قسم میں نے مننے کیلئے نہیں دیا ہے میں نے تو
اس سے دیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ یہی اس کا کفن

ابو نعیم نے معرۃ الصحابہ میں اور دہلی میں مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے۔ پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا

اِنَّ الْبَسْمَہَا لَتُکَلِّسُ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَانْ تَلْعَلُجَعَتْ
مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لَخَفِيفٌ عَنْهَا ضَخْمَةُ الْقَابِرِ۔
قمیص تو ایسے پستانی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی قبر میں آرام۔ ایسے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر در نہ ہو۔

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے وقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَحَدَّثَ ذَلِكَ الشَّخْرُ وَالْكَافُّوْنَ فَاجْعَلُوْهُ فِي
قَبْرِیْ وَعَلَى عَذِیْبٍ وَمَوَاضِیْعِ السَّجُوْدِ مِیْتِیْ۔
اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو اور انکو میرے منہ میں اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضا و سجدہ پر رکھ دینا۔

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمن رو اسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہوتی ہوں الحسین مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ تو انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنِ سَنَّ هَذِهِ الدُّعَاءَ وَجَعَلَهُ بَيْنَ حَدِّ رَأْسِهِ وَكَفْنِهِ فِي رُفْعَةٍ لَمْ يَنْلَهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا يَرَى مَثَرًا وَلَا يَكُونُ۔
جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔

فتاویٰ کبریٰ للعلی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

اِنَّ هَذِهِ الدُّعَاءَ لَهُ اَصْلٌ وَاَنَّ الْفَقِيْهَةَ ابْنِ
عَجِيْلٍ كَانَ يَأْمُرُ بِهِ لَمَّا اُتِيَ بِجَوَادٍ كَتَبَتْهُ
قِيَاسًا عَلٰی كِتَابَةِ اللّٰهِ فِي قَبْرِ الزَّكَاوَةِ۔
اس دعا کا اصل ہے اور فقہ ابن عجل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے انٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔

وہ دعایا ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ الْحَقُّ الْحَقُّ
 میں ترمذی سے نقل کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اُسے
 مہر لگا کر قیامت کے لینے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لاکر
 نذر کرے گا کہ عہد دے کہاں میں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ دَعْنِ طَائِفًا
 أَنَّهُ أَمْرٌ بِذَلِكَ أَطْلَقَتْ فَكُتِبَ فِي كُفْنِهِ الْحَقُّ الْحَقُّ وَحُفَّتْ طَاوُسٌ سَمَوِيٌّ بِهِيَ رَاغِبُونَ
 نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وحیز امام کروری کتاب الاستحسان میں ہے۔

وَذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ وَكَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ
 الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عَمَامَتِهِ أَوْ كُفْنِهِ عَهْدَ نَامَةِ
 يُرْجَى أَنْ يَعْرِفَ اللَّهُ تَعَالَى الْمَيِّتَ وَيَجْعَلَهُ
 آمِنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔
 امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے
 یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ قیامت
 کی بخشش فرما دے اور عذاب قبر سے
 امن دے۔

در مختار جلد اول باب الشہید کے کچھ قبل ہے۔

میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید
 ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے۔

در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھو دی جاوے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟
 اس نے کہا کہ بعد دفن ملا کہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الہی
 بچ گیا۔ فتاویٰ بزاز میں کتاب الجنایات کے کچھ قبل ہے۔

وَذَكَرَ الْإِمَامُ الصَّفَّارُ وَكَتَبَ عَلَى جَبْهَةِ
 الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عَمَامَتِهِ أَوْ كُفْنِهِ عَهْدَ نَامَةِ يُرْجَى
 أَنْ يَعْرِفَ اللَّهُ تَعَالَى الْمَيِّتَ وَيَجْعَلَهُ آمِنًا مِنْ عَذَابِ
 الْقَبْرِ قَالَ نَصِيرُ هَذَا رَدَّيَاةً فِي تَجْوِيزِ ذَلِكَ وَ
 تَذَرِيٍّ أَيْ أَنَّهُ كَانَ مَكْتُوبًا عَلَى أَغْذَاؤِهَا فِي
 اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو
 امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو
 عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا
 کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے
 اور مردی ہے کہ فاروق اعظم کے اصطلح کے

أَصْطَبَلِ الْفَاسُ دُوقِ حَيْسٍ فِي سَيْنِيلِ اللَّهِ | گھڑوں کی راتوں پر لکھا تھا۔ حَيْسٌ فِي سَيْنِيلِ اللَّهِ ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیر پیش کی جا سکتی ہیں مگر ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لیے الحرف الحسن یا فنادوی رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

عقل بھی جاہلی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس دھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لٹکی ہوئی ہو اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لیے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام کچا بنادیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یا رآنے کی امید ہے یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لَقِّنُوا مَوْتَكُمْ میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر تیسرے اس لیے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرا یا جوادل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے اَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری در روح البیان سورہ کہف زیر آیت مَا يَخْلَعُ الْاَقْلِيلُ اور تفسیر صادی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنے جگہ کام آتے ہیں۔ گئی چڑھ تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت بھاگنے کے وقت آگ بجھانے کے لیے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دو دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لیے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر کڑی میں لٹکا کر دریاں کھیت میں کھردی کر دی جاوے۔ اور بخار و دوسرے کے لیے حاکم شمس کے پاس جانے کے وقت سیدی لانے لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کیلئے۔ دریا میں سوار ہونے وقت اور قتل سے بچنے کے لیے راز الحوت الحسن و تفسیر خزان العرفان و حمل، عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں یسعیٰ، کشلینا، مشلینا، مرنوش، دبرنوش، شاذنوش، مرطوش در روح البیان سورہ کہف آیت مَا يَخْلَعُ الْاَقْلِيلُ محدثین کبھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں ذَوِّ قُرْبَىٰ هَذِهِ الْاِسْنَادُ عَلٰی تَحْنُوْنٍ كَبْرًا مِّنْ جَهَنَّمَ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔ اصحاب بدر کے نام کے وظیفہ پڑھے جاتے ہیں۔ تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔ اور بعد موت بیکار ہوں۔ یہ نہیں ہو سکتا ہر دوران سے فائدہ ہو گا ہر

میت کے لیے کفن وغیرہ پر ضرور مہنامہ لکھا جاوے۔

دوسرا باب

کفنی کھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض (۱) اودہ ہی پرانا سن کر کفنی (الفن) کھنا بدعت ہے۔ لہذا حرام ہے۔

جواب :- ہمارے گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور

اگر بدعت بھی ہو تو بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲) کفنی کو تلفیق سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مرد بے پردہ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب :- بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ یہ حالت اس عالم میں ہو سکتی ہے دلوں میں نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے اور یکو شامی کتاب الکریمیت (احادیث) میں دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مرد سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے رب تعالیٰ نے ميثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد دیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدد میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال دکھے ہوئے ہی دیئے جائیں گے۔ اور قابل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض (۳) علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التہنید کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت چھوے پھٹگی تو اس کے پیپ و خون میں یہ حروف خواب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہوگی لہذا یہ ناجائز ہے و خدا الفیض عام طور پر یہی سوال کرتے ہیں۔

جواب :- اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر لکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے۔

اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ ہند نامہ قبر میں طاقہ میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں رسول کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لیئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

فَعَمَّ قَوْلُهُ عَنْ بَعْضِ الْمُحَقِّقِينَ عَلَى تَوَكُّدِ الشَّرْحِ أَنَّ مِمَّا يَكْتَسِبُ عَلَى جَوَاقِعِ الْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ بِإِلَافَةِ الْكَلِمَةِ الْمُسَبَّحَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَعَلَى الصَّدْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَذَلِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَوْلَ الْمُحَقِّقِينَ۔

بعض محققین نے فوائد الشرحی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ ہزاریہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ ہواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر حنفی ہیں تو کیا اصناف کے حکم کے مقابل شرافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مراد کو نامہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کیے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی محنت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوا یا حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خون و سپ میں تھرنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظّمہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں اب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دعو کرنا مباح۔ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خورہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پیش کرنا میں جاتے ہیں اور دلوں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حَبِيسٌ فِي سَيْبِلِ اللَّهِ حَالَا لَمْ يَكُنْ يَكْفِيهِمْ فِي مِثَابِ كِي مَحْشِيَتِهِ

پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے غصہ زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ اصناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں مدہ شاخ ابن حجر رمتی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر اقبلا کے لیے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لیے موجود تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حرمت کا حکم نہیں بدلتا۔ غرض کہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال ائمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی القہر کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت کی پیش کر دو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا حلو ثابت ہو سکتا ہے مگر کرامیت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ قرآن اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کرامت کیونکہ ہر دلیل ہے۔

اعترض (۴) عبد نامہ یا شجرہ قبریں رکھنا امرات ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا۔ نہیں برباد ہو جاوے گا۔ اور امرات حرام ہے۔

جواب : چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو امرات بھی نہیں۔

اعترض (۵) حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا۔ کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ درہم آپ اس کو اپنا لعاب دہن و لباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن و درخ میں جاسکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق روز خلی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب : اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص پہنایا۔ کفنی ہی پہنائی تھی۔ ہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے سے ہم نے جاننا۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقاید کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کبھی خبر قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی

انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص بن کر
 تھا۔ جس کی دلجوئی منظور تھی۔ دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی نقیب پہنائی تھی۔ آپ نے
 چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر
 ایک پر رحم فرمائے کو تیار ہیں کوئی فیض سے یا نہ ملے۔ بادل بہترین پر برستا ہے مگر نال وغیرہ گندی
 زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ بلکہ
 نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہو گا۔ کنگان ابن نوح کا دوزخ میں جانا
 شکل انسانی میں ہے یعنی وہ لطف جب کچھ اور بن گیا تب بہتر میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور
 کے خد کا خون پایا تو فرمایا کہ تم پر انش دوزخ حرام ہے۔

بحث ۱۹۔ بلیت اور آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشاء بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیل یہ ہے کہ ذکر بالجمہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجمہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔

پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب
ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن وحدیث واقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے کَذُرُّوا الذِّكْرَ کَذْرًا
کَذْرًا کَذْرًا اَبَاءُ کُفْرًا اَشْدَّ ذِکْرًا اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ داروں کا ذکر کرتے ہو بلکہ
اس سے زیادہ۔ کفار کفر حج سے فدا کر جو کچھ میں اپنی قومی خوبیاں اور نسی عظیمیں بیان کیا کرتے تھے
اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تبلیہ بلند آواز
سے پڑھنا سنت ہے خواہ کچھ جماعتوں کے ملنے کے وقت رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْمِعُوا لَهُ وَ
الْأَصْوَاتُ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ۔

جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔
اور خاموش رہو۔

معلوم ہو کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالغیر ہی سنا جا سکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیرہ) ہی آیت مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُولُ يَسْمِعُهَا عَلَى الْأَلَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔

حضرت علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے
تو بلند آواز سے فرماتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَخِيراً فِي أَقْصَاءِ
صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَكْثَرِ
يَعْنِي عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بوجہ صغیر سی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرما
ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ
اب نماز ختم ہوئی۔ لعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمْ يَخْضِرِ الْجَمَاعَةَ
لِأَنَّهُ كَانَ ضَعِيفًا مِمَّنْ لَا يَوَاطِبُ عَلَى ذَلِكَ۔

حضرت ابن عباس بچے تھے اس لیے جماعت میں
پابندی سے نہ آتے تھے۔

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
إِنْ سَمِعَ الصَّوْتِ بِالْإِذْكَارِ حِينَ يَسْمَعُونَ النَّاسُ مِنَ الْيَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فَرِيقُ سَمِعَ فَارَغَ بَوَّكُ بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج
تھا۔ مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِنْ دَكَّرَنِي فِي مَلَأَةٍ دَكَّرْتُهُ فِي نَفْسِي
وَإِنْ دَكَّرَنِي فِي مَلَأَةٍ دَكَّرْتُهُ فِي مَلَأَةٍ
خَيْرٌ مِنْهُمْ۔

جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے
نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو
ہم بھی اس بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع

ملاک میں) جامع صغیر میں ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے

سَلَّمَ الْكَلْبُ فِي الْجَنَّةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ | فرمایا کہ جنازہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ زیادہ کہا کرو۔
 اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کو باہر طرح جائز ہے بلند آواز سے پڑھا
 خفیہ رسالہ آؤ کار مطبوعہ دہلی مصنف شیخ محمد تقی مودنی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۱۱ میں ہے
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُجَاهِدُ الْقَعَابَةَ بِأَزْدِ كَارِ وَالْثَّاهِيلِ وَالْتَّاسِجِ بَعْدَ الصَّلَاةِ
 تفسیر ابن البیان پارہ ۱ بیت ۱۱۱۱ اَخْلَفَتْ هَذَا اَبَاطِلًا سَمِعْتُكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے۔
 بلند آواز سے ذکر کرنا ہمارے بلکہ مستحب ہے جبکہ یہ
 سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی ہر بات میں
 سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سے ذکر
 میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک
 ذکر و ذکر کے ایوان کی گواہی دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے معنی فائدہ ہے میں تفسیر خازن درود البیان پارہ ۲ میں فرماتا
 آیت وَاتَّقُوا اللَّهَ إِذْ تَدْعُوهُ قَوْلًا يَكُونُ لَكُمْ حُكْمًا | سیدنا ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ
 آج رات ہم نے تمہاری قرأت قرآن کی تم کو توراؤسی آواز دی گئی ہے ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔
 قَفَلْتُ أَمَّا اللَّهُ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَسْمَعُ لَهَوْتُهُ
 میں نے عرض کیا کہ آپ کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاف
 قرآن سن ہے میں صلی اللہ علیہ وسلم تو میں بھی آواز بنا کر پڑھتا
 ۲۱ حدیث سے روایت میں معلوم ہو رہی۔ اولاً یہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی پھر
 یہ کہ ذکر اور قرأت قرآن عبارت الہی ہے اور عین عبارت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تخاصی سے
 حَمَامَةُ جَرَعَتْ حَوْمَةَ الْجُدَالِ السَّجْعِيَّ + فَأَنْتَ بِمَدَائِي مِنْ سَعَادَةٍ وَمُسْتَعْبَى

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوة اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے بشارت صحابہ
 کرام کا امتحان لینے رہے تشریف لے گئے کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق
 اکبر تو بیٹ آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم غریب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے دیر دریا
 فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ فَحِيتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا حَبِيبَ اللَّهِ جس کو سنانا منظور تھا اس

کو میں نے سنا یہ یعنی رب کو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اَوْ قَطُّ اَوْ شَتَّانَ وَاَطَرُ الشَّيْطَانِ سَوْتُونَ کو جگارا تھا۔ شیطان کو جگکارا تھا۔ سبحان اللہ و نون جواب مبارک میں کسی پرناڑنگی نہ فرمائی۔ بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ لپیٹ کر وہ صلی اللہ علیہ و علیہم اجمعین۔

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت پرہیز راضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یریا کار ہے فرمایا بَلْ مُؤْمِنٌ صَنِيعٌ نہیں بلکہ تو بہ کر نیو الامؤمن ہے عالمگیری کتاب الکرامۃ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح و قراءۃ القرآن میں ہے۔ قاض عیسیٰ ؒ جَمْعٌ عَظِيمٌ يَفْعُوْنَ اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ جَمْلَةً لَا يَأْتِيَنَّ بِهٖ كَسِي فاضلی کے پاس بہت بڑی جماعت ہواوردہ سب مل کر بلند آواز سے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلَا فَضْلٌ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَاصَرَجَ الصَّلٰوةِ الْجَمْعِہُ۔ نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔

عالمگیری یہی مقام اَمَّا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ لَا يَأْتِيَنَّ بِذَلِكَ وَاِنْ رَاقَعَ مَوْتَهُ سُبْحَانَ اللّٰہِ یا لا الہ الا اللہ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔ اَجْمَعُ الْعُلَمَاءُ مُسْتَقَرًّا وَخَلْفًا عَلَى اِسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تَشُوْشَ بَهْفُهُمْ عَلَى نَائِمٍ اَوْ مُسَلٍّ اَوْ نَائِمٍ شامی میں اسی جگہ ہے فَقَالَ بَعْضُ اَمَلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْجَمْعَ اَفْضَلُ لِاِنَّهُ الْكُلُّ عَمَلًا وَلِتَعْدِي نَائِمَاتِهِ اِلَى السَّامِعِيْنَ وَيُوْثِقُ قُلُوبَ الْعَاثِلِيْنَ فَيَجْمَعُ هَمَّهُ اِلَى الذِّكْرِ يَسْرُرُ سَمْعَهُ اِلَيْهِ وَيُطِرُّ التَّوَمُّ وَيُزِيْدُ النِّشَاطَ۔

ورمناہ باب صلوٰۃ الصیدین بحث تکبیر تشریح میں ہے۔ ولا یمنع العامة من التکلیف فی الاسوات بقر عید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں

فی الْاَيَّامِ الْغَضْرِ وَبِهِ نَأْخُذُ۔ | میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکواسی کو ہم اختیار کرتے ہیں
غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یا اگرچہ بدعت ہے
مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

تَبَيَّنَ لِي فِي حَيْفَةِ يَسْبَغِي لِأَهْلِ الْكُوْفَةِ
وَعَبْرَهَا أَنْ يَكْبُرُوا أَيَّامَ الْغَضْرِ فِي الْأَسْوَاقِ
وَالْمُسْجِدِ قَالَ لَعَمْرُكَ قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ
وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَسْبَغِي أَنْ تَمْنَعَ
الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقَلَّةِ رَعِيَّتِهِمْ فِي الْغَضْرِ وَبِهِ
نَأْخُذُ فَأَمَّا دَانَ فَعَلَّهُ أَوْلَى۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوہ دغیرہ
کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں
اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابو
جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ
عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی
کار خیر میں کمر بستہ رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنف امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے یُسْتَعْبَدُ لِقَامَرِي الْيَدِيبِ
وَعَابَرِهِ مَشْنُوعٍ فِي مَعْنَاهُ اِذَا ذَكَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَزْفَعَ صَوْتَهُ بِالصَّلَاةِ
عَلَيْهِ وَالسَّلَامِ بِهِ وَكَانَ النَّصُّ الْعُلَمَاءُ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلَى أَنَّهُ يُسْتَعْبَدُ أَنْ يَزْفَعَ
صَوْتَهُ بِالصَّلَاةِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّكْبِيرِ يَعْنِي حَدِيثَ شَرِيفٍ پڑھنے
والوں وغیرہم کو چاہیے کہ جب حضور کا ذکر ہو تو بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھیں ہمارے علماء نے
تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات میں کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی
جاتی ہے۔ محمد اللہ تعالیٰ عنہما الفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ
فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الخط والاباحہ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر
بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی
ذکر ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نقل ہے۔ دلائل مکروہ ہے اور صحابین
دو دیگر فقہاء و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔

مصرع مدنی لاکھ پر بھار ہے گواہی تیری
اب تو کسی دیوبندی دہائی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے
پلا کر استجواب پڑ جائے۔

حقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ
ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت
لئے آنا، دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ
خفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لئے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ
جہاں تک مؤذن کی آواز مباتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت ایتھے، گھاس، جن دانس قیامت
میں اس کے پیمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر سے بھی اس فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لئے
کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذاکر کو ہے مگر ذکر بالجہر کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار
ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب
ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے
شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب اقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض
کیا تھا اَطَوُّهُ الشَّيْطَانُ جس سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لئے ذکر بالجہر میں
شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں
اکثر نیند بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریریں اس صورت میں ہے کہ جب ریاکاری کے لئے نہ ہو اگر ریا کیلئے
ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس
اسرارہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یا دوسری گوشہ تنہائی ہو + پھر تو خلوت میں غیب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اویلا ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہوا در لذت تنہائی ہو

برود حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی
حضرات جلوت میں خلوت مگر کَلَامَ عِنْدَ اللَّهِ الْحُسْنَى اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا

یہ اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو سختی دے بھر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے سختی والوں کو یہ ساری گفتگوں دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ ناس کار میکنم و نہ انکار میکنم یعنی اللہ عنہم انہیں۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر محققین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ ہم اولاً نقلی اعتراضات میں جواب عرض کرتے ہیں
اعتراض (۱) اَوَاذُكَ رَبِّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخَفِيَّةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنْ الْقَوْلِ بِالْعَدُوَّةِ وَالْأَصْلِ
 اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر دزاری اور ڈر سے اور بغیر آواز بکھلے صبح و شام۔
 اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دل ہی میں چاہیے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نازل میں قنوت یا مقتدی ہر نماز میں یا التعمیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالتے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَمَنْ أَمَرَنِي صَلَاةَ الْجَهْرِ يَسْبِغُنِي لَهُ أَنْ لَا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيدًا أَبْلَقْتَهُ عَلَى قَدِيمًا يَسْمَعُهُ مَنْ خَلْفَهُ قَالَ فِي الْكُتُبِ لَا يَجْهَرُ قَوْلَ حَاجَةِ النَّاسِ وَالْأَفْهَمُ مِيسَى
 جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قنوت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چرخے ورنہ گنہگار ہوگا۔

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَقَعَ ذَلِكَ إِلَهًا كَرُحِيصَةٍ يَكُونُ شَطْرًا لِلَّهِ الْجَهْرِ وَالْعَافَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَجْهَرُ لِعَنِي مَرُوبٍ ہے کہ جہر و اخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہیے۔ تفسیر نازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَعَنَّى بِالْمَدِّ كَمَا تَعَنَّى ابْنُ فِي الصَّلَاةِ يُرِيدُ أَمْرًا مِثْلَ ابْنِ نَفْسِكَ
 حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد ناز میں تلاوت قرآن ہے مقصد یہ ہے کہ دل میں تہمت نہ کر و خور قرآن کریم نہ دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

وَلَا تَجْعَلْهُ بَصْدًا لِّكَ وَلَا تَصَافِيْهُ بِهَا وَ
وَاتَّبَعْ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔

اور اپنی نماز نہ ہیبت آواز سے پڑھو نہ بالکل
آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد
یہ ہے کہ ذکر محض قلبی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اسکے بغیر ذکر بیکار ہے غرض کہ اسی آیت
کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد
ہے کہ قلب میں خدا سے قدوس کی عظمت موجود ہو
یعنی جیکر بانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے
فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حامل کرنا
اور خدا سے تقائے کی عظمت کا دل
میں لانا ہے۔

کے ماتحت ہے وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالذِّكْرِ فِي النَّفْسِ
اَنْ يَسْتَحْضِرَ فِي قَلْبِهِ عَظَمَةَ الْمُنْكَرِ حَتَّى يَجْلِسَ
اسی خازن میں ہے وَ اِذَا كَانَ الَّذِي حُذِرُ
بِاللسَانِ عَلِيْرِيًّا عَنِ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عِدِيمَ
الْفَائِدَةِ وَ لَئِنْ قَارَيْتَهُ الَّذِي كُوْخَصُّوْا الْقَلْبَ
وَلَسْتَ تَعْلَمُهُ عَظَمَةَ الْمُنْكَرِ حَتَّى يَجْلِسَ

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر ہے یعنی یادِ استجابی ہے اور استجاب
بھی بروقت اور برحیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لیے یہ آیت اس آیت کے بعد
ہے کہ وَ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِزَّ بِاللّٰهِ تَوَدُّوْنَ آيٰتُوْنَ کے ماننے سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی کبھی بالجہر
چاہیے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر
جہر میں خوفِ ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے
جاگ جاوے اور تمام چیزیں قیامت کے دن دکھ کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہتر ہے۔ روح البیان
میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ وَهُوَ الَّذِي كُوِيَ
اَلْكَلَامُ يُخْفَى فَاِنَّ الْاِخْفَاءَ اَدْخَلَ فِي الْاِخْلَاصِ
وَاَقْرَبُ مِنَ الْاِجَابَةِ وَهَذَا الَّذِي كُوِيَ اَلَا كَلَامُ
كُلِّهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَالدَّعَاءِ وَغَيْرِهَا۔

اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کا اخلاص میں
زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب
ہے اور یہ ذکر قیام ذکر دل اور قنوت اور دعائوں
کو شامل ہے۔

آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کر یا کا خوف
ہو یا قارئین یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے اَنَّ
اَلْاِخْفَاءَ اَفْضَلُ حَيْثُ خَافَ الرَّبَّ يَأْتِ اَوْ تَأَذَّى

الْمُسْتَلُونَ وَالْمُتَأَمِّنُونَ وَالْجَهْرُ أَفْضَلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ
لَا تَلْعَلُ الْعَمَلُ فِيهِ الْكُفْرُ لَدُنْ فَائِدَتَهُ تَتَعَدَّى
إِلَى السَّامِعِينَ وَلَا تَلْعَلُ يُوقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ جَمِيعُ
هَمَّتِهِ وَيُصِرُّ سَمْعَهُ إِلَيْهِ -

اعتراف (۲) وادعو اس کے لئے نصراً وحقیقہ
انہ لا یحیی المتعدین -

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے -

جواب - اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہی کا
واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے -
یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے
ہوئے دعا کرتا کہ قبولیت قریب ہو کیونکہ چپکے سے
دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے
کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقہ دعا ہے اور یہ
بھی صحیح ہے کیونکہ ما سوال اور طلب ہے اور
یہ ایک قسم کی عبادت ہے -

أَمْ مَتَّضَتْ عَيْنٌ مَتَدَلِّينَ مُخَفِّفِينَ الدُّعَاءَ
يَكُونُ أَقْرَبَ إِلَى الْإِجَابَةِ يَكُونُ الْإِخْفَاءُ
دَلِيلَ الْإِخْلَاصِ وَالِاخْتِيَارِ عَنْ التَّيَرَاءِ
تفسير خازن یہی آیت دلیل المراد بہ حقیقۃ
الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّيْحَمُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ التَّوَلَّى
وَالطَّلَبُ وَهُوَ دَعْوٌ مِنَ الْعِبَادَةِ -

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے وَلَا دُبَّ فِي
الدُّعَاءِ أَنْ يَكُونَ خَفِيًّا لِهَذِهِ الْكَايَةِ قَالَ الْحَسَنُ
دَعْوَةُ النَّسْرِ وَدَعْوَةُ الْعَدَائِيَّةِ سَبْعُونَ ضِعْفًا

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے
حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعا
بلکہ ہیں -

یاد رہے کہ بعض حالات میں ذکر الہی خفیہ اور بہتر ہے یعنی ادعائے مراد ہر ذکر الہی ہے اور یہ امر استہجابی
ہے اور یہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے - تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے -

فَدَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ إِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ
وَالْعِبَادَاتِ أَفْضَلُ مِنْ إِظْهَارِهَا لِهَذِهِ الْكَايَةِ
وَيَكُونُهَا أَبْعَدَ مِنَ التَّيَرَاءِ وَدَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا
ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے
اور اس لئے کہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض

أَن كُفِّرُوا كَمَا أَنَّتْ لِيَقْتَدِي بِأَلْفِ مِائَةٍ
مِثْلَ مِثْلِهِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنْ يَطْعَمَهُ
الْعِبَادُ لِبِالْفَرَصَةِ أَفْضَلُ مِنْ إِعْقَادِ مَا
اعْتَرَضَ (۳۱) وَإِذَا سَأَلْتَ عِبَادِي نِعْمَتِي قُلْتُ
قَرِيبٌ أَجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا رَأَى عَذَابَ

فرماتے ہیں کہ اللہ ہر فضل سے بہت زیادہ دیر سے
بھی اس کی پیروی کر کے جہالت کریں اور بعض فرما
ہیں کہ فرشتے عبادات کا ہمارا انصاف سے بہتر ہے
اور اسے محبوب جب تم سے میرے بند سے مجھے جو میں
میں نزدیک سے عاقبتوں کے نام پر پکارتے ہیں کہ جگہ پکارتے

اس آیت کو یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سننا ہے
پھر بلند آواز سے پکارنا ہے کار ہے۔

جواب۔ اس آیت کو یہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو ذکر باجمہر سمجھ کر کریں کہ
خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر باجمہر تو غافل
قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَسَبَّحُ تَوَلَّيْهِ مَا مَرَّتْ بِأَنِّي اعْتَرِيتُ قَالَ
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرْتَنِي
رَبِّي أَنِّي أَتَيْتُهُ أَمْرًا بَعِيدًا فَنَادَيْتُهُ فَقَالَ
تَعَالَى۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے
حضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب
ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ
اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا بڑے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کو یہ غزوہ خیبر کے
موقع پر اتنی جگہ لوگ نعرہ تکبیر گانا چاہتے تھے اور حضرت علیہ السلام کا فشار تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچے باوجود
کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُولُ
اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى الْخَيْبَرِ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَى
وَادِعَةٍ قَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْتَّكْبِيرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
ارْجِعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ لَا تَأْخُذُوا عَوْنًا صَمَّ وَرَأَى عَالِيَا
روح البیان یہی آیت لہذا یا عتبارا لمتشاب
وَالْقَامَاتِ وَاللَّيْلِ بِحَالِ الْغَفْلَةِ الْجَمْعُ بَقِيَّةِ الْعَمَلِ

جید حضرت علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ
کسی اونچے جگہ پر چڑھ کر تو انہوں نے بلند آواز سے
تکبیر کہی پس حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی جہازوں
پر نرمی کو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے
یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے
حال کے لئے ذکر باجمہر ہے بڑے خیالات کو رفع کرنے کے لئے

اعتراف دوم: مشکوٰۃ کتاب الاسما باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے۔

تَجْعَلُ النَّاسَ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِسْرُ بَعْدَ اعْلَ
الْتِمَاسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَحَقَّكُمْ وَلَا غَايِبًا إِنَّكُمْ
تَدْعُونَ سَيِّئًا بَصِيرًا دَعْوَتُكُمْ ذَاكَ الَّذِي تَدْعُونَ
أَقْرَبَ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عَيْنِي مَرَّاجِلَتِهِ۔

با آواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے
فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے
کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے
ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم پکارتے ہو وہ تم
بمقامہ تمہاری سواروں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث ہے۔

جواب :- اس کا جواب ضمناً سوال ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقع
کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بجہ اطلاع خیر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیر جنگ
کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کی جو نہ کہ موقع کے حالات تھا لہذا رد کر دیا گیا۔ اسی
حدیث کی ابتدا اس طرح ہے کَتَمَعَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ تَجْعَلُ النَّاسُ
يَجْهَرُونَ الْحَمْدَ بِمَا يَكُ سَفَرٍ فِيهِ تَقَرُّوا لَوْ كُنْتُمْ تَدْعُونَ أَحَدًا لَدُنَّكُمْ لَكُنْتُمْ تَدْعُونَ أَحَدًا لَدُنَّكُمْ
يَسِيرًا مَشُورًا يَفْرَأُ يَكُنْ سَفَرٌ فِيهِ مَشَقَّةٌ فِيهِ مَشَقَّةٌ يَحْتَفِلُ فِيهِ مَشَقَّةٌ يَحْتَفِلُ فِيهِ مَشَقَّةٌ
ضرورت سے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمُتَمَعَّ مِنَ الْجَهْرِ لِلْيَسْرِ
وَالْإِثَابِ لَا يَكُونُ الْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ۔

اس حدیث میں اس طرز اشارہ ہے کہ یہ بہرے
ممانعت محض آسانی کیلئے ہے نہ اسلئے کہ جہر منع ہے۔

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے وہیں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و
نرمی است نہ از ہمت نامشروعیت و ذکر جہر حق آنست و ذکر جہر مشروع است بے شرط مگر بعد از ان میں اراد
رسا اور اثبات نمودیم۔ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ
اسلئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلا شرط مشروع ہے لیکن کمی وجہ سے اور ہم اسکا ثبوت سالار واد میں دیا ہے۔
اعتراف (۵) ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

وَأَخَذَ يَقُولُ بِأَنِّي مَسْعُودٌ أَخَذَ بِأَلَا قُلِّ
لَاَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ سَيِّئَةً۔

امام ابو حنیفہؒ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول
لیا کہ کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

اور بدعت میں کسی بہتر سے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک یہ نماز فرض کے تکیہ تشریف لکھا چاہیے۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہاد بدعت ہے اور بدعت میں کسی بہتر اس لیے صرف دو دن تکیہ کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہاد بدعت ہے۔ اسی ہدیہ میں اسی فصل تکبیرات التشریعی میں ہے۔

وَلَا تَجْهَرُ بِالتَّكْبِيرِ خِلَابَ الشَّعَةِ
وَالشَّرْعِ دُونَ ذَلِكَ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هَذِهِ الشَّرَاطِطِ

اور اس لیے کہ تکبیر بالجہاد خلاف سنت ہے اور اس کا تکمیل ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

جواب۔ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکیہ تشریفی کے وجوب میں ہے مذکور جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوذ کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی۔ کیسے اس بدعت کی اہواز کیوں دی؟ شامی باب صلوۃ العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافَةُ فِي الْأَفْضَلِيَّةِ أَمَّا الْكِرَاهَةُ
فَمُسْتَفْتِيَةٌ عَنِ الْقُرَّانِيِّينَ

یعنی اختلاف محض انصافیت میں ہے۔ لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔

اسی شامی میں اسی جگہ ہے التَّكْبِيرُ بِالْجَهْرِ فِي
غَيْرِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَا يَنْبَغُ إِلَّا بِأَمْرٍ
أَعْدَا قَا وَلِلصَّوْمِ قَاسٌ عَلَيْهِ بَعْضُهُمْ
الْجَهْرُ وَالنَّهْوُ كُلُّهَا زَادَ الْقَهْطَنِيُّ
أَوْ عَلَا شَرْقًا۔

ایام تشریفی کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا پوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور نام خوفناک چیزوں کو اور ہمسائی نے زیادہ کیا ہے کہ بلند می پر چڑھنے کے وقت۔

در مختار باب العیدین میں ہے وَهَذَا لِلْجَوَائِزِ
أَلْعَوَامِ فَلَا يَسْعَوْنَ عَنْ تَكْبِيرِهِ كَالْتَفْعِلِ أَصْلًا

یہ احکام خاص کیلئے ہیں عوام کو تو نہ تکبیر سے روکو نہ نفل سے۔

شامی میں اسی بحث میں ہے لَا فِي النَّبِيِّ أَيْ لَا يَنْبَغُ وَلَا فِي الْكُفَرِ مَشْرُوعٌ غَوْضُكَ ثَابِتٌ بِمَا
ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں سے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریفی میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولیٰ رشید احمد صاحب کافتویٰ یہ ہی ہے کہ ذکر بالجہاد جائز

ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں کیونکہ بعض ذکر اللہ اور بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقع پر تکبیر تشریف آواز میں آید۔ مجلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث کی وجہ سے قرآنی آیت میں خدگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

اعتراف (۶) فتاویٰ بزاز، صفحہ ۴۸ میں ہے

عَنْ ثَوَابِي الْفَاضِلِ أَنَّهُ خَلَّاهُ
لَمَّا صَحَّ عَنْ ابْنِهِ سَعُودٍ أَنَّهُ اخْرَاجَ
جَمَاعَةً عَنِ الْمَسْجِدِ يَهْلِكُونَ
يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ جَهْلًا وَقَالَ لَهُمْ مَا أَسْرَأَكُمْ
الْأَمْسِي عَيْنٍ - شامی جلد صفحہ

فاضل صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہ سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود ان زاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو دباؤ کہا جاتا ہے یہ ہے انقلاب زمانہ، ان کفرین کیا اور کفر؟ ان (راہ سنت)

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر نہ بھی بدعتی ہونے اور حرام کے مرتکب کیونکہ تمہارے یہی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں موتے میں نہ تم ان بالجہر ذکر کروں پر نتو سے لگاتے ہوتے انہیں لگتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔ جواب: یہ تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزاز اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبادت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔ وَأَمَّا مَرْفُوعُ الصَّوْتِ | بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ

بِالْبَيِّنَاتِ كَمَا فِي الْآذَانِ وَالْطَّبِيعَةِ وَ
الْجَمْعَةِ وَالْحُجَّ وَصَحَابَتِ الْمَسْكِينَةِ
فِي الْخَيْرِيَّةِ وَسُئِلَ مَا فِي تَدَاوُلِهَا عَلَى تَجَهُّلِ الْغَيْبِ

معلوم ہے کہ حضرت ابن مسعود ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اہل کے وقت بیکر لوگ نماز جماعت
سے ادا کرتے تھے یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور

وہی منہ پر تھا خلاصہ یہ کہ نقصان وہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ ہرازیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن
مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر
کس کو نہ روکا اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تا کہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جو ارے مَنِ اخْلَعَتْ
مَنْعَ مَسَاجِدِ اللَّهِ اَنْ يَتْلُوَ فِيهَا كَلِمَةً فَتَاوَلَتْ اَنْ يَتْلُوَ فِيهَا كَلِمَةً فَتَاوَلَتْ اَنْ يَتْلُوَ فِيهَا كَلِمَةً فَتَاوَلَتْ
اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

اَلَا تَرَوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ يُخْرَجُ اَنْ يَكُونَ
لَا يَتَقَرَّبُوْهُمُ الْعِبَادَةُ فِيْهِ وَلِيُعْلَمَ اَنَّهٗمْ
يَبْذُرُوْنَ فِي الْفَعْلِ خَبَائِرَ وَآلِهٖ اَنْ يَكُونَ
غَيْرَ جَائِزٍ لِّعَرَضٍ يَتْلُوْهُ

آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے
ہو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبارت
ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے
جائز کام کچھ کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ وَ اَمَّا مَرَقَعُ الْقَصَبِ بِالْبَيِّنَاتِ كَمَا فِي الْآذَانِ وَالْطَّبِيعَةِ وَالْحُجَّ
مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟
جواب گذر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سامنے کے لیے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لیے ہے۔
جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ
حدیث سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ اس کا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ
وہ انذام میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آدے وہ جائز ہے اور اس کی
پوری تحقیق کو کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے
یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے
ہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجبر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع و رخصت جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہو۔ تب جائز ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشا کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ ورد پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز نظر و عشرہ چحجھ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں بقرید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فراہمی سب لوگ باوازی بلند تین بار تکیر تشریف کہتے ہیں کہ یہ ان ذکروں سے نمازی کا دھیان ٹہتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجبر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجبر کر رہا ہو یہ منع ہے۔ یہ کہ نماز بھی ہو چکی۔ لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے عینے سے سب کے خاموش کرنا چہرے کو کہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اسے نماز پڑھا۔ اسے قرآن یاد کرنا اور اولاد و غلطیوں سے سب خاموش ہو جاؤ۔ جیسا کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اقل کا ہوتا ہے۔ جس پر میت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں بکہ معقر میں صرف جماعت اولیٰ کیلئے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف مشرّع ہوا۔ اور طواف میں دعا و نکل اس قدر ہوتا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہیں وہاں اس ذکر بالجبر کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز کے نکل کی وجہ سے طواف بند کر دے گئے۔

بحث ۲۰ اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لیے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو ذبح کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بسم اللہ پڑھ کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و مسلمان کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جائز اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لیے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ مشرعاً ملال ہے۔ جیسے کہ ولیم کا

جائز مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراض و جوابات۔

پہلا باب اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرد زنج کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑے یا خدا کے سوا کسی اور کا نام لیکر ذبح کرے مثلاً بھائے بھرا اللہ اللہ اکبر کے کہدے یا غوث اور ذبح کرے تو حرام ہے خیال سے کہ اس صلت و حرمت میں ذبح کرنا لے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر پڑا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ **وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعَلَّاهُ** وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد وقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر رضیادی میں اسی آیت کے تحت ہے۔ **أَتَى سُرْقَةَ الصَّوْتِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ بِهَا كَلِمَتَهُ** یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار **بِأَسْمِ اللَّهِ وَالْعَرَبِي عَمْدٌ ذُبِحَ**۔ ذبح کے وقت کہتے تھے۔ **اللّٰهُ وَالْعَرَبِي**

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے تحت ہے۔ **يَأْنُ ذُبِحَ عَلَىٰ اسْمِ غَيْرِهِ** اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے۔

یعنی وہ جانور حرام ہے جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب زیادہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اسکو اس آیت سے اور آیت **وَلَا تَأْكُلُوا أَسْمَاءَ اللَّهِ** یعنی **يَعْنِي مَا ذُبِحَ عَلَىٰ ذِمَّةِ غَيْرِ اسْمِ اللَّهِ** **وَالْعَرَبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَدْعُونَ** **أَسْمَاءَ أَصْنَامِهِمْ عَمْدًا لِيُغَيِّرَ اللَّهُ بِهَا كَلِمَتَهُ** **وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كُم** **يُنْذِرُ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ**

اہل عرب فرج کے وقت جیتے تھے۔ لہذا اللہ عز و جل
والعزیز اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔

تفسیر کبیرہ یہی آیت دکانوا یقُولون عینا لک
یا اہم اللہ والعزیز نعم اللہ تعالیٰ ذلک

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسکو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا
ہوا اور وہ ہے جو بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔

مَعْنَاهُ مَا ذَبَحَ بِهِ كُاسِمٌ غَيْرَ اللَّهِ مِثْلُ
اللَّهِ وَالْعَزِيزِ وَالسَّمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ

یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیلئے ذبح کیا گیا
پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے۔ یعنی اس
پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں
کا یہ کہنا تھا کہ لہم اللات والعزیز۔

تفسیر مدارک میں اس آیت کے ماتحت ہے: أَيْ ذَبَحَ
لِلْأَصْنَامِ أَوْ مِثْلِهِ عَلَى غَيْرِ اسْمِ اللَّهِ أَوْ
رَفَعَ بِهِ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ وَذَلِكَ قَوْلُ
أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ يَا اِهْمُ اللَّاتُ وَالْعَزِيزُ۔

تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ یَعْنِي مَا ذَبَحَ لِلْأَصْنَامِ وَالْعَزِيزُ
أَصْلُ الْأَهْلِيلِ رَفَعَ الصَّوْتِ وَذَلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ بِذِكْرِ الْإِلَهِ عَلَيْهِمْ إِذَا ذَبَحُوا
تفسیر علامہ ابو سعید میں ہے: أَيْ رَفَعَ بِهِ الصَّوْتُ عِندَ ذَبْحِهِ لِلصَّنَمِ۔ تفسیر حسین میں اسی آیت
کے ماتحت ہے: اور سچے آواز پروردگار خود غیر اللہ از بل سے غیر خدا ملاں اور وقت زبحہ ال یعنی بنام
بکشمہ۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا اہل میں اہل سے مراد ہے ذبح کے وقت غیر
خدا کا نام پکارنا۔ بلکہ امر کی زندگی میں کسی طرح نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات
بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کا اہل بہ یعنی اللہ کے ماتحت ہے۔

أَمِنْ هَهُنَا عَلِمَتْ أَنَّ الْبَقْرَةَ الْمُنْدُودَةَ
لِلذَّبْحِ لِيَا نَهَا هُوَ الرَّسْمُ فِي شَرْ مَا نَبَسَا
سَلَا طَبِيبُ كَانَتْ تَهْدِي لِكَا سَمَةِ يَرَا لَلَّ
وَقَتِ الدَّخْلُ وَانْ كَانُوا يَسْتَرْدُّ نَبَا

اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے
یہ نذرمانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج
ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبح کے وقت غیر اللہ
کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس گائے کی نذر ماننے میں

اس میں ترک یا بوجہ شریف کے کہیے گا۔ اس فیصلہ فرمایا نام لیکر اس کتاب کے مصنف مولانا
احمد حنیون علیہ الرحمۃ و بزرگ میں ہر کہ عرب نے کے نام کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو اتنے
ہیں۔ شامی باب الذبح میں ہے اعلم ان

ہر انچلہ سے کہ حکمت محبت کا دار و مدار ذبح

الْمَدَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ ابْتِدَاءِ الدَّجْحِ کے وقت نیت کا ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عالمگیری باب الذبح میں ہے۔
 مَسْلُومٌ ذَبَحَ شَاةَ الْجَوْشِيِّ بِنَيْتٍ نَارِيَةٍ مُسْلِمَانِ نے جوئی کی وہ بکری جو ان کے آتشکدہ کے لیے
 رَازِ بَکْرِیَہِ لَہِ تَرِیْمَ تَوَكَّلَ لِرَأْسِهِ سَخَى اللَّهُ تَعَالَى دَمِکُمْ لَیْسَ لَکُمْ کَدَانِی الشَّارِخَانِیۃَ نَائِلَةً عَنِ جَامِعِ الْفَتْحِ
 یا کافر کی ان بکریں کیلئے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کیلئے
 مکروہ ہے۔ اسی طرح متارخانہ میں جامع الفتاویٰ سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا
 ہے بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے۔ گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرنا دونوں فاسد مگر چونکہ وقت ذبح مسلمان نے
 بسم اللہ کر دیا ہے۔ لہذا جانور حلال ہے۔ کیے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کیلئے بکری سے بھی گیا
 گذرا ہے۔ بکرہ تو حلال مگر یہ بکرا محمد اللہ تعالیٰ کی نیت ہوا کیے گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل با مہرِ ثواب

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱۔ اس آیت نَا أَهْلَ بَہِ یَغْزِیہِ اللہ میں کلمہ اَہْلُ اہلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی الغت
 میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا غواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت
 ذبح وہ مروار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سند کی کاسے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو مرام ہے۔
 (نویسٹ) یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

جواب ۱۔ اہلال کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عربی معنی ہیں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عربی معنی ہی
 اس جگہ مراد ہیں۔ صلوات کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دفن۔ مگر عربی معنی ہیں نماز تو اَتَمُّوْا الصَّلٰوۃ سے نماز فرض
 ہوگی نہ کہ عام دفن۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مآہل کے تحت ہے۔

اَلْاَهْلَالُ سَرَفَعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنٰی
 اَلْاَهْلَالُ فِی اللُّغَةِ ثُمَّ قِیلَ لِلْمُعْجِزِ مَرَّ
 اہلال کے معنی ہیں آواز بلند کرنا پکارنا، یہ معنی
 لغوی میں پھر محرم کو کہا گیا الخ

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للثہاب میں اسی آیت مآہل کے تحت ہے۔
 اَنْی سَرَفَعَ بِہِ الصَّوْتِ اَلْاَهْلَالُ یعنی اسکو پکارا گیا بوقت اہلال کے لغوی معنی ہیں پھر اس

ثُمَّ جَعَلَ عِبَارَةً عَمَّا ذُيِّعَ لِغَيْرِ اللَّهِ - | اہل سے ملوانی گئی ہے کہ وہ جانور جو فیہ خدا کے نام پڑھ کر کھائے

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی مفسرین کے قول تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے قول ملاحظہ ہوں۔ تفسیر رشود میں اسی آیت کے ماتحت ہے: أَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا أَهْلَ الْآيَةِ قَالَ ذِيحٌ وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلٌ يَعْنِي مَا أَهْلٌ لِلطَّوْاعِمِ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا أَهْلٌ قَالَ مَا ذِيحٌ يَعْنِي اللَّهُ وَأَخْرَجَ ابْنُ حَكَّانٍ عَنْ ابْنِ الْأَعْلَاءِ وَمَا أَهْلٌ يَقُولُ مَا ذِيحٌ عَلَيْهِ اسْمٌ غَيْرُ اللَّهِ - تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے: قَالَ الرَّبِّيُّ ابْنُ أَنَسٍ يَعْنِي مَا ذِيحٌ عِنْدَ ذُنُوبِ رَأْسِهِمْ غَيْرُ اللَّهِ - معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا یہ فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پڑا ہوا کھانا۔

جواب ۱۔ دوم یہ ہے کہ قندار سے بنائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔
وَمَا كُفِّرُوا اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَابِيَةٍ وَلَا وَصِيَّةٍ | اہل سے بھیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور دام نہیں مقرر
وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَقْفَرُونَ عَلَى | کئے۔ ایسے کفار اللہ پر جھوٹ بلند کرتے
اللَّهُ الْكَذِبُ - | ہیں۔

یہ چار جانور بھیرہ وغیرہ تھے جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔
قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم پاکر فرمایا کُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الْبَاطِلِ | کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو
تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا وَصِيَّةٍ اور نویدی شریح مسلم کتاب الحجۃ و النعمان باب الصفة التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة صفحہ ۲۸۵ میں ہے۔

الْمُرَادُ أَنْكَارُ مَا خَرَجَ مَوَاطِنُ أَنْفُسِهِمْ مِنَ | یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار
السَّابِيَةِ وَالْبَحِيرَةِ وَالْحَامِ وَأَنَّهُمْ لَمْ يَصِرُوا | کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بھیرہ وغیرہ کہ
حَرَامًا بِتَحْرِيمِهِ - | یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو سائبہ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان سبم اللہ کہہ کر ذبح کرے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالُوا

ہذا اَنَامَ وَحَرَمْتُ حَيْضًا لَا يَطْعَمُهَا الْاَمْسُ نَشَأُوْا بِغَيْرِهِمْ۔ اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی
 روکی ہوئی ہے اس کو وہ بھی کھاتے۔ جس کو تم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں۔ نیز فرماتا ہے وَقَالُوا مَا
 فِيْ بَطْنِ هٰذَا اِلَّا اَنْعَامٌ مِّثْلُ اَصْنٰثٍ يَذْكُرُوْنَ نَادٍ مِّنْ عِنْدِ رَبِّكَ لَوْ كُنْتُمْ عَلٰى اَعْيُنِنَا لَفَنَدْنَا بِالْقَوْلِ جَمْعًا لِّمَا نُنَادِیْكَ فَاِذَا نَادٰی رَبُّكَ بِالنَّارِ فَانبَثُّوا مِنْهَا طَائِفًا مُّتَبَعًا لِّمَا نُنَادِیْكَ فَاِذَا نَادٰی رَبُّكَ بِالنَّارِ فَانبَثُّوا مِنْهَا طَائِفًا مُّتَبَعًا لِّمَا نُنَادِیْكَ
 کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام یہ وہ بھی کھیتیاں اور
 جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید
 فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فائزگی کی نیت سے
 پائے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کراہیل کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں
 ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبادت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے
 بت یا آگ کے چڑھاوے کیلئے جانور مسلمان سے فرج کر لیا۔ مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے
 اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ ادویہ اللہ کے نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے جو
 یہ کہ یہ معنی عقل کے بھی خلاف ہیں اس لیے کہ سب اہل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی
 زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء
 بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جائیں۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے مَا اَهْلُ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ
 اور مردہ چیر جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جانور ہے "ما" میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا
 یا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آتی چاہیئے تو زید کا بکرا، عمر کی بھینس، زید کے آسم، بکر کے باغ کے
 چھل، فلاں کی بیوی، اسم سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ، امام بخاری کی کتاب سب
 ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو خاص مشرک ہوا۔ کہ انکی نسبت
 بخلا اور ترمذی کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلاتی
 سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا۔ اور فلاں کی زوجہ کی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی۔ کبھی
 غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدرآباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دسویں
 لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دولاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمن خان کا استعمال
 تالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خرید لیا۔ پرانے ملکات بھی قیمتی ہوتے ہیں (سرمکار علی پوری)
 غرض کہ اہل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت

نام پر بلا بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور غافل نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اصل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا یا اصل کی حد میں آگیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہو تا تو جراثیمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھر تو یہ کہہ کر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اصل کے معنی لغوی مراد لینے جاویں جب بھی پہلے دہرے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کب فی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی زعمہ ورنہ پھر پھر سے کیا نام نہ ہوگا۔ بغیر ہکے بھی یہ معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جل نے آیت ماحل پر بغیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کر جس جائز پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراف (۲۱) فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے گوشت کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۱۴ میں آتی ہے۔

جواب: ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولیٰ یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون مہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہا ناب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیدہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادت ہے مگر اس میں وقت یا بلکہ کی قید ہے کہ قربانی خاص ناریخوں میں عبادت ہے۔ آگے چھپے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جبکہ نہیں۔ دوسرے پھری کی دھار کی آزمائش کے لئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہو تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کوشادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کیلئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو جیسے کہ مہندہ لوگ بنوں یا دیوی پر جانور کی جھینٹ چوڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کو خیرا

کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کر ذبح کرنا یو اے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔
وَمَا ذُكِرَ عَلَى النَّفْسِ اَوْ حَرَامٍ هُوَ جَانُورٌ جَوْتِیوں پر ذبح کیا جائے اس آیت کی تفسیر میں
سلیمان محل فرماتے ہیں۔

یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بہت
مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بہت کا نام نہ
لیا گیا ہو یا کہ بہت کی تعظیم کیے نہ گیا ہو پس علی
معنی لام ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ
وہاں ما اصل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا
جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بہت
کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔

أَمْی مَا قَصَدَ بِذَبْحِهِ النَّفْسَ وَلَمْ
يَذْكُرْ اسْمَهَا مِثْلَ ذَبْحِهِ بَلْ قَصَدَ
تَعْظِيمَهَا بِذَبْحِهِ فَقَوْلِي بِعَنِّي اللّٰهُمَّ فَلَيْسَ
هَذَا اَمْرًا مَعَ مَا سَبَقَ اِنَّ ذَاكَ فِيمَا
ذَكَرْتَهُ عِنْدَ ذَبْحِهِ اِسْمُ الصَّيْمِ وَهَذَا فِيمَا
قَصَدَ بِذَبْحِهِ تَعْظِيمُ الصَّيْمِ مِنْ
غَيْرِ ذِكْرِهِ۔

سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بہت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ما اصل میں داخل ہے اور جس ذبح
سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مَا ذُكِرَ عَلَى النَّفْسِ میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو
ما اصل سے ثابت کیا ہے معنی مَا ذُكِرَ تَعْظِيمُ غَيْرِ اللّٰہ۔ اسی پر دو مختار کی عبارت ہے غرض
جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ
کو راضی کر نیکے لیے جانور کا خون بہانا یا جس معنی کہ گوشت مقصود یا لذات نہ ہو نہ تقرب بغیر اللہ ہے اسی پر
فقہاء حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لیے
حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کر نیو اے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء
پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوتا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں
کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے
یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کرے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا
معلوم ہوتا کہ غوث پاک کے نام پر بڑا بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت
والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے
بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا

گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیم کے لیے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تیار نہ گوارا نہیں کرتے بعض لوگ فاتحہ کے لیے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تیار نہ گوارا نہیں کرتے بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا ورد ہو گیا اس کو بدن جائز نہیں، جیسے قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبح کیوں حرام ہو گیا۔ غرض کہ اہتمام اور سچے بھینٹ اور غلغلہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لیے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں اعتراض (۳) در مختار مالکی میں باب الذبح میں ہے اور قودی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔
تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔
اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

ذَبَحَ لِقُدُوْمِ الْكَامِيَةِ وَتَجْعُوْهُ كَوَاجِدٍ
مِّنَ الْعُظْمَاءِ يَجْعُرُ مَا لَمْ يَكُنْ اَهْلًا بِهٖ لِغَيْرِ اللَّهِ
ذَكَرَ كَرَامَتِهِمْ اللَّهُ عَلَيْهِ۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنوی کے لیے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح ہو بہذا لگیا رہا کہ جانور میری حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لیے ہے اگرچہ وہ بسم اللہ سے ذبح جواب۔ اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لیے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت سے منانے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ در مختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تاکہ اس میں سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہو گا اور نفع مہمان کیلئے یا ولیم یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ بونہی کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیے ہے لہذا حرام ہے۔

ذَكَرَ لِلصَّيْفِ الْيَجْرُ مَا لَمْ يَكُنْ اَهْلًا بِهٖ لِغَيْرِ اللَّهِ
الْخَلِيلِ وَكَرَامَةُ الصَّيْفِ الْكِرَامَةُ اللَّهُ ذَكَرَ
الْفَارِقِ اِنَّ قَدَّ مَالِيَا كُلَّ مِمَّا كَانَ
الدَّيْمِ لِلَّهِ وَالْمُنْعَةُ لِلصَّيْفِ اَوْ لِلْوَلِيْمَةِ
اَوْ لِلرَّيْمِ وَاِنْ لَمْ يَقْدِ مَالِيَا كُلَّ مِمَّا
بَلَّ يَدَهَا لِيَعْبُدَهُ كَانَ لِيَعْبُدِيْمَ غَيْرِ
اللَّهِ فَتَحَرَّمَ۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی حکم
 و مختار میں ہے: **ذِي صَنِيدٍ الْمُنْيَةِ إِنَّهُ يُكْرَهُ**
وَلَا يَكْفُرُ بِهِ تِلْكَ الْأَلْهَامُ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
يَتَقَرَّبُ إِلَى الْأَذَى بِهَذَا النَّحْوِ۔

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اس کے عاشرہ ردالمحتار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا
 گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۴ ہدایت۔

یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے
 اس سے قرب حاصل کرنے کے لیے اہل بخاری
 اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا
 کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد
 کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ
 کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور
 کو حرام نہیں کرتا اسی طرح شرح مشرق میں ہے
 شرح المشارق۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہو گا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج
 کل یہ رسم نہیں تو جو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لیے
 لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے ہے۔
 غرض کہ گیارہویں کے جانور کو ذبیحہ قدم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراف (۴) گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر
 مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہذا گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذرانہ
 میں ہے: **وَالَّذِي مَلَكَ خَلْقُ كَيْفَ جُوسَ كَاتَهُ عِبَادَةُ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَنْ خَلَقَ**۔

جواب ۱۔ اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے یعنی ہدیہ و
 نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لیے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی منکر نہیں۔ استاذ
 سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

بحث ۲۱ ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

اگرچہ اکثر کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے تبرکات، باغ و نباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے۔ احادیث اور عل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کو انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اس بحث کے بھی درباب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں، دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَأَذْكُرُوا النَّبَاةَ سُبْحَانَ قَوْلُوا حَلَّةٌ** یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہماری گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے نہ لگا کر بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرامگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کوئی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جائے حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافح والمعاقد فصل ثانی میں ہے۔

حضرت ذوالعزا سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی ساریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔

وَعَنْ ذُرَّيْعٍ ذَكَرَ فِي ذَكِّ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَبَعَلْنَا نَبَاةَ مَدِينَةٍ وَرَأَيْنَا قَبِيلَ يَذْرُؤُونَ اللَّهَ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُرَّيْعَةُ

مشکوٰۃ باب الکبار وعلات النفاق میں حضرت صفوان ابن عیال سے روایت ہے قَبِيلٌ يَذْرُؤُونَ ذُرَّيْعَةُ پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف باب مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَ الْمَوْتَ بروایت ترمذی و ابوداؤد میں ہے۔

حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَدْنَانَ ابْنَ ثَلَعَةَ وَهُوَ مَيِّتٌ

شفا شریف میں ہے کہ اے نبی کریم ﷺ! علی
المصبر ایذاً یجی بک علیہ رسول اللہ علیہ السلام من الخلق
ثم یضعها علی رجبهم

استنطقتهم من مشرك وعينه
تأويله أن كان جوار ثقيل كل من يتبع
القطعة من أرمي وتغير قبل من الإمام
أميد الله سئل عن ثقيل مبرورتي عليه
السلام و ثقيل دافع فلم يرد به بأساً وقيل عن
أبي أني الصنف الذي في أحد علماء ومائة من
الثانية جوار ثقيل المصحف وأجزاء
الحدائق و جوار الثقيلين شططينا ..

تو شیخ میں علامہ جمال الدین میلانی نے یہ فرماتے ہیں :-

اسْتَقْبَلُ بَعْضُ الْعَرَبِيّينَ مِنْ ثَقِيلِ الْحَجَرِ
الْأَسْوَدِ ثَقِيلِينَ مُبْرَأَ الصَّالِحِينَ۔

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے لباس نعلین وہاں غرض کہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا چرنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمیع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے روٹائی وغیرہ معاصی میں امداد حاصل کرنا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ قَالَ لَتَعْبُدُنَّهُ اِنَّ اَيَّهٖ مَالِكِهٖ اَنْ يَّاتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ الْفَاسِقُ وَالْمُفْسِقِيْنَ اَللّٰهُ ذُوُّ تَجْمِيْلٍ الْمُبِيْنُ۔ بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طاہرات کی بارشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آدینگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بھی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کرشمائے ہوں گے اس کو فرشتے اس آیت

کی تفسیر میں تفسیر خازن دروح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے، مگر تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر و تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں، ان کے مکانات شریف کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے نقیلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لیے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کو خاطر بقیر انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک دروح البیان و کبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ زیر آیت فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ كَرَجِبَ يَعْقُوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفِيسَ تَعْوِذٍ بِنَا كَرِثَالِ دِي تَا كَرِ مَحْفُوظٍ ہیں۔ ساسے پانی رب نے پیدا کیئے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لیے ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم پھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اسی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِيمَ مُصَدِّقًا سَبَّحَ سُرُورُ حُجَّاجِیْہِ کہ معظم کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی لَا أَقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِجْلٌ بِنَهْذِ الْبَلَدِ۔ نیز فرمایا۔ وَهَٰذَا الْبَلَدُ الْأَمِينُ۔ ایوب علیہ السلام سے فرمایا۔ اَنْزَلْنٰی بِیْجِلْدٍ هَٰذَا مَغْتَسِلًا یَّارِ دُ شَرَّابِہِ۔ ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفا ہے۔ مشکوٰۃ شریع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حضور علیہ السلام کا جبر راچکون شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلائی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الشرب میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر شریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک نکال کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف ہوا سلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بھی یہودیوں کا عبادت خانہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی

اور فرمایا کہ اس بیچہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر پھیر کر دو اور اس کو مسجد بنا لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا لغاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غلام شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر ملی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعالیٰ حیروں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اس بات کو اہل فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکرامۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنْ قَبِلَ يَدُ عَلِيٍّ اَوْ سُلَاطِنٍ عَادِلٍ
يُعْلِيهِ وَعَدْلُهُ لَا يَأْسُ بِهِ -
اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے
علم و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکرامۃ باب زیارۃ القبور میں ہے۔

كَأَنَّ يَتَقَبَّلُ قَبْرَ الْيَدِيِّ كَذَا فِي الْغَزَائِلِ
اِسے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔
اسی عالمگیری کتاب الکرامۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنَّ التَّقْوِيلَ عَلَى خَمْسَةِ اَرْجَحُ قُلَّةُ الْوَحْشَةِ
لَقَبْلَةِ الْوَالِدِ وَلَدُهُ وَقَبْلَةُ النِّسَاءِ لَقَبْلَةِ
الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَقَبْلَةُ الشَّقِيَّةِ
لَقَبْلَةِ الْوَلَدِ بِوَالِدِيهِ وَقَبْلَةُ الْمُوَدَّةِ
لَقَبْلَةِ الرَّجُلِ اَحَاةً وَقَبْلَةُ الشُّهُوَةِ لَقَبْلَةِ
الْتَّرَجُّلِ اِمْرَاةً وَزَادَ بَعْضُهُمْ قَبْلَةَ الْبَيِّنَاتِ
وَهِيَ مُبْلَةُ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ -
بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ
باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ
بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں شفقت کا بوسہ جیسے
کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ
جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت
کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ دے۔ بعض نے زیارۃ
کیا دین داری کا بوسہ وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔

در مختار جلد پنجم کتاب الکرامۃ آخر باب الاستبصار بحث حجۃ فہم میں ہے۔

وَكَا بَأْسُ يَتَقَبَّلُ يَدَ الْعَالِمِ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ
اِس جگہ شامی نے ملکہ کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔
علم و عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں۔

قَالَ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ فَقَبِلَ رَأْسَهُ وَرَجَلَيْهِ
وَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَمِيرًا أَحَدًا أَنْ يَأْبُدَ أَحَدٌ
لَا مَرِيئَ الْمَرْءَ أَهَّ أَنْ تَأْبُدَ لِرَجُلٍ هَذَا
قَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ -

حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس
نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور
حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر اگر تم کہہ کو سجدے کا
حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔
در مختار نے اسی حکم پر پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قُبِّلَتْ الدِّيَانَةُ لِلْحَبَشِيِّ الْأَسْوَدِ وَ
تَقَبَّلَ عُنْبَةَ الْكَلْبَةِ تَقْبِيلُ الْمُتَخَفِّ قَبْلُ
بِذَعَةٍ لَكِنْ رَوَى عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ
يَأْخُذُ الْمُتَخَفَّ كُلَّ عِدَاةٍ وَيَقْبِلُهُ دَامًا تَقْبِيلُ
الْحَبَشِيِّ فَيَجُوزُ الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ يَذَعُهُ مَبَاحَةً
ذَقِيلَ حَسَنَةً مُلْخَصًا -

ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کہ
شریف کی چوٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کی چوٹ کا بعض
لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ آپ صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر پڑھتے تھے
اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا
کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوا مِنِّي مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّا اِذَا هِنَّم مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے
ہو کر حضرت خلیل (علیہ السلام) نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ
دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور
متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے
سرور جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخط والایمان صفحہ ۵۴ پر
فرماتے ہیں "تعظیم و تینار کو کھرا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے
حدیث سے ثابت ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

انشاء اللہ اس کے سوا اور نزل سکیں گے۔

اعتراض (۱) فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیم سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہو گیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لیے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبرار بحث مصافحہ میں ہے۔

علماء اور جیسے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

اسلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔

وَتَقْبِيلُ الْأَمْرِ مِنْ يَدَيْ الْعُلَمَاءِ
وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ لِأَنَّهُ يُشَبِّهُ عِبَادَةَ الْوُثَنِ
اسی کے ماتحت شامی میں ہے اَلَا يَكْفِي الْقَوْلُ
بِإِنْ شَاءَ الرَّائِعِ كَالسُّجُودِ فِي الْمَحِيطِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَظِلَّ وَغَيْرِهِمْ وَظَاهِرُهُ
كَلَامُهُمْ عَلَى إِطْلَاقِ السُّجُودِ عَلَى هَذَا التَّقْبِيلِ

• معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو بلا لکبری میں بلایا گیا اور داخل ہونیکا دروازہ چھوڑا رکھا گیا تا کہ اس مہمان سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اوٹا دروازے میں پاؤں داخل کیئے تاکہ جھکنا لازم آجائے یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں۔

جواب: ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر جسے کے احکام پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی دفع ہو جائیگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو امام کتب فقہ کتاب السلوۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدہ کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چار پائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ وہ طرح کا ہے۔ سجدہ تہیتہ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تہیتہ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک

ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ نہ ہر نبی توحید لائے شرک کسی نے نہیں پیدا یا مجدد تھیقہ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرقوں نے حضرت

آدم کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادر ابن حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ مودہ آیہ ۲۵ لَقَدْ جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ میں حضرت ابو العالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تہیۃ کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تہیۃ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو در مختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ در مختار میں ہے۔

إِنْ كَانَ عَلَىٰ ذُنُوبِهِ عِلْمٌ وَإِذْ هِيَ ثَوَابٌ مِّنْهُ
وَأَنْ كَانَ عَلَىٰ ذُنُوبِهِ عِلْمٌ وَإِذْ هِيَ ثَوَابٌ مِّنْهُ

اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لئے ہو
تو کفر ہے اور اگر تہیۃ کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں
گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یا اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہار منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنا کہ جھکنا اگرچہ اس میں بھی ہے مگر جوتا سیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیر نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کر لیا جاتا ہے اور اکبر اس مزمع سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس حکم کی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔ (اعتراض ۲)۔ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ

دے کر فرمایا اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنْتَ حَبِیْرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ

لَوْ لَہٗ اِنِّیْ مَرْءٌ یَّتَمَرَّ سَوَّلَ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَا قَبِلْتُکَ۔

پتھر سے نہ نفع مے نہ نقصان اگر میں نے حضور
علاہ اسلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ نہ چومتا

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں ایسا
محبوراً چرم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب ابو موسیٰ عبدالحی صاحب نے مقدمہ مدایہ مذلیہ المدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث
کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کو جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت
کی تفسیر پر توجہ فرمائی سوئی۔ وَ اِذَا اخْتَفَا فَکَلَّمْتُ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْہِمْ مِنْ ظُہُورِہِمْ ذُرِّیَّتِہُمْ جب میثاق
کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک درق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ
سنگ اسود قیامت کے دن آدھکا کر اس کی آنگلیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مؤمنین کی گواہی دے گا
لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع و نقصان پہنچانے
والا ہے اور اس کی تعلیم دین کی تعلیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ
تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب
پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے بتا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ
کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا
اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لَآ تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ
کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ
مالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں
کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت

اصلی ستر فاق کا بھی رضی اللہ عنہا ہماری تقریر سے مدافعت اور دباہیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تو سنگ اسود کے بوسے کے بقول تہا سے خلافت میں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا منصب بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ **وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراف (۳) بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں منبر نہیں کہ بنا دٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیے ان کا چومنا ان کی عظمت کو مایوس ہے۔ ہندوستان میں صد مائیکہ بال مبارک کی زیارت کو لائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب: تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس کے لیے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لیے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لیے دو کی گواہی کافی اور زحمان کے چاند کے لیے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر نکاح، نسب یا دیگر امور اور اوقات کے ثبوت کے لیے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پر دہی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثلاً زنا، دھوہرہ مہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں،
ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔

أَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَنَنْظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

اس آیت میں کفار کو گرفتاری لیتی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر میرے
 پڑیں کہ ان قربانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی قرآن نے بھی
 اس کا پتہ نہ دیا اس کے لیے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا
 شفا شریف میں ہے۔ وَمَعْنَى اعْظَامِهِ وَكَأَنَّهُ اِعْظَامُ جَمِيعِ اَسْبَابِهِ وَكَأَنَّهُ مُشَاهِدُهُ وَكَأَنَّهُ
 وَمَا لَكُنَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَذْغُرَتْ بِهِ حَضْرَةَ عَلِيٍّ السَّلَامُ فِي تَعْظِيمِهِ وَتَوْقِيرِهِ مِنْ سَبِّهِ يَهْمِي بِهِ كَهَضْرَةِ
 عَلِيٍّ السَّلَامُ كَالْاَسْبَابِ اِنْ كَانَتْ اَدْرَسَ كَوْنِ جَسْمِ پَاكِ مِنْ سَبِّهِ يَهْمِي بِوَجْهِ اَمْرٍ اَوْ حَسْبِ كَيْفِ
 مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی جان سب کی تعظیم کرے۔ شرح شفا میں ملا علی قاری اسی عبارت
 کے ماتحت فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْمُرَادَ جَمِيعُ مَا نَسَبَ اِلَيْهِ دَعْوَتْ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِسْ مِنْ
 مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبد الحلیم
 صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہی عبارت شفا نقل فرما کر دَعْوَتْ بِهٖ پر حاشیہ لکھا۔
 اِنِّیْ وَلَوْ كَانَ عَلٰی وَجْهِهِ الْاَشْتِهَارُ مِنْ غَيْرِ | اگرچہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا
 ثَبُوْتُ اَخْبَارِیْ فِیْ اَثَارِهِ كَذٰلِكَ اَقَالَ عَلٰی الْقَارِیْ | ثبوت احادیث سے نہ ہو اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا
 ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک مقتضی میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء
 امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام
 کی زیارت کرے جس کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہدار کرام فضائل ۱۲۱ میں
 حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ عبران تبرکات کے ثبوت کے لیے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں
 عاشقانِ راہِ کار با تحقیق ! ہر کجا نام ادستِ قربانیم !

لطیفہ :۔ ہم دھوراجی کاٹھیا دار کی گیند مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو دو غلط کہنے
 گئے دامنِ بالِ مہدک کی زیارت کی جا رہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درودِ پاک کا درود کرتے تھے
 کوئی روتا تھا۔ کوئی دغا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں مڑنا نہ
 کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو قوس نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ فقہ میں کیوں ہیں؟
 فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بالِ حضور علیہ السلام کا ہے
 اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے اس کا جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم

شریف کیا ہے؟ فرماتے لکے عبدالرحمن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اولاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطر سے ہے تو پ کر بوسے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے شرم نہ ہو گئے کہنے لگے یہ ادب بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو جسرٹی شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہنچاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرماتے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا چپ رہ اٹو۔ برے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں ہیں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی اَللّٰهُمَّ اِزِدْ قُدْرَتَنَا شَفَاعَتَهُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

آج لے ان کی پناہ آج درمناگ ان سے ہ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
اعتراض ۲۱) نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا ڈنڈا ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب :- یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیے لاہور کا چھاپہ ہوا قرآن شریف اس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دو شنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

بحث ۲۲ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنا

عبد النبی عبد الرسول عبد المصطفیٰ عبد العلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کہنا بدعت ہے قرآن و حدیث و اقوال فقہار سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اولیٰ میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے **وَاتَّخِذُوا لَهَا مِثْلَ مِثْنِكُمْ** اور نکاح کرو اپنوں میں الہ کا جو بے نکاح ہوں **وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَآيَاتِكُمْ** اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

اس عبادت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندہ جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے امید نہ ہو۔ **لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَتِي اللَّهُ**۔

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

بندہ خروخاںدا احمد در رشاد ۴ جملہ عالم را بخوان **قُلْ يَا عِبَادُ**

حضور علیہ السلام نے سائے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پروردگار تو **قُلْ يَا عِبَادُ** حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ نفیہ مکبہ ترجمہ شام اداویہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا** جمع ضمیر متکلم کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا **قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدَهُ وَخَادِمَهُ** میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے رضی اللہ عنہما، تو عرض کیا۔

گفت ما دو بندگایہ کو شے تو ۵ کردش آزادم بر دوشے تو

عزیز کیا کہ ہم دعویٰ آپ کی بارگاہ کے بند ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آکر تاجروں۔
صاحب در مختار خطبہ در مختار میں اپنا شبہ علمی بیان فراتے ہیں۔

فَإِنَّ أَمْرِي بِهِ مَشِينٌ شَيْخَانَا الشَّيْخُ عَبْدُ النَّبِيِّ الْخَلِيلِيّ ۝ میں اسکو اپنے شیخ عبدالنبی خلیل سے روایت کرتا ہوں
معلوم ہوا کہ صاحب در مختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولانا محمود حسن
صاحب بدایونی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سو کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی
جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کا یہ بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں غرض کہ
عبد کی نسبت غیر مذکور قرآن و حدیث و اقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے سب دوائے
عام طور پر کہتے ہیں۔ عبیدی خرم شاعر کہتا ہے ۱؎ اَوَّاهِبُ الْمَلِكَةِ الْهَجْلَانِ دَعْبِدُهَا ۲؎
لطیفہ تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا گیا
تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت
المدائن قاضی پیر پٹنہ ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے رشید احمد ابن
کریم انعام بن بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب
کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد صلاحی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض ۱۱) عبد کے معنی میں عابد عبادت کرنے والا تو عبدالنبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنے والا اور
یہ معنی اصریحی شرکیہ میں ہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب :- عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا گیا تو اس کے
معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام ہذا عبدالنبی کے معنی ہوتے
نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

وَالْقَسْمُ بِأَنَّمَا يُؤْخَذُ فِي كِتَابِ اللَّهِ لَعَاكَ | جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے

قَلَّ رِبَا حَادِلًا يَجِيضًا وَلَا أَفْلَحَ - | رکھو۔

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کہ بہت تفسیری کی بنا پر ہے در نہ قرآن اور حدیث بلکہ خود اہادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو بھلا کونسا نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی یہی فرماتا ہے۔ کُنَّا رِبَايَا صَغِيرًا فَاسْتَجِيعُوا رِبَايَا سَرِيحًا: اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مارتی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اُس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر اس نام میں دیوبندیوں و بابیوں کو حمل کرنے کے لیے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعلیٰ دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیے۔

بحث ۲۳ اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی اسقاط کرنا یا صحیح لایقہ۔ اسقاط کا ثبوت اگرچہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح لایقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا اسقاط کے لغوی معنی ہیں گلوینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ ہوا احکام شرعیہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجہ انصراف میں ہے اسقاط ان چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ اس قدر کہ میسر شود اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام غلطاً رو جاتے ہیں۔ جسکو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت ان کی منہ میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شرعیہ متاظر ہونے اس سبکی کی حالت میں اس میت کی دستگیری کرنے کے لیے کچھ طریقے تجویز فرما

دے کہ اگر وہی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کرے تو پھر مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا اس
 اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مردہ ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے
 دشمن میں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی
 پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے تو سال و مدت
 کے لیے اور بارہ سال مردہ کے لیے نابالغی کے لیے نکال دو اب جتنے سال بچا اس میں حساب لگاؤ کتنی
 مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی جو نیکے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ
 گئی ہیں کہ نہ پڑھی اور نہ تھا کیں اس لیے زیادہ سے زیادہ انداز لگاؤ۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی
 نمازہ ما روپے اتھنی بھر گھوں خیرات کر دو۔ یعنی جو نمازہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی
 وہ ہی ایک روزے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ
 سیر گندم جوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۸۰ من گندم
 ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس میں سال کی نمازیں ہیں تو صد ما من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید
 کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کر سکے مگر غریب سے ناممکن۔ ان کے لیے یہ طریقہ ہے کہ وہی میت بقدر طاقت
 گندم یا اس کی قیمت سے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت سے اور
 کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دو مرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور میرہ دے دے۔ وہ
 پھر اس فقیر کو صدقہ دے برابر کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال
 کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فائدہ ہو کر
 اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرامی۔ اسقاط کا یہ
 طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مرد جے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ
 رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بعض لوگ
 یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا فدیہ
 ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی، چھپائی کا ہے اگر وہ روپیہ کیا یہ نسخہ ہے تو دور
 روپیہ کی خیرات کا ثواب ملے گا۔ روزہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار یا دو سو سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں
 اتنا زکوٰۃ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے

یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہو گا نہ کہ حرام ہے بلکہ دلیل کسی شے کو حرام اپنی رائے سے حرام کہنا تو فسطائے دیوبندی کا کام ہے بقدر خیر اور ثواب ان جہاد سے لگا۔

نوٹ :- جس نے فدیہ کا جوذن بیان کیا کہ چھ اڑوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک ذرا کا فدیہ ۵ مار پیڑا تھی جو کدیم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ اسقاط کے ثبوت میں میں بخشیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے جیسے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی جیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل - حیدہ شرعی کے جواز میں

شرعی جیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو نہ لوگوں میں مار دوں گا رب تعالیٰ نے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی قصہ کو نقل فرمایا۔ وَخُذْ بِلِصَّةِ جَنَّتَا فَاُخْرِطْ بِهٖ وَلَا تَحْنُثْ تَمَّ اِسْمُہٗ لَہٗ فِی جَہَنَّمَ جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ دنیا میں کو اپنے پاس رہیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک جیلہ فرمایا جبکہ مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کر دوں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ اٹھ آپس میں صلح کرو اور حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔

مشکوٰۃ - کتاب البیوع باب الربا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں مدہ خرمنے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردی خرمنے تھے میں نے دو صاع ردی خرمنے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمنے دیئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ وہی خرمنے پیسوں کے عوض فروخت کرو اور ان پیسوں کے اچھے خرمنے لے لو۔ دیکھو یہ سود بچنے کا ایک جیلہ ہے۔ عالمگیری نے سیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل۔ اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

كُلِّ حَيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ
حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِإِذْخَالِ شُبُهَةٍ فِيهِ
أَذِلَّةٌ يُوِيهِ بَاطِلٌ فَيُهَيِّئُ مَكْرَ دَعْوَةٍ وَكُلِّ
حَيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَغَلَّمَنَّ بِهَا
عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فَيُهَيِّئُ
حَسَنَةً وَالْأَصْلُ فِي حُجْرَةِ هَذَا النَّوْبِ رَالِمْ

جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے
یا باطل سے قریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ
مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لئے کیا جاوے کہ اس
سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا عدل کو بچائے
وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی
دلیل اب تعالے کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں
جھاڑو اس سے مار دو یہ حضرت ابوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں
کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب ہے حموی شرح اشباہ اور تارخانہ میں جواز حیلہ
کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ وَقَعَتْ
وَحْشَةٌ بَيْنَ هُمَيْرَةَ وَسَارَةَ فَخَلَقَتْ سَارَةُ
أَنْ ظَفَرَتْ بِهَا فَطَعَنْتُ عَصَايَ بِهَا فَأَرْسَلَ
اللَّهُ جِبْرِيلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ
يُصَلِّمَ بَيْنَهُمَا فَخَالَتْ سَارَةُ مَا حَيْلَةُ
يَمِينِي فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ أَنْ يَأْمُرَ سَارَةَ أَنْ تَنْقُبَ
أُذُنِي هَاجِرَةً فَعَبَتْ ثُمَّ لَقُوبُ
الْأُذُنِ -

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک
بار حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو
گیا حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے متوہماتو ہاجرہ
کا کوئی عضو کاٹو گی۔ تب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو
ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صلح کرادیں
حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہو گا۔
پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو مکہ و مکہ
حضرت ہاجرہ کے کان پھیند دیں۔ اسی وقت عورتوں
کے کان پھیندے گئے۔

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل۔ روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے اب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مُسْكِينٍ اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلو میں ایک مسکین کا کھانا۔ اس سے معلوم

تَعْدُو لَكِنْ يُطِيعُ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مُدَّتَيْنِ مِنْ مَحْطَةِ
 مشکوٰۃ کتاب الصوم باب القضاءیں ہے قَالَ
 مَا لَمْ تَعْلِيهِ صِيَامُ شَهْرِ رَوْضَانَ فَلْيُطِيعْ
 عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِثْلَيْنَا
 ہر دن کے عوض دو گندم اوجھا صلح اخیرت کرے۔
 جو مردار سے اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے بعد
 ہوں تو چاہیے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض
 ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔
 غرض کہ نازدروں کے کا فیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا اٹھ کر ناجہالت ہے۔

تیسری فصل۔ مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح
 میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ فُصِّلَ فِي اسقاطِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ بِعَيْنِي فِي فصل ناز
 وروزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں وَلَا يَصِحُّ أَنْ يَقْضِيَ بِقُصُورٍ وَلَا أَنْ يَقْضِيَ عَنْهُ وَإِنْ تَمَّ يَفِي مَا
 أَوصَى بِهِ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذَلِكَ الْمَقْدَارَ لِلْفَقِيرِ وَيَسْقُطُ عَنِ النَّبْتِ يَقْدِرُ ثُمَّ يَهْبِطُ الْفَقِيرُ
 وَهَكَذَا حَتَّى يَسْقُطَ مَا كَانَ عَلَى النَّبْتِ مِنْ صِيَامٍ وَصَلَاةٍ وَيُجْزَى إِعْطَاءُ فِذْيَتِهِ صَلَاتٍ لِلْجِدَا
 جُمْلَةً بِجَدَلٍ كَقَسْرَةِ الْبَيْتِ۔ ترجمہ وہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب قضاء الفرائض
 میں ہے وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَا لَا يَسْتَقِرُّ مِنْ وَارَثَةٍ نَصَفَ صَاعًا مِثْلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُ الْفَقِيرُ
 لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَلَوْ تَمَّتْ حَتَّى يَتِمَّ اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں
 اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْأَقْرَبُ أَنْ يُعْتَبَرُ عَلَى النَّبْتِ وَيُسْتَقْرَضُ
 يَقْدِرُ بِأَنْ يَقْدِرَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ أَوْ
 يُعْتَبَرُ مَدَّةَ عُمُرِهِ بَعْدَ اسقاطِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ
 لَيْلًا كَرِوَسَعِ سِنِينَ لِلرَّسُولِ وَأَنَّهَا أَقَلُّ مَدَّةٍ
 بَلَوْ غَيْرَهَا فَيَجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نَصْفُ عَزَارَةٍ
 فَتَمَّ الْفَذِيرُ بِإِلْمَنِ الدَّمِشَقِيِّ مَدْرَمَاتًا وَكُلِّ سَنَةٍ
 شَمْسِيَّةٍ سِتُّ عَشْرَ رِقْلًا فَيُسْتَقْرَضُ فَيَمْتَنُهَا وَيَدْفَعُهَا
 یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کے کریمت پر
 کتنی نازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس انداز کے فرض
 کے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ ایک ایک سال کے اندازے سے
 ہے یا میت کی کل عمر کا اندازہ کرے اور پوری عمر کے بلوغ کی
 کم از کم مدت جو مد کیلئے بارہ سال ہے اور عورت کیلئے نو سال
 وضع کرے پھر حساب کے سے توہم ہین کی نازوں کا فیہ نصف
 عوارہ ہو گا فتح القدير شمس سالہ اور ہر شمس سال کا مقدار

لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَسْتَوْفِيهِ بِأَمْنَةٍ وَيَسْتَسْقِطُ بِأَمْنَةٍ لَيْتَهُ
 الْهَيْبَةُ ثُمَّ يَدْعُوَهَا بِذَلِكَ الْفَقِيرُ لِفَقِيرٍ
 آخِرَ هَكَذَا فَيَسْقِطُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةٌ سَنَةً
 بَعْدَ ذَلِكَ يُعِيدُ الدَّوْرَ بِكَفَّارَةِ الْقِيَامِ
 ثُمَّ الْأُضْحِيَّةُ ثُمَّ الْإِيمَانُ لَكِنْ لَا يَدْعُو فِي
 كَفَّارَةِ الْإِيمَانِ مِنْ عَشْرَةِ مَسْلُكِينَ
 جَلَدًا فِي ذِيَةِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُعَوِّزُ بِإِعْطَاءِ
 فِي ذِيَةِ صَلَواتِ لِلْوَالِدِ -

پھر دواور ہوا پس دولت اسکی قیمت قرض سے اور فقیر کو
 اسقاط کیلئے سے پھر فقیر اسکو قریب سے اور دولت بہت بڑی
 کر کے مومہوب پر فقیر کے پھر وہی قیمت اسی فقیر کو یا
 دوسرے گندہ میں سے اسی طرح دواور کرنا ہے تو ہر دفعہ میں
 ایک سال کا کفارہ اور ہر سال کے بعد روزہ اور قربانی کے
 کفارہ پھر یہ کہ لکھنوارہ قسم میں دس مسکینوں کو ہر ماہ دینی
 بخلاف دینہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا دینہ ایک
 شخص کو دے سکتا ہے۔

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔ اَمَّا الْفِيْذِيَّةُ عَنْ صَوْمِ
 اَيِّهِ اَوْ صَلَواتِهِ وَهُوَ فَقِيرٌ يُعْطَى مِنْ ثَمَرِهِ مِنَ الْخِنْطَةِ فَقِيرًا ثُمَّ يَسْتَوْفِيهِ ثُمَّ يُعْطِيهِ وَهَكَذَا اِلَى اَنْ يَتِمَّ
 مَا فِي الْفَلَاحِ شَرْحُ نَوْرِ الْاِبْصَاحِ مِنْ سَبْعَةِ فَعْلَانَتُهُ لِابْنِ اَوْ ذِمَّةِ الْمَيْتِ عَنْ جَمِيعِ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَدْفَعُ ذَلِكَ
 الْقَدْرَ اِلَيْهِ بَعْدَ تَقْدِيرِهِ لِشَيْءٍ مِنْ صِيَامٍ اَوْ صَلَوةٍ اَوْ حُجَّةٍ وَيُعْطِيهِ لِلْفَقِيرِ بِقَصْدِ اسْقَاطِ مَا يَرُدُّ
 عَنْ الْمَيْتِ ثُمَّ بَعْدَ قَضَائِهِ يُوْبِيهِ الْفَقِيرُ لَوَلِيٍّ اَوْ لِأَخِيٍّ وَيَقْبِضُهُ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْصُوبُ لَهُ
 لِلْفَقِيرِ كِبْرِيَّةً اِلِسْقَاطِ مَسْرُومِهِ عَنْ الْمَيْتِ ثُمَّ يُوْبِيهِ الْفَقِيرُ لَوَلِيٍّ اِلَى اَنْ قَالَ (وَهَذَا هُوَ الْمُخْلِصُ
 اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى) ترجمہ وہی ہے جو اوپر لکھا عالمگیری میں ہے اِنْ اَمْ يَسْتَوْفِيهِ مَا لَا يَسْتَوْفِيهِ وَذِيَّتُهُ
 نَصْفُ صَاعٍ وَيَدْفَعُ اِلَى مَسْكِينٍ ثُمَّ يَصَدَّقُ مَسْكِينٌ عَلَى بَعْضِ ذَرَنَتِهِ ثُمَّ يَصَدَّقُ خَلْفَ بَعْضِ
 الْكُلِّ كَذَلِكَ اِلَى الْخُلَاصَةِ اِسی طرح بحر الرائق۔ عینی شرح کنز الدقائق۔ جامع الرموزہ معتمد ظہیرہ شرح مختصرہ
 فتاویٰ قاضی خان۔ ستراندہ جواہر القول المختصرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف تمام کی عبارت
 نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی شید احمد صاحب
 گنگوہی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۱ میں ہے حیلہ اسقاط کا مفلس
 کے واسطے علمائے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلسوس کا مالوں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے حق تعالیٰ
 نیت سے واقف ہے ہاں یہ حیلہ اگر گریہ نہیں مفسل کو واسطے بشرط وصحت نیت درست کیا عجیب ہے کہ مفید ہو
 ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دینا دیکھا ہے۔ فقط رشید احمد مفتی عمر۔

اگرچہ اس میں بہت سیہ پھیر کی مگر جہاں زمان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو حیلہ استقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے نکالتی ہے۔ ہم فقہی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدہ آدمی بھی اگر پورا فقیہ اور کسے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ درش کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو تو میرا فقیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا مہیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ ہر حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہذا لغو ہے۔

دوسرا باب

حیلہ استقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شہادت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

۱۔ حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَحْذَرُ اللَّهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا دِمًا
يَحْذَرُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ۔

یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور
نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب: حیلہ کر دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے ملاوٹ ضرورت شرعیہ پورا کرنے کی شرعی تدبیر

اردو میں بولتے ہیں "حیلہ رزق بہانہ موت" اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیلئے حیلہ کرنا گناہ ہے لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال بلا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔

لیئے کا حیلہ کرنا بڑا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔ رحمت حق بہانہ می طلبیدہ رحمت حق بہانہ می طلبیدہ خدائی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدائی رحمت بہانہ چاہتی ہے یہ آیت بخیر عولی منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لئے آڑ بناتے تھے۔ اور اول میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کہ کوئی صدقہ غصب الہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اَلصَّدَقَةُ يُغْفِرُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ پھرت مباد وہ ایک دینار خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الحیض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بجا ت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئینہ نمازوں کا فذیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مال سے نماز میں معاف کرا دیں۔

اعتراض (۲) نماز دروزہ عبادت ہندی ہے اور قدیم مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب: یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے وَاعْلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ ذِئْبَةً طَعَامٌ مِّسْكِينٍ جو اس روز سے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر نذیر ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الہی بڑھا دے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مسجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مرد ہوا۔ پھر جنتی نعمت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صدقوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نماز ہی پہلی تعیمات بھول گیا تو مسجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بجا ت احرام شکار کر لیا۔ اگر یہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے دروزہ دروزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرمایا بس و چشم منظور ہے۔

اعتراف (۳) حیدر اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ ایسے یہ بند ہونا چاہیے۔
جواب: یہ اعتراف تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراف کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر ولیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراف محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کو فائدہ نماز پر ولیر ہو کہ نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فائدہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کر نیوالے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز مسئلہ اسقاط صد ہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراف (۴) کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیدر کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آگیا اور وہ بند بنا دیئے گئے کہ **كُذِّبُوا قَوْمًا خَاسِرِينَ** معلوم ہوا کہ حیدر محنت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔
جواب: حیدر کا حرام ہونا بھی نبی اسلامؐ پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیدر کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے حیدر اب بھی منع ہیں۔

اعتراف (۵) قرآن فرماتا ہے۔ **لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** انہیں ہے انسان کے بیشہ مکروہ جو خود کمائے اور فائدہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیدر خلاف قرآن ہے۔

جواب: اس کا جواب فاطمہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے۔

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پیر یا بھول جائے ۔ فاطمہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے !
 یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبارت بدینہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے دمہ سے اسکے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجہیں نہ کی جاویں

توسبت میں آیات قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آئیگی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین اور اپنے مال باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا ہی ہے۔ احادیث میت کی قبروں سے صلوٰۃ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

ضروری ہدایت: بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اسکی قبر پر محافظ بن جائیں کہ جمعہ تک قرآن خوانی کرتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں لیکن یہ حرام کہنا مفہوم غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا میت یا میت ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب غدا ب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے دُتُوْنِ عَنْتِ اُحْضَبَتْ اَتَاہُ مَلٰٓئِکَہٗ اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر گیر فرشتے سوالات کے بیٹے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید۔ جہاد کی تیاری کرنے والا، علما، عوام سے مرنے والا زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا اور بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں، صدیق، نابالغ بچہ، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہزرات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرنے موت میں روزانہ سورہ فلاح پڑھنے والا بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتا تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی دہلی موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آگیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ غدا الہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرما دے۔ اب جبکہ آدمی دہلی میں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور فاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنف امام نووی باب ما یقول بعد الدفن میں ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ یُسْتَعْبَقُ اَنْ یَقْرَأَ عِنْدَہُ شَیْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ تَالُوْا فَاَنْ حَقَّوْا الْقُرْآنَ کُلَّمَا کَانَ حَسَنًا۔ یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ لگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی انشاء اللہ مگر حاجے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے غالی نہ ہے اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادا سے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر و غیر ہو گئی وہ معاف کر دی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھا دو۔ ناز سے کیوں نہ کہتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

بحث ۲۲ آذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہا میں کا مسئلہ بھی لکھ دو تاکہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین۔

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اُس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوة مستوی جلد دوم باب بیستم با ننگ ناز میں ہے۔

مفسر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام آذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

مَرْوِي عَنْ عَيْنِ التَّيْقِي صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اَنَّهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِي فِي الْاَذَانِ وَدَضَعَ
اِيْهَا مِثْمَ عَلَى عَيْنَيْهِ فَاَنَا طَالِبُهُ فِي صُفُوْنِ
الْقِيَمَةِ دَقَائِدًا اِلَى الْجَنَّةِ۔

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ نائمہ زیر آیت وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ الْاٰمِيْنُ ہے۔

وَصَعَفَ تَقْدِيلَ ظَفَرِيْ اِبْرَاهِمِيَهٗ مَعَ مُسْتَقِيَهٗ
وَالسَّمْعُ عَلَى عَيْنِيَهٗ عِنْدَ قَوْلِهِ مُحَمَّدًا رَّسُولَ اللّٰهِ
لَا اَنَّهُ لَمْ يَنْبُتْ فِي الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ لِكُنْ
الْحَدِيثَيْنِ اِتَّفَقًا عَلَى اَنَّ الْحَدِيثَ الضَّعِيفَ
يَجُوزُ الْحَمْلُ بِهِ فِي التَّرْغِيبِ النَّزْهَبِ
شامی جلد اول باب الاذان میں ہے يُسْتَعْبَثُ
اَنْ يَقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاَوَّلَى مِنَ الشَّهَادَةِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ
الثَّانِيَةِ مِنْهَا قَرَأَتْ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ
بَعْدَ وَصْعِ ظَفَرِيْ الْاَبْرَاهِمِيَّ عَلَى الْعَيْنَيْنِ
فَاِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ قَائِدًا اِلَى
الْجَنَّةِ كَذَلِكَ كُنْزُ الْعِبَادَةِ قَهْطَانِي وَنَحْوُهُ
فِي الْقِتَادِ الصُّوفِيَّةِ وَفِي كِتَابِ الْفَرْدُوسِ
مَنْ قَبَلَ ظَفَرِيْ اِبْرَاهِمِيَهٗ عِنْدَ سَمَاعِ اَشْهَدُ
اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اللّٰهِ فِي الْاَذَانِ اَنَا
قَائِدُهُ وَمَدْخِلُهُ فِي صُفُوْفِ الْجَنَّةِ وَ
تَمَامُهُ فِي حَوَاشِي النَّجْمِ لِلرَّمَلِيِّ -

محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں
کو مع کلے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے
کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن
محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل
کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے
اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے -
صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت
کے وقت یہ کہے قرۃ عینی یا رسول اللہ پھر اپنے
انگوٹھوں کے ناخن اپنی انگلیوں پر رکھے اور کہے
اللّٰهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ توحضر علیہ السّلام
اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے
اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کے مثل قتادوی
صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ
جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان
میں اشہد ان محمداً رسول اللہ سن کر تو میں اس کو
اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے
جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری
بحث بحر الرائق کے حواشی ربلی میں ہے۔

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، قتادوی صوفیہ، کتاب الفردوس
قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنہ فی الاحادیث الذمیرہ علی ما
میں امام سخاوی نے فرمایا۔

دلیلی نے فردوس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
سے روایت کی کہ ان سرکار نے جب مؤذن کا

ذَكَرَ اَللّٰهُ يَكْنِيْ فِي الْفَرْدُوسِ مِنْ حَدِيثِ
اَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ

لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَذِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ هَذَا أَقْبَلُ بِأَجْلِ الْأَمَلَيْنِ
السَّابِقَيْنِ وَمَسَمَّ عَيْنَيْهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي
فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي وَلَمْ يَصْعَمْ -

قول اشہدان محمد رسول اللہ سنا تو یہ ہی فرمایا
اور اپنی نگاہوں کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چومنا
اور آنکھوں سے نگایا پس حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے
اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

یہ حدیث پایہ محبت تک پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مستحق ابو العباس احمد مکر دار سے نقل
کیا۔ عَنْ أَنَسٍ خَضِرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ
مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ
أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مُرَحَّبًا بِحَبِيبِي وَ
قُرَّةَ عَيْنِي مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ يَقُولُ
إِنَّمَا هُمَا وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَزِدْ أَبَدًا -

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے ان کی آنکھ
میں لنگری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا۔

وَأَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ ذَلِكَ فَخَرَجَتْ الْعَصَا مِنْ عَيْنِهِ

اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام احمد کو فرماتے ہوئے سنا
را امام احمد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں، فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک
سنے تو اپنے گلے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

ثُمَّ لَمَّا مَسَمَّ عَيْنَيْهِ لَمْ يَزِدْ أَبَدًا -
پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق و عجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔
وَقَالَ فِي كُلِّ مِثْلٍ مِمَّا مَنَعَتْهُ لَمْ
تَزِدْ عَيْنِي -

انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے یہ عمل کیا ہے
میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

قَالَ اَبُو صَالِحٍ وَانَا سَمِعْتُ سَمِعْتُ
سَمِعْتُ فَلَا تَرُدُّ عَيْنِي وَادْجُوا اَنْتَ
عَاقِبَتُهُمَا شَدَّ ذِمَّةَ وَاَبِي اَسْلِمٍ مِنَ الْعَمَلِ
اِنْشَاءَ اللَّهِ -

ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس
عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں
کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہو
سے محفوظ رہوں گا۔

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشدان محمد رسول اللہ صلی
یہ کہے مَرَحِبًا بِحَبِيبِي وَفَرَّةً عَيْنِي فَعَمَدَانِ عَبْدُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْرَانِ اُگوٹھے
چومے اور آنکھوں سے لگائے۔ لَمْ يُغْمَدْ وَلَمْ يَرْمَدْ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں کھیں
گی۔ نیز صُحْبًا اسی مقاصد میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔ مخرج نقایہ میں ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يُسْتَعْبَدُ أَنْ يَقَالَ يَدُوكَا
الْأَوَّلَيْنِ مِنَ الشَّهَادَةِ الشَّائِئَةِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعَمِدَةُ الشَّائِئَةِ مِنْهَا
قُرْتُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ وَضْعِ
ظَهْرِي رَأَيْتُ عَلَى الْعَيْنَيْنِ قَابَتَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَكُونُ لَهُ قَابَتَانِ الْإِخْتِدَادُ فِي مَوْلَا نَاجِحَالِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ قَدَسٍ مَرُؤُوسٍ قَلَاوِي فِي فَرَمَاتِهِ فِي
كُنْزِ الْعِبَادِ
تَقْوِيلُ الْإِبْرَاهِيمِيِّ وَوَضْعُ هَمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ
عَيْنَهُ ذِكْرًا بِحَمْدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَذَانِ
جَانِبِ بَنِي سَعْدِ صَوْرَتِهِ مَشَائِعُنَا -

جاننا چاہیے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت
کے پیدلہ سن کر یہ کہے قَرَّةَ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ
اللہ اپنے آنکھوں کے ماضوں کو آنکھوں پر رکھے
تو حضور علیہ السلام اس کو حجت میں اپنے چھپے
چھپے جائیں گے اسی طرح کُنْزِ الْعِبَادِ میں ہے

اذان میں حضور علیہ السلام کا نام مشرّف بن کر
اُگوٹھے چومنا اور اُگوٹھے آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ
مستحب اسکی بشارت شیخ نے تصریح فرمائی ہے

علامہ محمد طاهر علیہ الرحمۃ تلمذ جمع مجملہ الانوار میں اسی حدیث کو لایضاح فرما کر فرماتے ہیں۔

دُرُودِی تَجَرِبَةً عَنْ كَثِيرِينَ - | اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت
صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ اور آبادی وائس الہم فرماتے
ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے (انجیل برنبرس)
آنجیل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کیے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی

احکام سے ملے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس انور مصطفویٰ کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ فوراً ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چسکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو ہوا اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفویٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو، یہاں بتایا گیا ہے کہ زیادہ بیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب اعانتہ الطالبین علی ملل الفاظ فتح المعین "مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ يَقِيلُ لَهَا مِيَهُ وَيَجْعَلُهَا عَلَى عَيْنَيْهِ ثُمَّ يَعْبُدُ لَهَا يَوْمَئِذٍ أَبَدًا۔
پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے۔ آنکھوں سے لگائے۔
تو کبھی بھی اندھا ہوا نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

مذہب مالکی کی مشہور کتاب کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیرطانی "مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

عَيْنَيْهِ ثُمَّ يَعْبُدُ لَهَا يَوْمَئِذٍ أَبَدًا۔
اندھا ہوا نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۱۷۱ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقِيلِ مِنْ إِيَّاهُمَا لِيَكُنْ إِلاَّ أَنَّهُ يُقَالُ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُصَنِّفِ تَوْصِيَةِ الْخَطِّ السَّانِي قَالَ بَعْضُهُمْ يَقِيلُهُ وَتُتَى الْأَذَانُ كُلَّمَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنُ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا أَمْرًا رَسُولُ اللَّهِ قَبْلَ إِيَّاهُمَا نَفْسِهِ وَمَعَهُ بِالْقَطْرِ مِنْ أَجْفَانِ عَيْنَيْهِ مِنَ الْمَاءِ إِلَى تَاحِيَةِ الصُّدْرِ ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشَهُّدٍ مَرَّةً فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ كُنْتُ أَفْعَلُهُ ثُمَّ تَرَكْتُهُ

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نور الدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشدان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکیں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کپٹی کے کونے تک پہنچایا۔ پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے

فَمِنْ رَحْمَةِ عَيْنَايَ قَسْرَيْتُهَا فَصَلَّ
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَاتَ فَقَالَ لِمَا تَرَكْتُ
 مَسْجِدَ عَيْنَيْكَ عِنْدَ الْآذَانِ إِنْ
 أَسْرَدْتَ أَنْ تَبْرُو عَيْنَاكَ فَعَدَّ
 فِي الْمَسْجِدِ خَاسِيَةً قَطْعَتْ وَصَحَّتْ
 قَبْرُوتٌ وَ لَمْ يَمُتْ وَ فِي مَرَضِهَا
 رَأَى الْآلَانَ -

کہ میں پہلے انگوٹھے چوم کر ناخوار پھر چھڑوایا۔ پس
 میری آنکھیں بیدار ہو گئیں۔ پس میں نے حضور
 علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام
 مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں
 سے لگانا کیوں چھڑو دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری
 آنکھیں ابھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں
 سے لگانا شروع کر دو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسیح شروع

کیا مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا رہا خود از نوح السلام۔

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان دینے میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے حضرت
 آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء متقدمین و مفسرین اس کے
 استحباب پر متفق ہیں آمد شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک
 مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا
 آنکھ دیکھنے سے محفوظ رہے گا اور انشاء اللہ کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے
 یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اس کے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت
 نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے چھپے جنت میں داخل
 فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی ہر وجہ دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے
 استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا بھی کافی ہے مگر کرامت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت
 ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ ۱۔ اذان کے متعلق توصات و صریح روایات اور احادیث موجود ہیں جو پیش کی جا چکی ہیں تکبیر
 بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے۔

دورانوں کے درمیان نیاز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہذا تکبیر میں اَللّٰهُمَّ اَنْ مِّنَّا
 دُشْمُوکَ اللّٰہ پر انگوٹھے چومنا نافع و باعث برکت ہے۔ اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ ثبوت خیر سے بدو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی حاد سے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا يَصِحُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِمَّنْ كَلَّمَ هَذَا شَيْئًا اِنْ مِنْ سَعَى كَوْنِ مَرْفُوعٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ نَحْنُ - ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ كُلُّ مَا يُزَوَّدُ فِي هَذَا اَخْلَا يَصِحُّ مَرْفُوعًا یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا لَمْ يَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَذَا الشَّيْءِ اِنْ مِنْ سَعَى كَوْنِ مَرْفُوعٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ نَحْنُ صاحب جہان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب ۱۔ اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَإِذَا ثَبَّتَ رَفَعَهُ إِلَى الصِّدِّيقِ رَضِيَ
اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَيَكْفِي لِلْعَمَلِ بِهِ يَقُولُهُ
عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي
وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ -

یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا لَمْ يَصِحَّ یعنی یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد وجہ سن باقی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔

تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو، جہاں
توسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار جلد اول باب مستحبات الوضوء (اعضاء و منہ و دماغ) میں متعلق
فرماتے ہیں۔ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ حَبَّانٍ وَغَيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طَرِيقٍ رِاسِيَةٍ، کہ
ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے تحت شامی میں فرماتے ہیں۔ اَمَّا يَتَوَقَّعُ
بَقِصَّةٍ هَا بَعْضًا فَأَسْرَفَ عَلَى مَرْثِيَةِ الْحَسَنِ، یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا یہ حدیث
درجہ حسن کو پہنچ گئی۔ اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے
لہذا حسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال
میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ہی علامہ شامی اسی رد المحتار جلد اول باب

اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔ عَلَى أَنَّهُ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ يَجُوزُ
الْعَمَلُ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَّ فِي أَوَّلِ كِتَابِ الطَّهَارَةِ فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ فِي ضَعِيفِ حَدِيثِ
پُر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و لازم ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ نہ کہ انگوٹھے چومنے
میں یہ فضیلت ہے لہذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز لما زِلْ كَامِلِ ضَعِيفِ حَدِيثِ
کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنف امام ترمذی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وَقَدْ سَمِعْنَا فِيهِ حَدِيثًا مِنْ حَدِيثِ
أَبِي أَمَامَةَ ثَلَاثِينَ بِإِسْنَادِهِ اسْنَادًا وَكَانَ
أَعْتَصَدَ بِشَوَاهِدٍ يَعْمَلُ أَهْلُ الشَّامِ۔
یعنی تلقین میت کی حدیث ترمذی اسناد نہیں لکرا لیں
شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے
چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوتی

اس سے زیادہ تحقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی
حدیث نہ ملے۔ تب بھی امت مصطفیٰ علیہ السلام کا مستحب انسانہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے
مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے
نزدیک بھی اچھا ہے۔ چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں
صرف صوفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعد میں ہوامعد مقدمہ
کے دسویں باب میں فرماتے ہیں اجتہاد اور استنباح اعمال تصرفیہ راہ کشا وہ است مانند استخراج اطباء
فضحاء قرادین را تصرفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ تلبیب لوگ حکمت کے نسخے

ایجاد کرتے ہیں خود شاہ ولی صاحب اپنی کتاب القول الجلیل وغیرہ میں صدمہ یا عمل تعویذ گندے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرماتے ہیں کہ غلاں دواہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا چشم کارنگا ہوا دوا عورت کے جسم سے ناپ کر نوکڑ لٹکا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا دروزہ کو مفید ہے وغیرہ بتاؤ کہ ان ائمال کے متعلق کوئی سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، لگتی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لیے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درجہ چشم کے لیے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوعہ کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آخری وجہ اگرچہ ان لوگوں کی کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کرامت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ انشاء اللہ کرامت کے لیے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

انگوٹھ لیکر اس اعتراض کے پرچے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

اعتراف (۳) حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو جو مانتا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جودہ دیاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب: حضرت ماجہ جب اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے منجلی میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لیے صفاد مردہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج قمرج میں دیاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے قربانی کے لیے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو ننگہ مارا آج قمرج میں دیاں کیوں ننگہ مارتے ہو؟ دیاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لیے طواف میں دل کر کے اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں

رہل کیوں کرتے ہو؟ اب دلائل کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی اعتراض (۳) کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انکوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور پیر کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیے۔

جواب :- چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لیے اسی کو چومتے ہیں موصوفات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن در روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت مَيِّتًا لَّهُمَا سَوْآتُهُمَا میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الہی ہوا تو کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پردوں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل ملے گی لہذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار رہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھایا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ یا نعت پڑھنا

بعض بگڑے رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے آواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ دہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر جناب میں اگر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرتا ہوں اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلہ طبع یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات و احادیث صحیحہ و اقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور اپنی کمرؤں پر۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے
بیٹھے لیٹے ذکر الہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر
ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔

تفسیر السورہ میں اسی کے ماتحت ہے۔ وَالْمَرَادُ تَعْيِيمُ الذِّكْرِ لِلْأَوْدَابِ وَتَخْصِصُ
الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ لَيْسَ لِتَخْصِصِ الذِّكْرِ بِمَا بَلَّ لِدَلَّتْهَا الْأَحْوَالُ الْمَعْرُودَةُ الَّتِي لَا يَخْلُو
عَنْهَا الْإِنْسَانُ تَرْجُحُ قَرِيبٌ قَرِيبٌ هِيَ جَوَابُهَا كَمَا كُنِيَ تَفْسِيرُ كَبِيرٍ فِي أَيْتِ كَمَا كُنِيَ
الْمَرَادُ كَوْنُ الْإِنْسَانِ دَلِيلَ الذِّكْرِ لِزَيْتِهِ فَإِنَّ الْأَحْوَالَ لَيَسْتُ إِكْهَادُ الثَّلَاثَةِ ثُمَّ لَمَّا
وَصَفَتْهُمْ بِكُونِهِمْ ذَكْرَيْنِ فِيهَا كَانَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَى كَوْنِهِمْ مَوَاطِنَيْنِ عَلَى الذِّكْرِ غَيْرَ تَابِتَيْنِ
عَنْهُ۔ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گذر چکا۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زہبی نے نسب الرایۃ فی تاریخ ارباب
الہدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۹ مطبوعہ مجلس علمی واصل میں لکھا ہے عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُ مِنْ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَمْسِي خَلْفَ الْجَنَائِزَةِ إِلَّا قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُبْدِيًا
وَسَرَّاجًا الْكِرَامِ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ بَلَّ بِهِ بَعْضُ أَهْلِ الْأَعْمَالِ فِي مَعْتَبَرٍ تَحْذِيرًا لِلْمُتَدَلِّيِ بِالْمُخْتَارِ طَبَوَعُ مَعْرِفَةٍ
۲۳ پر ہے۔ وَلَكِنْ قَدْ اِسْتَأْدَّ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَسِيَ
أَصْوَابَهُمْ بِذَلِكَ وَهُمْ إِنْ مَنَعُوا أَبَتْ نَفْسُهُمْ عَنِ الشُّكُوفِ وَالْقَلْبُوكِ فَيُحْعَوْنَ فِي كَلَامِهِ
وَيُجَوَّبُ وَنَسِيَ نَبَاؤُهُ عَنِيبَهُ وَأَنْكَاسُ الْمُسْكِرِ إِذَا انْقَضَى إِلَى مَا هُوَ أَغْطَى مِنْكَ أَكَانَ تَرْكُهُ أَحَبَّ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ حَتَّىٰ تَتْلُوهُ الشُّرُوعَ عِيَّةً۔ اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال میں ذکر الہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔ کسی وقت پر کسی ذریعے سے منع کر کے لینے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے۔ کیونکہ حدیث اجماع و قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکر و دعا کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان سے محاذ ہے میں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطَهَّرَ فِي الْفُلُوْطِ | خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُونَ يَسْتَأْذِنُونَ بِالْقُرْآنِ
وَذَكَرِ اللّٰهِ الَّذِي هُوَ اَرْسَمُ اَلَا عَظَمُوْهُ
يُحْيِيْنَ وَاِسْمَاعِيَّهَا وَاَنْكَنَّا مَرْيَمَ حُوْنِ
بِالْقَانِيَا وَيَسْجُدُوْنَ بِذِكْرِ غَيْرِ اللّٰهِ

پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور تقار دینا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سمر و پلہ پتہ ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی و فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے نہ آزاد آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہو بعض اپنی رائے سے اس میں تیر نہیں لگا سکتے متعجب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بڑا حضرت انس ہے۔ اَللّٰهُ دَانِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوْرُوْنَ فِي الطَّرِيقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الدِّكْرِ قَادًا وَحَدًّا قَوْمًا يَدْكُرُوْنَ

اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں

اللَّهُ شَآءَ دَا صَلُّوْا اِلٰی حَاجَتِكُمْ
ثَالِثًا فَيَعْقُوْا لَهُمْ بِأَجْنَهَتِهِمْ۔

تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد
کی طرف پھر ان ذکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں

بعد اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اترتے ہوئے جہاں گئے تو ملائکہ راستے ہی میں ملے گے۔ اور ان
سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جا دیکھا
خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوٰۃ اسی باب
میں ہے۔ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّةِ
فَاَمْرٌ تَعْمَوْنَ تَاْمَلُوْا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّةِ
قَالَ جِلْقُ الْبَرِّکِی۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں
میں سے گزرتو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا
کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں
قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ
میں اسی باب میں ہے کہ الشَّیْطَانُ جَائِعٌ
عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ خَلَسَ

شیطان انسان کے دل پر چپٹا رہتا ہے جب
انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر میت کو رہے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہیگی یہاں
بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک کہ جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالت ثابت کیا گیا
اب احوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حلیۃ مذیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبد الغنی
ناجسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع
فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے
اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ
اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور
غافلوں کے دلوں سے غفلت سمٹی دنیا کی
محبت دور ہو۔

لَکِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَزُوا السَّکْرَ
الْجَهْرِیَّ وَرَفَعُوا الصَّوْتَ بِالشَّعْطِیْمِ قَدْ اَمَّ الْجَنَازَہُ
وَخَلَقَهَا لِتَلْقِیَنِ الْبَیْتِ وَالْاَمَواتِ وَالْاَحْیاءِ
وَتَنْسِیَہِ الْعَفْلَہُ وَالظُّلْمَہُ وَمَنْ طَالَہُ صَدَلُ
الْقُلُوْبِ وَقَسُوْا بِهَا حِیْبَ الدُّبِّ اَوْ بِرِیَاسَتِہَا۔

وافع الاوزار القدسیہ فی بیان العبودیۃ الحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَانَ سَيِّدِي عِنْدَ الْخَوَاصِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَمَاتَ فَتَحَىٰ
عَنْهُ يَقُولُ إِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَاشِيَةِ مَعَ
الْجَنَازَةِ أَنَّهُمْ لَا يَتَرَكُونَ اللَّعُونِ الْجَنَازَةَ
وَيَسْتَعْلُونَ بِأَحْوَالِ الدُّنْيَا فَيَسْتَبْغِي أَنْ
تَأْمُرَهُمْ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ
اللَّهِ بَانَ ذَلِكَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ وَلَا
يَسْتَبْغِي لِلْفَقِيهِ أَنْ يَنْكِرَ ذَلِكَ إِنْ بَنَصَ
أَوْ إجماعاً فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ إِذَا ذُنَّ الْعَامَّةُ مِنَ
الشَّامِ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ
اللَّهِ كُلٌّ وَفِي شَأْوَ اللَّهِ التَّعَجُّبُ مِنْ
عَمَلِ قُلُوبٍ مَنْ يَنْكِرُ يَسْتَلْ هَذَا -

حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ
جب معلوم ہو کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے
سیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات
میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم
دیں کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا پڑھنے سے افضل ہے
اور فقیر عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے
گویا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے
اس سے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے
مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے حیثیت
بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس اند
دل سے جو اس کا انکار کرے۔

امام شعرائی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں -

وَلَا تُنْكِرُ أَحَدًا مِنْ أَخَوَانِنَا
يُنْكِرُ شَيْئًا بَشَرًا عَنْهَا الْمُسْلِمُونَ عَلَى حَقِّهِ
الْقُرْبَةِ وَرَدَّاهُ حَسَنًا لَا سِيَّمَا مَا كَانَ
مُعَلَّقًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ كَقَوْلِ النَّاسِ أَمَامَهُ
الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
أَوْ قِرْوةً أَسْبَغَ الْقُرْآنَ أَمَامَهُمْ وَتَحْوِذَ ذَلِكَ
فَعَنْ حَرَمَ ذَلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فُهِمِ الشَّرِيعَةِ
پھر فرماتے ہیں - وَكَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ أَكْبَرُ الْحَسَنَاتِ تَكْلِيفٌ
يَنْفَعُ مِنْهَا دَمَلُ أَحْوَالِ غَالِبِ الْخَلْقِ
أَلَا نِي الْجَنَازَةِ تَجِدُهُمْ مَشْغُولِينَ

ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے
کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے
ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً
وہ جو اللہ تعالیٰ و رسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے
کہ لوگوں کا جاننے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازہ
کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص
اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔
یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں
میں بہترین کی ہے پس اس سے کیوں منع
کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب
حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے

يَحْكَايَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْصِرُوا بِالْمَيِّتِ وَقَلْبُهُمْ
غَافِلٌ عَنْ جَمِيعٍ مَا وَقَعَ لَهُ بَلْ رَأَيْتُ
مِنْهُمْ مَنْ يَضَعُكَ دَاذَا نَعَا رَحَضَ
عَيْنُهُ نَا مِثْلُ ذَلِكَ وَكُونُ ذَلِكَ
لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَأْذَى اللَّهُ
عَنْ وَجَلْ بَلْ كُلُّ حَدِيثٍ لَعُوْ أَوَّلِي
مِنْ حَدِيثِ آبَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَازَةِ
فَكَوْنَا حَ كُلِّ مَنْ فِي الْجَنَازَةِ لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَلَا
إِعْتِرَاضَ -

ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پڑ گئے
ان کے دل میت سے مبرا نہیں ہو سکتے
اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ سمجھتے تو
بہت سے لوگوں کو جنت سے ہرے دیکھا اور جب
لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پڑل
کر کے کر یہ کلر پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں
پڑھا جاتا تھا۔ اس کے ناجائز ہونی کا حکم دینا درست
نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے
بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازہ میں
بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازہ کے
ممبروں کو لا الہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً
اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ سنتے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت
ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس سے پیارہ نہ ملیں گے۔

اعتراض را جنائے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اول
کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنائز میں ہے۔

جنائے کے ساتھ جانیا لوں کو خاموش رہنا واجب
ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے
اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو پسند میں کریں۔

وَعَلَى مَسْجِدِ الْجَنَازَةِ الصَّهْبُ وَيَكْفُرُ مَا كُفِّرُ فَع
الصَّوْبُ بِاللَّذِكْرِ وَتَبْرُؤُ الْقُرْآنِ فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُكْرَمَ
اللَّهُ يَكْفُرُ فِي نَفْسِهِ كَذَائِي تَدَاي قَاحِي خَلَقَ

قادی سرسید باب تل الجنائزہ میں ہے۔

وَيُكْرَهُ الْقِيَامُ وَالْقُوتُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ
وَفِي مَسْئُولِ الْمَيِّتِ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ
وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَقَوْلُهُمْ كُلُّ مَنِي قِيَمَتُ وَ
فَعُو ذَلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بِذَعَةٍ -

جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔

در مختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے۔ کما کیدہ فی ہمارا رفع صوت یذکرہ اور قریۃ جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قروت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ قُلْتُ وَإِذَا كَانَ هَذَا ابْنِي لِدُعَاءٍ فَمَا طُنْتُكَ بِالْغِنَاءِ الْحَادِثِ فِي هَذَا الزَّمَانِ جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔ ابن منذر نے اشرف میں نقل کیا کہ قَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادَةَ كَانَ أَصْحَبُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُهُونَ رَفَعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلَاثٍ عِنْدَ الْقَبْرِ فِي الْجَنَازَةِ وَفِي الذِّكْرِ یعنی صحابہ کرام سہواً جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو مبت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب۔ فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کہ امت تنزیہی مراد ہے یا تحریری، کہ امت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا یا کہ ہر زمانہ کے لیے تیسرے یہ کہ مطلقاً کرنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں ملے ہر جاویں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاوے گا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبارت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریری ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحر الرائق میں غایت سے نقل کیا

قَالَ تَحْرِيمًا وَقَدْ تَرَدَّدَ كَمَا فِي الْعَيْنِ عَنِ الْعَيْنِ فِيهِ
عَنْهَا وَيَنْبَغِي لِمَنْ تَبَعَ الْجَنَازَةَ أَنْ يَطِيلَ

الصَّمْتُ۔

اسی بحر میں برداشت غایت ہے کہ جو شخص جنازہ سے

کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جانتے ہیں۔ نیز کرامت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے کلمات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی فرماتے ہیں۔ شامی جلد اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکرہہ۔

فَيُحْيِي سِدْرًا إِذَا كَسَرُوهَا مَكَرُوهًا فَلَا بُدَّ
مِنَ النَّظَرِ فِي دَلِيلِهِ فَإِنْ كَانَ تَهْيِئًا
ظَنِيًّا يَجْعَلُكُمْ بِكَمَاهِلِهِ التَّحْرِيمِ إِلَّا يَصَارِفُ النَّفْسَ
عَنِ الْحَرَمِ إِلَى النَّدْبِ فَإِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّلِيلُ نَهْيًا
بَلْ كَانَ هَيْئَةً لِّلْقَوْلِ الْغَيْرِ الْجَائِزِ وَفِي تَأْوِيلِهِ

جب فقہار مکروہ فرمادیں تو ضروری ہے کہ کرامت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا کافی دے تو کرامت تنزیہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہار کرامت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کرامت تحریمی ہے ورنہ کرامت تنزیہی۔ اور جو فقہار نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ إِنَّهُ لَا يُجِيبُ الْمُضْطَرِّينَ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا اِجْبَاهِيُونِ بِالْأَعْيَادِ یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عمود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وَتَدْرُسُ حَجَّ النَّفْسِ أَنَّ الْكَلَامَ مَخْلُوفٌ إِلَّا ذِي إِمَامٍ فَرَوَى نَعْنِ اس کو ترجیح دی کہ جنازہ کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ مشرح طریقہ محمدیہ نے بیان فرمایا دَهْوٌ يَكُونُ عَلَى مَعْنَى أَشَدِّ تَأْكِدٍ إِلَّا ذِي إِمَامٍ جَنَازَةٍ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ جن فقہار نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانے کے لئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کرامت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازہ کے ساتھ جلاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج و غم میں شرکت کرتا تھا اور مشرعی مدعی بھی

یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کر لیں۔ تین دن اعلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاِذَا احْتَمَلْتَ اِلَى الْقَبْرِ مِنْ جَنَازَةٍ ۖ فَاَعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا تَحْمِلُ

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہذا فقہار نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار

مصنف امام نووی باب ما یقول الماشی مع الجنازہ میں ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هُوَ اَنْتَهُ اَسْكَنْ لِحَاظِيهِ وَاجْتَمَعَ بِفِكَرِهِ فَيَمَّا يَتَعَلَّقُ بِالْجَنَازَةِ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي هَذَا الْحَالِ۔

مشکوٰۃ باب من میت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لیے گئے وَجَلَسْنَا مَعَهَا كَانَتْ عَلٰی رِءُوسِنَا الطُّيُورُ تَبَارِيْ قُبْرِ مِّنْ دِيرَتِيْ تَوْحَمُ اس طرح خاموش بیٹھ گئے

جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے اڑ نہ جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دیادہی باتیں ہی

مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گتیاں اڑاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں تو ان کو ذکر الہی میں مشغول کر دینا ان سپردہ

باتوں سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر

رہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرائی اپنی کتاب عمود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَالَيْمًا لَمْ يَكُنِ اَنْكَرُهُمُ وَالْقِرَآءَةُ وَالذِّكْرُ

اَمَامَةُ الْجَنَازَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لَا تَهْمُ كَالْاِذِ

اَمَاتِ لَكُمْ مَتَّيْتُ اِسْتَدْرَكُوا كَلَامِي فِي الْحَزَنِ

عَلَيْهِ حَتّٰى كَانَ لَا يَعْرِفُ قِرَآئَةَ الْمِيتَةِ

مِنْ غَيْرِهِ فَكَانُوا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى النُّطْقِ

الْكَلْبِيِّ لِمَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ

گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا

ذکر کرنا اس لیے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا

تھا تو سارے شہر کا رنج و غم میں شریک ہو

جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت

اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر رنج

کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت

خَرَسَتْ أَلْسِنُهُمْ عَنْ كُلِّ مَلَامَةٍ فَإِذَا
وَجَدْنَا جَمَاعَةً بِهَذَا الصِّفَةِ فَلَمَّا
أَخْبَى عَلَيْنَا أَنْ لَا تَأْتِيَهُمْ بَقِيَّةُ عَذَابِهِ وَلَا يَذْكُرُ

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کیسے کیا اسکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بحیری
شرح اقبال کے ماضیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں (قَوْلُهُ ذِكْرُهُ لَغَطٌ فِي الْجَنَازَةِ) قَوْلُهُ
لَغَطٌ آيُ مَرْتَعٌ صَوْتٌ وَلَوْ يَقْرَأُ أَوْ ذِكْرُهُ أَوْ صَلَوةٌ عَلَى الشَّيْءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَهَذَا بِأَعْيَابِهِ مَا كَانَ فِي الصَّدْرِ
الْأَوَّلِ ذِكْرًا فَلَا ذِكْرَ الْبَاسِ بِذَلِكَ
لَأَنَّهُ شِعَارُ الْمَيِّتِ لَأَنْ تَرَكَهُ مَوْدِيَّةً
بِهِ وَلَوْ قِيلَ يَوْجُوبُ لَمْ يُبْعَدُ
كَمَا نَقَلَهُ الْمَذَاهِبُ

امام شعرانی نے عمود مشاریح میں فرمایا۔

فَبِمَا أَحَدَثَهُ الْمُسْلِمُونَ وَ
اسْتَحْسَنُوهُ قَوْلَهُمْ أَمَّا الْجِنَارَةُ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ
أَوْ سَيَلْنَا يَوْمَ الْغُرُضِ عَلَى اللَّهِ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ

رَسُولُ اللَّهِ وَتَحْوِذُ ذَلِكَ فَبِمِثْلِ
هَذَا لَا يَجِبُ أَنْ تَكُونَهُ فِي هَذَا التَّرْتِيبِ
كَأَنَّهُمْ إِنْ كُنُوا اسْتَعْلَوْا بِذَلِكَ
اسْتَعْلَوْا بِحَدِيثِ السَّائِيَا وَذَلِكَ
لَأَنَّ قَلْبَهُمْ قَائِمٌ مِثْ ذِكْرِ
الْمَوْتِ بَلَّغَتْ بَعْضُهُمْ يَحْضُرُكَ

مزدہتی تھی۔ اور ان کی زبانیں لگتی موبہاتی تھیں
اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم
انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم بدیں گے۔

یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ
یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا
ورد خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے
لحاظ سے ہے۔ جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں
کی تھی۔

ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں
کیونکہ ذکر با الجہر میت کی علامت ہے اس کے
چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہذا اس کو اگر
ضروری بھی کہا جائے تو بھی بعید نہیں جیسا کہ
مذاہبی علیہ الرحمہ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا
ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے
ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا کہتے ہیں
کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ
یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا
اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں

أَمَّا الْجِنَا سَرَّاهُ ۚ يَمْرُوحُ - اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ لیونکہ اگر وہ لوگ

اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کو جنازے کے آگے سنتے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام شعرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اُس سے بدتر حال آج ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر بٹھتی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر لکڑیوں سے کھینڈنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ۔ مٹا لیں جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے آپس میں منہ مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اُس کو بُرا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی لنگا کیوں رہی ہے کہ کلام سلام، مجلس، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ خدا سمجھو۔ فورٹ ضروری۔ شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اداں زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اویار اللہ پر چار دیواریں ڈالنا اب ضرورت زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پڑھائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کے لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصنف میں ہے۔

سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسد ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں

كَأَنَّهُ يَكْتُبُ اسْمَ السُّورَةِ وَعَدَّةَ
الْآيَةِ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ إِحْدَانَا فَيُؤَيِّدُ عَنْهُ
حَسَنَةً وَكَفَمِنْ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَانَا وَهُوَ

حَسَنٌ وَكَرَمٌ شَيْءٌ يَصْلَحُ بِأَخِيَّتِهِ
الذَّيْنِ وَالْمَكَانِ -

اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہے۔

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لیے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت چنانچہ میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے کا اعلان کرنا اس نیت سے کہ لوگ نماز جنازے یا دفن میں شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ در مختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا يَأْسَ بِثِقَلِهِ قَبْلَ دَفْنِهِ وَ
يَا أَيُّهَا الْعَلَامُ بِمَوْتِهِ وَيَا مَرْتَبَهُ بِشَيْخِهِ
أَدْعِيهِ -

یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔

اس کی شرح شامی میں ہے۔

یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے کہ وہ جانا ہے یہ کہہ کر گلی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان کر دیا نہیں ہے جبکہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

إِنِّي أَعْلَمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا
حَقَّهُ دَكِيرَةً بَعْضُهُمْ أَنْ يُنَادِيَ
عَلَيْهِ فِي الْأَقَاتِ وَالْأَسْوَاقِ
وَالْأَصْحَفِ أَنَّهُ لَا يَكْذِبُ إِذْ أَلَمْ يَكُنْ
مَعَهُ تَنْوِيهُ بِذِكْرِهِ -

جبکہ اعلان جنازہ کے لیے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جگہ کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکرِ طافدہ ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو تو جائز ہے۔ اسی لیے علامہ شامی نے اسی بحث میں تارخانیہ سے نقل کیا۔

لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد زور کرنا یا نیت کے لیے نماز

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِندَ الْجَنَائِزِ
فَيَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ التَّوْحُّدَ أَوِ الدَّعَاءَ

لَقِيَتْ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلَاةَ
أَوَّلَ قِسْطٍ فِي مَدْحِهِ كَعَاذَةِ الْجَاهِلِيَّةِ
بِمَاهُو يَنْبَهُ الْحَالِ وَأَمَّا أَصْلُ الشَّائِئِ عَلَيْهِ
فَقَعِيدٌ مَكْرُوبٌ -

شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی
تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت
کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ
مکروہ نہیں ہے -

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا ہر جاہل و جاہلہ کے لئے جائز ہے فی زمانہ اس
میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے - چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم
کو ہے - اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جائے - فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الہی سے
نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے بے غبت میں - اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو - درختاً
باب صلوة العیدین میں ہے -

وَلَا يَكْتَبُ فِي طَرَفَيْهَا وَلَا يَنْتَقِلُ قَبْلَهَا
مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَنْتَقِلُ بَعْدَهَا
فِي مُصَلَّاهَا فَإِنَّهُ مَكْرُوهٌ
عِنْدَ الْعَامَّةِ -

عید گاہ کے راستہ میں کبیر نہ کہے اور نہ عید سے
پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عید گاہ
میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے
نزدیک مکروہ ہے -

پھر فرماتے ہیں -

هَذَا لِلْعَوَامِ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَمْنَعُونَ
مِنْ تَكْثِيرِهِ وَلَا تَنْقِلُ أَصْلًا بِقِلَّةِ
رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ -

یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عوام کو اس
سے منع نہ کیا جائے نہ کبیر کہنے سے اور نہ نفل
پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا خیر میں کم ہے -

اس کے تحت شامی میں ہے اخی لا یشرأذ ولا جہر فی التکبیر یعنی ان کو آمہتہ اور بلند آواز
سے کبیر کہنے سے نہ روکا جائے - نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بخوارہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں
کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے کبیر کہتے ہیں
کیا ان کو منع کیا جائے فرمایا کہ نہیں - ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض مرقعوں پر عوام کو کسی
خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں - اسی لئے فقہاء نے یہ تو فرما دیا - کہ
جنائز کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو -

اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت، اگر بہت تفریق کی بنا پر ہے تو یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہذا غائبے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعترض (۲) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیتے جاتے ہیں "رام رام ست ہے" اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب۔ کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدا سے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کو آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوتی نیز جو کام کہ کفار کچھ تو می یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔

اعترض (۳) راستے میں کلہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ دہان گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا منع ہے۔ **جواب**۔ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجبر منع ہے جیسے کہ پائخانہ یا گھوڑا روڑی اشامی بحث قرعت عند المیت میں ہے۔ وَفِي الْقُبْرِ لَا بَأْسَ بِالْقُرْآنِ مِمَّا كُنَّا أَذْمًا شِيَا إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ مَعْدًا لِلتَّجَاسَةِ۔ سواریا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن فعل میں ہے کہ راستے سے گزرنا جائز ہے اور پائخانہ میں ہے ناجائز ہے۔ نیز بقرعید کے دن حکم ہے کہ عید گاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریف کہتا ہوا جاوے۔ در مختار باب صلوة العیدین میں ہے۔ وَكَيْفَ جَهْرًا اِتِّفَاقًا فِي الطَّيْرِ رَيْنِ راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔

حالات و ماں اکثر گندگی ہوتی ہے۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب الصلوٰۃ و التبیح میں اور مدۃ الارباب مجموع النوازل بغایہ، سرحد، ملقط تجفیس وغیرہ میں ہے۔ - وَ اَمَّا التَّسْلِيْمُ وَ اَللّٰهُ قَلِيْلٌ لَا يَأْسُ مِنْ اِلٰكَ وَ اِنْ سَرَقَ صَوْنَهُ یعنی حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اعتراض ہم جنار سے کئے گئے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو موت یا آجوتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں یا بقاء عہ طبعی بھی یہ منع ہوتا ہے۔ جواب: قرآن فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللّٰهُ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے۔ ماں کفار ڈرتے ہوں گے۔ ان کو ڈرنے و کفار تو ان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے اذان بندی جاوے گی۔ ماں اگر کسی مازق طبیب نے لکھا ہو کہ کلمہ طیب کی آواز دبا کے اسباب میں سے ہے تو پیش کیا جاوے لیکن وہ طبیب مسلمان اور حاذق ہو۔ کوئی دیوبندی یا کردہجی طبیب نہ موجود ہی باتوں کا اعتبار نہیں۔ ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔ مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک سب قدر مسائل میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دار و مدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جن مسائل کی بنا پر عرب و عجم کے علماء نے دیوبندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اسرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا ہم ان اشارہ اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی تا فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

دوبستری عقائد

اسلامی عقائد

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ دمسک
امکان کذب، براہین قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد
صاحب انجھوی جہد العقل مصنف محمود
حسن صاحب۔

جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا
وغیرہ اور رب تعالیٰ بربیب سے پاک ہے
وَمَنْ أَضَدُّقٍ مِّنَ اللَّهِ حَدِّثْكَ الْقُرْآنَ کَرِیْمَ، نیز خدا
کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے
سکنا کہنا بے دینی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی شان بر ہے کہ جب چاہے
غیب دریافت کرے۔ کسی دلی بتی جن فرشتے
بجوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی، تقریر
الایمان مصنف مولوی اسماعیل صاحب
دلہوی،

خدا سے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم
اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب
معلوم کرے کیا مطلب یہ تو کہ نہ چاہے تو جاہل ہے
یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں
واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم
غیبیہ عطا کیے (قرآن کریم)

خدا سے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و مائیت سے
پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر
ہے نہ وہ اجزا سے بنا ہے اس کو بندیدوں نے بھی
بیخبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور
مائیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔
ایضاح الحق مصنف مولوی اسماعیل صاحب
دلہوی۔

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جانتے والا ہے۔
اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے
کسی چیز سے اس کو بے علم ماننے بے دین ہے۔
واعلم کتب عقائد، ووبندی خدا کے علم غیب کے
بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار
کریں تو کیا تعجب ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر
نہیں ہوتی جب بندے چاہتے یا برے کام کر لیتے
ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ طبعہ المیران صفحہ
۷۰ زیر آیت اَلَا عَلَی اللّٰهِ وَرَزَقْنَاهُ خُلُقًا فِی کِتَابٍ
مُبِیْنٍ۔ مصنف مولوی حسین علی صاحب پھر انوار
شاگرد مولوی رشید احمد صاحب۔

خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام

اور خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور

علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی ہیں لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجائیں تو بھی خاقیت میں فرق نہ آویگا و تعذیر اناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند

آخری نبی میں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، پروردی، مرقی، مدنی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب علماء کا اجماع ہے اور یہ ہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔

(جیسے کہ قادیانی اور دیوبندی)

(۷) اعمال میں بظاہر اُستی ہی کے برابر ہوتا ہے ہیں بلکہ جڑ بھی جاتے ہیں و تعذیر اناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند

کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی، عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا صحابی کا کچھ جو غیر است کرنا ہمارے مدعا میں سوانحیر است کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)

(۸) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ دیکھو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۱۴

رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنف مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی

(۹) حضور علیہ السلام کو جہانی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں رہا میں قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد صاحب و تقویت الانیان مصنف مولوی اسماعیل صاحب دہلوی

حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر یہ نیت عقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا بدوری ہے نہ نسبت خود بہ سنگت کر دہم و بس منفعلم زانکہ نسبت بہ سنگ کوئے توشد بے ادبی است

(۱۰) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (براہین قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد

جو شخص کی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور

<p>علیہ السلام تمام مخلوق النبی میں بڑے عالم ہیں۔ حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو اور نئے چیزوں سے تشبیہ دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔</p>	<p>صاحب، (۱۱) حضور علیہ السلام کا علم پتوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے۔ حفظ الایمان مصنف مولوی اشرف علی صاحب،</p>
<p>رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسے آئی وہ بے یقین ہے۔</p>	<p>(۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو، ہونا مدرسہ دیوبند سے آگیا و برائین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب،</p>
<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ رُجُومُهَا پھر فرماتا ہے اَللّٰهُ لَا يَرْسُوْهُ وَاَللّٰهُ يَرْسُوْهُ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل بنانے وہ خود چہار سبے ذلیل ہے۔</p>	<p>(۱۲) ہر چھوٹا یا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چہار سبے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنف مولوی اسماعیل صاحب)۔</p>
<p>جس نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لئے التیمات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر و ناظر)۔</p>	<p>(۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور میل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنف مولوی اسماعیل دہلوی)۔</p>
<p>حضور علیہ السلام کے بعض غلام پلصراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور پلصراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے رَبِّ سَلِّمْ رَحْمَتَكَ عَلَیْہِمْ حضور علیہ السلام کو صراط پر کرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔ حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی</p>	<p>(۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پلصراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گریے جاتے ہیں تو میں نے حضور کو گرنے سے روکا (بلغۃ الجہان، بیشترات مصنف مولوی حسین علی صاحب اگر مولوی رشید احمد صاحب (۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں</p>

ایک کہن شاگردی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے ان کے کسی شریذ نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی گھن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے (رسالہ الامداد) مصنف مولوی اشرف

علی صاحب ماہ صفر ۱۲۳۵ھ

عقائد دیوبندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جائیں تو اس کے لئے دفتر چاہیے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبر کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ مذہبی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب کی امانت کی گئی اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے بہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم ان کے غلامان غلام اپنی صدیقہ مال کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لئے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میر شاگرد صاحبزادہ بنداقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سہاکا امرا تھا کہ امکان کذب، امکان
تغیر دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لئے
دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل
کی معرکہ الاراء تحقیق کریں گے جس سے علما شے دیوبند کی منطق وافی کا بھی انشاء اللہ تہ چل جائیگا۔ اور مولوی
حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت
بھی معلوم ہو جاوے گی انشاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پرست میں۔ نبی علیہ السلام

ہائیں میں قرآن کریم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جو رو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سنت تو میں بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جو رو سے تعبیر دی جاوے۔

کواور اپنے پیروں کو خڑے ملا رہے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں جن کو کھاتے ہیں کہ خورد و یونہی کس درجہ کے پیر پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے کہ

شعر تہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ : کسوں ہوں بار بار اُردی مری کبھی بھی نادانی
مولوی رشید احمد صاحب کی قبر کو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب اُردی فرمائے داسے جوئے
جوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ
میں فرماتے ہیں :۔

شعبان پر اہل اُلو کی جے کیوں اُغل جُبل شاید ، اٹھا دیا سے کوئی بانی اسلام کما ثانی
اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی کہا گیا
پھر فرماتے ہیں کہ

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کیے عجب کیا ہے ۔ شہادت نے تجھ میں قدم ہوس کی گرٹھائی
اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا ۔ پھر فرماتے ہیں سہ
شعر قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ۔ ” عبید سود کا ان کے لقب جیووسف ثانی
منووی رشید احمد صاحب کے کا رہے بتے ماثرا اللہ ایسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب
دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کو سارے باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو زندیا گیا۔ تمام شیعہ ہی
قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے ۔ سہ

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا ۔ اس سچائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم !
اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج
دیا ہے کہ اے علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے
دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو علیہ السلام سے
افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا **اَللّٰهُ اَشْرَفُ عَلٰی رُسُوْلٍ** اللہ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہی سننے

تکلیف تھا پھر بیدار ہو گیا تو درود شریف پڑھا۔ یوں اُنھیں صلی علی سیدنا و آلہٖ و سلم اللہ اعلم اللہ البقی بیدار ہوں گے دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طوفانِ جموح کرتے ہو وہ بعونِ تعالیٰ متبعِ سنت ہے۔ ۳۰ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد بابت ماہِ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہیے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کرو۔ سب جانتے ہیں۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے۔ یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبعِ سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔

تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۴ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاریچ اپنے مہمانوں کا کھانا پکھا رہی ہیں کہ جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ کھڑے ہو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکا دے۔ اس کے مہمان علماء دیوبندی ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا (پیشم بدوور)

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراطِ مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا دامنِ یاقوتِ خاص اپنے دستِ قدرت میں پکڑ کر امورِ قدسیہ سے بہت ملوث اور نادر چیزیں ان کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ کھوکھلا ہی کیوں نہ ہوں ہم ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی صراطِ مستقیم میں ادبیار کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان بھی من و نہیہ نبوت کا علائقہ ہے۔ اور من و نہیہ اخوت کا یعنی ادبیار اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کیسے آج تک کسی مرید نے اپنے پیروں مرشد کے لئے ایسی تعلیم نہ کی ہو گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شریک ہے نہ حکمِ کفر نہ یہ قبر پرست کہلاتے ہیں جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اخبار منظور ہے نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی و استاذی قبلہ عالمِ حامی دین و ناصرِ مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دامِ ظلم اللہ اس کے در کا تذکرہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے درست و دشمن کو پہچانیں۔ درست ایمان

کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اُس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعا ہے حسن خاتمہ کرے۔ مولے تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرما دے۔ مسلمانوں کو راہ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرما دے آمین یا رب العالمین بجا جیکے اروع وقت التَّحِيْمِ الْكَرِيمِ وَحَسْبِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَلْقِهِ وَفَوْزٍ بِشَيْءٍ سِدِّدًا وَمُؤَلِّمًا شَهِيدًا عَلٰی اَبْرَءِ اَصْحَابِهِ اَجْمَعِينَ بِرَحْمَةٍ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

ناچیز احمد یادگار خان، نعیمی اسٹریٹ، ادجھانوی بدایونی سرپرست مدرسہ نوریہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان ہذا بقدر دوز ایمان افروز و شنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ۔

اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالمِ محدث علی پوری دامِ ظلم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعثِ عزت افزائی ہوا جس میں ایک ایمان افروز نہایت بلدیک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے بدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشتر کہتے ہیں وہ تو ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو میان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اُس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ كُنْتُ كَاَحَدٍ مِّنَ الْمَسَاكِينِ اے نبی کی بیویا تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات بے مثل بیویاں ہیں كُنْتُمْ حَيَاتًا مَّاتَةً اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو۔ معلوم ہوا کہ امتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین بیشمار زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ عنقہ جس کو اُس ذاتِ کریم سے نسبت ہو گئی وہ بے مثل وہ بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

مریم ازیک نسبت عیسیٰ عزیز * از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم ترحمۃ للعالمین * آن امام اذلین و آخرین
بانوئے آن تاجدارِ صلّٰی آلہ * مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آن مرکز پر کارِ عشق * مادر آن فائدہ سالارِ عشق !

رشتہ آئین حق زنجیر پاست • پاس فرمان بناب مصطفیٰ است
 ورنہ گرد و ترخش گردیدے • مسجد بابر خاک دے پاشیدے
 ناظر زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، دل کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا
 سبحان اللہ کیا طرز استدلال ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے
 اللہ کی ستر با قدم شان ہیں یہ • ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ
 قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ • ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وبارک وسلم

احمد یار خاں ادجھانوی عفی عنہ

قبر کبریا میں سرین عصمت انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دیر کر دیا۔
 ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا جو انبیاء کے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کا فر بھی کہتا ہے
 کہ وہ سب حضرات خاکش بدین پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے
 نبی ہوئے میرے پاس صرف جو ب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور
 ناکر تا ہوں کہ میری عزت و آبرو زبان و قلم عظمت انبیاء کے لیے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا
 خوب فرمایا ہے

فَلَنْ أَبَى دَوْلَتِي دَعْوَتِي • لَعْنُضِ مُحْتَدٍ مِنْكُمْ دُعَاؤُ

یہ رسالہ بہت دن جوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے
 ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور

و باب میں۔

مقدمہ۔ گناہ چند طرح کے ہیں، شرک، کفر، کبائر، منکرات، پھر منکرات دو قسم کے بعض وہ جو نہایت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولد وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عذاب اور سہوا۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کلافت۔ دوسرے نبوت کے بعد انبیائے کرام شرک، کفر، بد عقیدگی، گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عذاباً سہواً ایک آن کے لئے بھی بد عقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں، مدارج اور وابہ میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی سابق عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدا ہونے کی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر اسٹاڑ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي أَلْكَتُيبَ وَ جَعَلَنِي
نَبِيًّا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا۔

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ
حَيًّا وَ بَرًّا بِوَالِدِيَّ۔ یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کرنا والا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی تکملت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں اور تکملت عملی، تہذیب، اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سب ان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے دوسرے اور ان کے حالات بدسنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا هَذَا رَبِّي اسے کافر و کبار میرا یہ ہو سکتا ہے، اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لَا أُحِبُّ الرَّافِلِيْنَ کہ میں دوسرے والوں کو پسند نہیں کرتا پچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ الْعَالَمُ مُتَعَدِّدٌ وَ كُلُّ مُتَعَدِّدٍ حَادِثٌ هَذَا الْعَالَمُ حَادِثٌ پھر یوں کہتے ہیں کہ الْعَالَمُ حَادِثٌ وَ لَا شَيْءٌ مِنْ الْحَادِثِ

يَعْبُدُونَ فَاَلْعَالَمُ لَيْسَ بِمُعْتَدٍ اِسْ حُرَّاسِدَلال کو رب نے پسند کی کی سند بخش کر فرمایا وَ تَلَمَّتْ
 حُجَّتُنَا اَتَيْنَا هَا اِيْرَاهِيْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سید
 فرما کر اُمت کی شفاعت فرمائی و مدارج و مواہب معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اپنے اپنے
 درجات کو نیز اُمت مرحوم کو بہانے پھانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت
 دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر اسطو و نلاطوں کی ساری کمیتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی
 زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا۔ مَا خَلَقْنَا لِهٰذَا اٰمِ اِس یسے پیدا نہیں ہوئے رب نے اُسکی
 تائیدیوں فرمائی کہ دَمَا خَلَقْتُ الْاِنْحِقَ وَ اَزْلَسَ اَلَا لِيَعْبُدُوْنَ خدو فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ
 و سلم کُنْتُ نَبِيًّا وَاَدْمُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ اِس ہم اس وقت نہیں تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و
 گل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں کہ اِنْبَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اَقْهَمُ
 مَعْصُوْمُوْنَ عَنْ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَ بَعْدُ اِس باجماع انبیاء کرام دوحی سے پہلے اور دوحی
 کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اِس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام عارت باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا دامن
 عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام، ارادۃ
 گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور
 نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطا صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف
 سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ صغائر میں سے وسیل
 حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں
 جو نہ ناسنت اور چھوٹے درجے کی ذلالت کریں اور نہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔
 یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے اسکا کام تبلیغ ان میں
 کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر
 ہو نہ خطائاً یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لیے ہے کہ ان سے بعض
 گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُمت کا اجماع
 ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ

کوئی بھی گناہ صغیر یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرت احمدیہ میں آیت لَا يَنْتَلِزِعُ عَنْهُ فِي الْفَلَقِ الْفَلَقِینِ کی تفسیر میں ہے لَا يَخْلُفُ إِلَّا فِي الْحَدِيثِ أَنْ تَبَيَّنَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يَكْتُبُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً طَرَفَةً عَيْنٍ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ كَمَا ذَكَرَهُ أَبُو حَنِيفَةَ فِي الْفَقْهِ الْأَكْبَرُ تَفْسِيرُ رُوحِ الْبَيَانِ آیت مَا كُنْتُ سَدْرِي مَا أَلِكْتُبُ كُلِّ تَفْسِيرٍ مِثْلِهِ -

یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

يَسْدُلُ عَلَيْهِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيلَ لَهُ هَلْ عَبَدْتَ وَنُتَا قَطُّ قَالَ لَا قِيلَ هَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا سَرَلْتَ أَخْبَرْتُ أَنَّ اللَّهَ يُهْمُ عَلَيْهِ كُفْرًا -

پہلا باب

عصمتِ انبیاء کا ثبوت

عصمتِ انبیاء قرآنی آیات اور احادیث معجمہ اجماع امت و دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار بھی کرے گا جس کے پاس دل و دماغ کی اس کمزوری نہ ہو۔

قرآنی آیات (۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

وَلَا أُخَوِّتُهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ -

معلوم ہوا کہ انبیاء کے نام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے ہیکل سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان

سے ہتر میں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَتْ لَنَا أَنْ نَتَّخِذَكَ يَا اللَّهُ مِّنْ شَيْءٍ | ہم گروہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شریک کریں

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

مَا أَمْرٌ بِدُّ أَنْ أَتَّخِذَ بِكُمْ إِلَهًا مَّا | میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ میں چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت

ہے (۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا أُتْرِجِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَفْهَامَةٌ يَا لَسَوْفَ أَلَا مَكْرَجَةٍ

رَتِّی یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے

ہیں سو اُن نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء میں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس

انہیں فریب دیتے ہی نہیں (۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ أَصْطَفَى الْأَوْدَةَ وَالْأَبْرَارَ

وَالْأَلْعَلَّیْنَ عَلَى الْعَلَمِیْنَ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہان

میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعْصُونَ اللَّهَ مَّا أَمَرَهُمْ بِهِمْ تَفَرُّاقًا

کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے جڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَبْتَئِلْ عَفْوَی الظَّالِمِیْنَ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی ناسقین کو

نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَیْسَ فِی ضَلٰلَةٍ وَ لَیْکَ فِی رَسُوْلٍ فِیْنِ رَبِّ

اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں مگر میں

میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

لیکن تم سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی

نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث (۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے

قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان لاتا ہے مگر عیسیٰ علیہ

السلام کو پیدائش میں چھوٹتی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی دوسرہ سے بھی محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب النفس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احکام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی یہاں بھی احکام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کو جنبا ئی نہیں آئی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اُس وقت لا حول و پڑھتے ہیں

(۵) مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سیدہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اُسے مایہ نازیم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جن راستے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی فکر کوم جوہائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر ثوران حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء امت۔ حمید سے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ خشیعہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوة، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الیاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ الْاَيْدِي تَفْسِيرٌ فِيهِ كَانَ اَهْلُ الْوُصُولِ اِحْقَعُوا عَلٰى اَنَّ الرَّسُلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان معصات سے جو کفرت باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم اور بعد بھی یہ سب کفر

كَانُوا مُؤْمِنِينَ قَبْلَ الْوَحْيِ مَعْصُومِينَ مِنَ الْكِبَايَرِ وَ مِنَ الصَّغَايِرِ الْمُوجِبَةِ لِنُفْرَةِ النَّاسِ عَنْهُمْ قَبْلَ الْبُعْثَةِ وَ بَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

انبیائے کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

اِنَّهُمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَ بَعْدَهُ يَا لَاجْتِمَاعِ وَ كَذَا عَنِ تَعْبُدِ الْكِبَايَرِ عِنْدَ الْجُمْهُورِ۔

غرض کہ امت مجبورہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے سوائے زیادہ مبارک میں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

جَبَّارُكَ الْاَنَارِ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہِ مصطفویٰ میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر ناکش بدینِ آب کا دامنِ عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر اسکا وسیلہ کون ہو گا، اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو۔ ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اور وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیحِ جلاویج کا سوال پیدا ہوگا۔ اور دوسرا تسلسل لازم ہوگا (۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے مگر کاؤ پر بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا کس بھی قیمتی۔ دوسرا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دوسرا برتن نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی افراہی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لیے رب نے فرمایا اللہُ یُعَلِّمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهُ اللہ ہی اُن نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابلِ اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدق و گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوذر مراد صدیق نے ادنیٰ کے متعلق یہ ہی فرمایا تھا کہ یا حبیب اللہ! ادنیٰ کا تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ یوں زبانیں کر واقعی آپ نے ادنیٰ لیا ہے جس کے انعام میں اُن ایک کی گواہی دے کے برابر کر دی ہے۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجماعاً جواب عرض کیے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احادیث ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابلِ اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہی ہوں۔ تفسیر کبیر سورۃ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جو تائید ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور قرآنی

آیات اور متواتر روایات سے اُن حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا جو سب واجب التاویل میں
 کہ اُن کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطا کئے نبوت سے پہلے کے تھے۔
 تفسیرات حمید شریف آیت لا یزال عہدی الظالمین کی تفسیر میں ہے وَإِذَا أَنْقَرُوا هَذَا أَفَمَا تَقُولُ عَنِ
 الْأَنْبِيَاءِ مِمَّا شَعَرُوا بِكَذِبِ أَوْ مَعْصِيَةٍ فَمَا كَانَ مَقُولًا بِطَرِيقِ الْأَحَادِثِ وَلَا مَقُولًا بِطَرِيقِ الْأَوَّلِينَ أَوْ كَذِبًا كَذَلِ
 الْبَعْثِ بَلْكَ مَارِجِ الْغَبْرِ شَرِيفِ جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آئین مشابہات کی
 مثل ہیں۔ جن میں خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، معنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کا یہ سے
 موصوف ہونا قطعاً اجماعی ہے مگر بعض آئین ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب
 فرماتا ہے يَحْيٰى عُوْنُ اللّٰهِ دَعُوْا دُعَاؤَهُمْ وَه رَبُّكُمْ دَعُوْا دُعَاؤَهُمْ وَه رَبُّكُمْ دَعُوْا دُعَاؤَهُمْ
 انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے فَاٰتَيْنَا قُوَّةً لَّكُمْ وَجَعَلْنَا لَكُمْ مِنْكُمْ رَحْمَةً لَّكُمْ رَبُّكُمْ
 مَنہ ہے فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلْبَسُوْا لَكُمْ مِنْكُمْ رَحْمَةً لَّكُمْ رَبُّكُمْ اَلْبَسُوْا لَكُمْ مِنْكُمْ رَحْمَةً لَّكُمْ رَبُّكُمْ
 عَنِ الْغُرُثِ مَہر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابر کرادو جو کہ سے پاک
 اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی
 جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار
 مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو ناسق یا
 مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا
 مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

اعتراف ۱۱) اہلسنہ نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر
 یہ ہی جرم کیا ہے۔ دونوں کو سزا بھی کیساں دی گئی کہ اُسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت
 سے خارج کر دیا گیا جرم و سزائیں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔
 اہلسنہ نے یہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے (محمد شمس شریعت کا پورا)

جواب شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں
 نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب

غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کر نیکی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ میں کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرِجْ مِنْهَا قَاتِلَكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي اِلٰی يَوْمِ الدِّينِ گویا زمین اس کے لیے کائے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اور لاجل کے کورے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا فَتَنِي وَكَمْ جَعَدَ لَهٗ عَذَابًا كَبِيرًا فرمایا قَاتِلَكَ الشَّيْطَانُ کہیں فرمایا قَاتِلَكَ الشَّيْطَانُ مَغْرُومًا اس واقعہ کا ذکر وارثو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے اُن سے حفاظ ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ اُن سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس وحشت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپکا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اِلَّا تَقَرَّبَا مَمَانَعَتٍ تَنْزِيهِی سمجھے اس کی پروری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَتَکَ جَنَّتِ میں تو کچھ روز اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ اُن کے ٹرننگ کی تھی کسی کو ٹرننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ اُن کو روکا کہ اس لیے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ زاری ساری عبادتیں کی تھیں درود ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا اور حقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا جنت الابرار رضیات المقربین۔

درود کے واسطے پیدا کیا انسان کو * در نہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کہ وہاں اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا * تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اِخْرِجْ مِنْهَا اور یہاں فرمایا گیا اِصْطَبُوا مِنْهَا جَنَّاتٍ جِیْنَعًا جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لیے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کردہ اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کرڈوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ

آدم و حوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا اور کھروچ البیان و مدارک وغیرہ اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ اگر یہ فعل حضرت آدم و حوا کا ہوتا تو کثیر کان تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا نیز ایک نون سی غلط یعنی لگزم کھانے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیئے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور علمت معیر لغوی و تعلیٰ اعتراف ۱۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَطَنَ آدَمَ سَرَاتَهُ نَعْوَىٰ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوتے۔

جواب :- یہاں عجاوینہ خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غری کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا میں یعنی حیات دائمی کے لئے گنہم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلا گنہم سے بھلے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت جب رب نے ان کے بھول جانیکا بار بار اعلان فرمایا تو عسی سے گناہ ثابت نہ کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

اعتراف ۱۴۔ ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا هَذَا آتِی اور یہ صحیحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب :- اس کا جواب مقدم میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَا أُحِبُّ الْأَفْلَکَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَكَذَٰلِكَ نُرِیْ اِبْرٰهٖمَ مَلٰكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَیَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ الْجَبَلُ الَّذِیْ نَاھَا اِبْرٰهٖمَ عَلٰی قَوْمِہٖ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تشریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیئے تھا۔

اعتراف ۱۵۔ ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ رَّوٰی میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بَلْ فَعَلَہُ کَذِیْبٌ هٰذَا اس بڑے بت نے یہ کام کیا ایسی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا هٰذَا اخِیْ یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ جمالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں

حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں مزے کفر بھی نکال دیتے کی اجازت ہے اَلَا مَن اُكْبِرَ وَقَلْبُهُ مُعْلِنٌ
 بِالْاِثْمَانِ مَن مَّوْعُوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ عالم
 بادشاہ آپ کے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا۔ اسلئے
 یہ فرمایا روح البیان آیت مَن قَعَلَ كَيْدُهُ لِهُدًى فَلْيُكَلِّمْهُ مَن مَّوْدُوسُ سے یہ کہ ان میں سے
 کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد ہے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرورۃً جائز ہے
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا حنت میں نہ جائیگی دیکھا ایک شخص
 نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام
 کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاج) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے وہی بہن مراد تھی
 نہ کہ نبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ
 هٰذَا اِخْتِي لَكَ قِطْعٌ وَتَسْعَوْنَ تَعَجُّلاً يٰمِرْءَانِ ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور
 بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اِنِّیْ سَفِّیْتُمْ اس کے معنی ہیں میں بیمار ہونے
 والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ بِاسْفِیْتُمْ سے وہی بیماری یعنی نافرمانی
 ورنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے نالاغر ہے اسی طرح مَن قَعَلَ كَيْدُهُ هُدًى میں کبیر سے رب تعالیٰ
 مراد ہے اور ہذا سے اُسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے
 معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اُس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا ہی کام ہے
 وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا قَعَلَ شُكَّ کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے
 کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے
 یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند
 عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا۔ وَ لَقَدْ اٰتٰیْنَا اِبْرٰهٖمُ رُشْدًا وَّ عَلٰیہِ سَلَامٌ
 ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے
 ارشاد فرمایا اِنَّ جَاہِلِیْنَ یَقْلِبُوْنَ سِدْرَہٗمُ اَدْنٰی لَّا یَعْرِیْہِمْ اَلَا یَعْلَمُوْنَ جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامتِ طبیعت
 دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراف ۶۔ داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورۃ

ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب :- مورخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں بہت کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احادیث میں ہے وہ بھی نامقبول۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قہ سے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اُسے ایک سوساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا۔ مگر وہ اس کو ڈگنے لگیں گے اور روح البیان سورہ ص قصہ داؤد، واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اور یا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اُسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کر سکا۔ پتا نہ چھوڑا کہ یہ تفسیر است احمدیہ آیت لَا یُنَالُ عَهْدُیَ الظَّالِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَعَنْ وَاذَّ وَ یَكُونُہٗ اِذَا مَا عَلٰی الْفِعْلِ الْمَشْرُوعِ وَ هُوَ نِكَاحُ الْمُخْطَبَةِ لَا وَرِیَا لَا تَقْرُءُ مَا مَنَكُوحَتَہٗ مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند ہوا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کر کر اشارۃً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رقبہ کے بل کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریق سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب توان کی عظمت فرماتے اور یہ دین اُن حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں۔ خدا کی پناہ۔

اعتراض ۱ :- یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی زینب سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِہٖ وَ هَمَّ بِہَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْہَانَ رَبِّہٖ یعنی زینب نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زینب کا ارادہ کر لیا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو یہ کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب :- یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ نہ کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کر لیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے فَهَن تَسْتِ اِلٰی الْاٰیٰتِ الْفٰلِغِیَّہِ کَالْعَزَمِ عَلٰی الزَّیْنٰہِ الَّذِیْ یَقُوْلُہٗ الْمُشْرِیْقِہُ لَقَدْ رَاٰنَا یَتَخَمَّرُہُمُ کَذٰبِی الْفُلْیٰہِ رَمٰہُمَا کَا عَمْرٰثِ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِہٖ پر وقف کر دو اور هَمَّ بِہَا سے علیحدہ آیت شہدہ ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ بیشک زینب نے یوسف علیہ السلام کا قصد کر لیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنی انعقاد عقلاً بطرح

صحیح میں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے وَلَا اَنْ دَعَا بُرْهَانَ رَبِّهِمْ يَهْدِيهِمْ مَلَكٌ شَرِيفٌ
میں ہے کہ وَمِنْ حَقِّ النَّفَارَىٰ اِذَا قَدْ رَحِمْتَ وَجْهَ مِنْ حُكْمِ الْقَسْمِ وَحَقْلَكَ حَلَاوًا مَرَّاسًا اَنْ يَقِفَ عَلَىٰ
يَسْ وَيَلْبَسُوْا بِقَوْلِهِ وَهَمَّ بِهَا قَارِي كَوْمًا يَسِيْرًا كَمَا يَسِيْرُ كَرِيْمًا اَيْت شَرِيفٌ
اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زینحاک تو تیار کیا بیان فرمایا اِنْ
عَلَّقْتَ بِالْاَنْوَابِ وَقَالَتْ هَيْدَتْ لَكَ كَرَامَتُكَ اَنْ تَبْرَحَ رَاغِبًا كَرِيْمًا اَيْت شَرِيفٌ
اور بڑھایا بھی دروازہ بھی بند کر لیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت و عصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ اِنَّهُ رَبِّيْٓ اَحْسَنُ مِمَّا تُشْرِكُوْنَ
اِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ -
خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اُس کے مجھ پر احسان
میں ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔

اور پھر فرمایا كَذٰلِكَ يُصْطَرِّفُ عَنْهُ الشُّعُوْرَ وَالْفَحْشَاءُ فَمَشَارَ مِنْ زَنَا اور شروع سے ارادہ زنا مل رہا ہے
معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آخر کار زینحاک نے بھی یہ ہی کہا کہ۔
اَلَا اَنْ حَصَّ حَقَّ الْحَقِّ اَنَا مَرَاوَتْهُ عَنْ نَفْسِيْ
وَاِنَّهُ لَيَمِّنُ الضَّيِّقِيْنَ -
کی تھی۔

وہ تو سچے میں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی اُن کی پاکدامنی اور زینحاک کی خطا کاری کی گواہی دلاؤ گی کہ وَشَهِدَ
شَآءُ مِنْ اَهْلِهٖا مَازِيْرٍ مَّصْرُفٍ يٰسِيْرٍ اَيْت شَرِيفٌ
اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْحَاطِطِيْنَ اِسے زینحاک اپنے گناہ سے توبہ کر و تم ہی خطا کار ہو و کچھ شیر خوار بچے عزیز
مصروف زینحاک بلکہ غروب تعالیٰ نے اُن کے لیے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زینحاک کی طرح وہ بھی ارادہ
گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہر جانوں و ممال صرت یہ ہوتا کہ زینحاک نے جرم کی
ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو اُن کی توبہ
اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔ تفسیر مدارک میں ہے۔ وَ اِنَّهُ لَوْ وُجِدَ مِنْهُ ذٰلِكَ كَذٰبًا لَّوْثَبَتْهُ
وَ اِسْتَعْفَا مَرَّةً مِّنْكَ اِسْ اَيْت کے یہ معنی اگر ناسیت بہتر میں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برہان
نہ دیکھتے، تفسیر کبیر نے فرمایا اِنَّ ذٰلِكَ جَوَابُ اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے ایت میں ہے۔ اِنْ كَاوَتْ
لِنَسِيْدِيْ بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَّيْتُنَا عَلٰى تَلٰهٰرٍ تَفْسِيْرٌ كَبِيْرٌ اَيْت وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ اِوْ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ
وقف نہ کرو بلکہ بھاگت ایک ہی جملہ مانو اور ایت کے معنی یہ ہوں کہ بے شک زینحاک نے یوسف علیہ السلام

اور انہوں نے زینب کا ہتم کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں ہتھوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ہتم پہ میں
ہتم کے معنی ارادہ زنا ہیں اور ہتم بھائی اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیار سی رغبت جس کے ساتھ
قصد نہیں ہوتا یعنی زینب نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیار سی پیدا
ہوئی جو کہ نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اس کے
پی پیسے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں ہتھوں
کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ وَقَدْ هَمَّتْ تبت سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان
دونوں نے قصد کر لیا دیکھو مَكَوَا وَ مَكَوَا اللّٰهُ کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا
مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّينِ اِنَّ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ بَرِيْثًا
مِنْ اَنْعَمِ الْبَاطِلِ وَالْاُمَمِ الْمُخْتَرِ خيال رہے کہ زینب نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام
کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قَالَتْ مَا جَزَاؤُ مَنْ اَدْرَا بِأَهْلِكَ سَمُوًا اِلَّا اَنْ تُسَبِّحَنَ جو
تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی منزل جہیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ
السلام نے فرمائی کہ هِيَ رَاوَدَتْهُ عَنْ نَفْسِهِ بِكَارِيٍّ كَالارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار
بیچنے بھی کی اور اس کی تردید خود عزیز مصر نے قیص مبارک پچھی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا اِنَّهُ مِنْ كَيْدٍ
كُنْتُ اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زینب نے بھی کر کے اپنا جرم
قبول کر لیا اب اگر ہتم پہلے کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے
کہ رب تعالیٰ نے زینب کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے
یہ تقریر بہت خیال ہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

اعترض ۸۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قطبی کو جان سے مار دیا اور فرمایا هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ
کہ یہ شیطان کا کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔
جواب۔ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قطبی ظالم سے مظلوم امرا کی کو چھڑانا تھا جب قطبی نے نہ چھوڑا۔
آپ نے بٹانے کے لئے چپٹ لگا دی۔ وہ طاقت شنی کی نہ برداشت کر سکا مگر کیا تو یہ قتل خطا ہوا اور
انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطا سے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے کہ ان
هَذَا اَنْتَ الَّذِي تَزِيْرُہ قطبی کا فرزند تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قطبی کو مارا۔ کچھ

یوں بعد تو سارے ہی قطعی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ ضلالت اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قطعیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَتَقَرَّرَ لَهُ اور ظَلَمْتُ نَفْسِي سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی پورے جاتے ہیں یا ہذا سے قطعی کا علم مراد ہے یعنی یہ غلام شیطان کا کام ہے۔

اعتراف ۹۔ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَا معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب ۹۔ یہاں جو کون ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا ضَلَّ طَبِيعُكُمْ وَمَا غَوَىٰ! ۱۰۔ تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گمراہ ہوئے بلکہ یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الہی میں اور ہدایت سے مراد وہرہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھَا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یا اِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یہاں ضل یعنی وارفتگی محبت میں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گئے ہوئے لوگ ہدایت پا میں یعنی اسے محبوب ہدایت دینے والا بلند بالا درخت رب نے بتیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے دل میں غلط فہمی کو ہدایت دے دی یعنی حدیٰ کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی اس کے بہت سے معنی کیے گئے ہیں۔

اعتراف ۱۰۔ رب فرماتا ہے لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ یعنی تاکہ رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لیے دوائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب ۱۰۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ روح البیان الْمَرْءُ بِالْمُغْفَرَةِ الْعُظْمَى وَالْعُصْمَةِ اَرَاكَ دَابْدًا۔ تَيَكُّوْنُ الْمُغْنَى يَتَقَفُّونَكَ يَعْمَلُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَأَخَّرِ دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں ایک مضامین پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسا کہ تک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ

مراد ہوتے تو نکتہ سے کیا فائدہ ہوتا روح البیان و خازن، اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے وَكُنْ
 أَقْرَبَ إِذَا ظَنَنْتَهُ مِنَ الْآيَةِ کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے
 مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں
 ذمہ دار ہوں یہاں نسبت دوسری طرف کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ
 ذمہ دار ہیں۔

اعتراف ۱۱۔ حضور علیہ السلام سے نب نے فرمایا وَكُنْ أَنْ تَبْتَئَنَ لَكَ تَعَذُّرُكَ بِتِلْكَ الْآيَةِ تَبْتَئَنَ
 تَعَذُّرًا اگر جم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے
 معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چکے تھے مگر نب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے
 جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ تفسیر شرطیہ ہے جس میں دونوں
 مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رہ فرماتا ہے۔ تَعَذُّرُكَ لَوْلَا كَانَ لِلَّهِ خُسْرٌ وَلَكِنَّا أَزَلُّ
 الْعَبْدِينَ اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا بھاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا
 اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی
 طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر جم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت
 قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب
 بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب بھی
 نہ ہوتے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوتی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک
 تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الہی۔ اس آیت سے
 معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نفا کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی
 پاک ہے جس میں اس کی مصلحتیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی
 اگر جم آپ کو معصوم بھی نہ بناتے تب بھی آپ کفار سے ملے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ
 کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا۔ ہر
 مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی
 تفسیر میں روح البیان میں ہے اِنَّمَا سَمَاءٌ قَلِيلًا لَّا تَدْرِي دُخَانِيَّةَ النَّبِيِّ كَانَتْ فِي اَصْلِ الْخَلْقِ

غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِ يَتَذَكَّرُ إِذْ لَمْ يُكُنْ فِي حَيْثُ يُدْرِكُهُ شَيْءٌ يَجْعَلُهُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى قَائِمًا مَعْنَى كَوْلَا
الْتَمَسَتْ وَقُوَّةَ النَّبُوَّةِ وَتَوَدُّ الْهَدَايَةِ وَأَتَوْا نَظِيرَ الْعَنَابَةِ لَقَدْ كُذِّبَتْ تَرْكُنَ -

اعتراف ۱۲۔ رب تمناے فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَذَرِي مَا أَلَيْكَتُ وَلَا إِلَهِيَانُ اسے نبی
علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام
پیدائشی عادت بالذات نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب ۱۰۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ وراثت یعنی اٹکل اور قیاس سے
جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وَكَذَلِكَ أَذْهَبْنَا إِلَيْكَ رَوْحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَذَرِي
مَا أَكْتُبُ إِلَّا إِلَيْهِ عَنِی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس
علم کا ذریعہ وحی الہی ہے نہ کہ محض اٹکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں
بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ
پیدا فرمایا تھا۔ پھر اُس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم
ارواح میں ہی نہیں تھے خود فرماتے ہیں۔ كُنْتُ نَبِيًّا قَدْ آدَمُ سَبْعِينَ مِائَةً وَالْعِلْمُ بِهَمْ أَمْسَ وَقْتُ نَبِيٍّ تَحْتِ
حَبْرَةِ أَوْسَ عَلِيهِ السَّلَامُ مِثْلِي أَوْرِثَانِي فِي حُلْوِهِ وَرُحْتِهِ۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی
احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں
روح البیان میں ہے اَيُّ الْإِيمَانِ بِتَفَاصِيلِ مَا فِي قَضَائِ عَيْفِ الْكِتَابِ۔ پھر فرماتے ہیں۔
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالسَّلَامُ أَفْضَلُ مِنْ يَحْيَى وَعِيسَى وَقَدْ أَذْنِي كُلَّ الْعِلْمَةِ وَالْعِلْمُ صَبِيحًا
یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت پہنچ ہی میں عطا
ہو گئی تھی۔ تو یہ کیوں کہ ممکن ہے کہ آپ پہنچ شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراف ۱۳۔ رب فرماتا ہے فَادْرَأْهُمَا الشَّيْطَانُ أَوْمَدُوا عَلَيْهِمُ السَّلَامَ کو شیطان نے بھلا دیا معلوم
ہوا کہ شیطان کا وادہ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔
جواب ۱۱۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے مدد گناہ کبیرہ کر سکتا ہے
اُس نے خود کہا تَعَالَى تَغْوِيَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ اور یہاں ہے فَادْرَأْهُمَا
الشَّيْطَانُ گمراہی اور چیر ہے اور بھلا نا اور چیر ہے۔

اعتراف ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بچکا اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ لیا کر انہیں چالیس سال تک رانا غلام خانہ خرموں کی انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب: جبکہ علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کو دہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بد عقیدگی سے پاک ہونا اجتماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریح آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں رب نے یہ فرمایا ہے وَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ عَلَيْنَا قَدْحُكَ وَعَلَى الْآلِ يَعْقُوبُ یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ الی یعقوب سے انکی صلیبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب نے مسلمانوں سے فرمایا اَتَمْنَتُ عَلَيْنَكُمْ نِعْمَتِي بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے وَمَا اَنْزَلْنَا اِبْرَاهِيْمَ وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْاِسْبَاطَ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحبِ وحی تھے مگر یہ بھی کمزوری بات ہے کیونکہ نہ تو اَنْزَلْنَا میں بلا واسطہ وحی آئینا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط اُن کے بیٹوں ہی کا لقب ہے اور فرماتا ہے تَوَلَّوْا۟ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْنَا وَمَا اَنْزَلْنَا اِلٰی اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا نِعْمَةً مِّنَّا عَلَيْنَا کہ یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی اُن میں انبیاء آئے رہے تب فرماتا ہے وَتَقَطَّعْتَ عَصَا۟ رَآءِیْ عَشْرَ اَسْبَاطَآ اَمْنًا تَفْسِيْرُ رُوحِ الْمَعْنٰی میں اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَلْوِیْ سَانَ عَدُوْمَیْنِ کی تفسیر میں ہے فَالَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ سُلْطٰنًا خَلَقَا۟ اَنَّهُمْ لَمْ يَكُنُوْا اِلٰهًا اَصْلًا فَلَمَّ يَنْقُلْ مِنَ الصَّحٰفَةِ اَنَّهُ قَالَ بَنُوْا تَهْمُ سِیْرُ رُوحِ الْبَيَانِ وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد ولیہ اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی نبی تھے حضور فرماتے ہیں اَصْحَابِیْ کَالنَّجْمِ نِزَاۡنُ کہ یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر انہوں نے اُن سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے اُن کے لئے دعا کی مغفرت کی ہمدیہ مغفور ہوئے۔ اُن کی شان میں گستا

عزت و اہم پر ہوتا ہے۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام کی اہل بیت میں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے رب تعالیٰ عظیم سلیم عافیت خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیار سے بندے ہیں جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کو بیان کرتے پھر یوں گستاخیاں کر کے اپنا نام اعمال سیاہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زر خرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی دل کو ان کے دامن سے نکالنے کے لیے سات سال کی عام قحط سالی بھی پہلے سال میں سب نے آپ کو در پیہ پیہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور و جواہرات دے کر تمیر سے سال جانور اور چوپائے دے کر چرتے سال اپنے غلام باندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے نوذبی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر اس قدر نیکوئی و روح البیان وغیرہ کیوں ہوا۔ صرف اس لیے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جاسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورۃ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کر دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورۃ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری شان مصیب الرحمن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعمت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرأت پیدا کر دی۔

وَقَطَعَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورٍ مِّنْ شَيْءٍ سَيِّئٍ نَّارُهُ نُونًا مُّخْتَلِفًا وَآلِهِ وَأَهْلَ بَيْتِهِ أَجْمَعِينَ

لمعات المصابیح علی رکعات التراويح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح میں رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورہیں جن میں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی میں نشانی۔ سورہ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوئی ہے جیسے شہر کو پناہ دینا (دوسرا اہلہ) اور آیت قدرت الہی کی نشانی ہے ایسے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی میں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرآنہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جن قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح میں رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ساتیسویں مضمان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سوڑیں پڑھ لی جاتیں تھیں اس لیے قرآن کریم کے ۵۵ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو رکوع ۶۱۶ ہونے چاہیے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا دی ہے کہ تراویح میں رکعت چالیس کیا کوئی دہالی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع تدریج کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لیے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام تدریج ہے اسی لیے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر ہونی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک

ترویجہ آنا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویجوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویج ہو اور دوسرے پہلے کوئی ترویج نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی ترویج کرتا ہے (۳) ہر دن میں اس رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر۔ دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان میں رکعت کی تکمیل کے لئے میں رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز بیچگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان میں رکعت سے کیا نسبت (۴) احادیث خیال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن اولئیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جائیگا انڈیڈ ہے جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا تم لوگ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اسی لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور میں رکعت تراویح مقرر فرمائی اور باقاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس کی پابندی جماعت میں رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حتیٰ یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام کا میں پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عَنِکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ لہذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں میں رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قَالَ لَمَّا نَقَضْتُ عَهْدَ عُمَرَ بَعْثْتُ بِنِیْ رُكُوعَةٍ رُكُوعًا اَللّٰہُ یَقْبَلُ فِی الْفَرَاخَةِ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ (۲) ابن مسعود نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی فَصَلْتُ بِہُمْ عِشْرَیْنِ رُكُوعًا یَقْبَلُ فِی

ہے۔ عن ابی الحسنات ابی بن ابی طالب اسے سجدہ یصلی بالناس خمس ترویجات عشرین رکعة
 (۴۱) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی و عبد بن حمید بخاری نے روایت کی عن ابی عباس ان النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة صریحاً اور اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور
 علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے (۴۲) بیہقی میں ہے وعن شعیب کان من أصحاب علی انة
 کان یؤمهم فی رمضان فیصلی خمس ترویجات عشرین رکعات (۴۳) اسی بیہقی میں ہے وعن ابی
 عبد الرحمن السہمی ان عیسا بن علی القرأ فی رمضان فامر رجلاً یصلی الناس عشرین رکعة وكان
 علی یؤمهم (۴۴) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی
 عهد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعة اس کی تحقیق کے لیے صحیح البہاری باب نہ یقرأ فی القرآن
 دیکھو ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں تراویح پڑھتے تھے اور عبدالروقی میں تو اس میں
 رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی بن کبیر و عمر سائب بن یزید وغیرہم تمام صحابہ
 رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

اقوال علماء اہل سنت (۴۵) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ما جاء فی قیام شہر رمضان میں ہے۔
 واكثر اهل الجليل علی ما روي عن علي وعمر وغيرهما من اصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم
 عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی هكذا اكدت
 ببليد مكية یصلون عشرین رکعة یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام
 سے مروی ہے یعنی میں رکعت یہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی
 نے اپنے شہر مدینہ میں یہی عمل پایا کہ مسلمان میں رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ (۴۶) فتح الملہم شرح
 مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے ودی محمد بن نعیر عن طبرانی عن علی قال ادرتکم یصلون
 عشرین رکعة ذلك ركعات التراويح ابان انكثرة اخرجهما ابن ابی شیبہ وغیره وقال
 ابن قدامه وهذا كالايجاع اس سے معلوم ہوا کہ میں رکعت پڑھو یا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا (۴۷)
 عمدة القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۴۰ میں ہے ودی الحارث بن عیسیٰ الرضی عن ابی
 نواب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمر بثلاث وعشرین رکعة قال ابن
 عبد اللہ هذا محمول علی ان التلث لایؤثر اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں میں رکعت

تزاروح اور تین وتر پر عمل تھا (۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے کہ کان عبد اللہ ابن مسعود یطیئ
 یسائی شہر رمضان فینصرف دُعِیْہ لَیْلَ قَالَ اَلَا عَمَّشَ كَانَ یُطِیئُ عِشْرَیْن رُکْعَۃً (۵) اسی عمدۃ القاری
 جلد خیم صفحہ ۳۵۵ میں ہے کہ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ دَعَا قَوْلُ جِهْمٍ مَوْلَاهُ الْعَلَمَاءُ دُعِیْہ قَالَ اَلَا کُذِّبَتْ اَلْاَشْجَارُ
 وَ اَلْاَشْجَارُ الْعُقَبَاءُ دَعَا الصَّحَابَ عَنْ کَعْبٍ مِنْ غَیْرِ جِلْدَانٍ مِنَ الصَّعَابَةِ یعنی ابن عبد البر نے فرمایا کہ
 میں رکعت تزاروح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کو ذرا امام شافعی اور اکثر فقہاء کا قول میں اور یہ
 ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں ہے، تلا علی قاری نے شرح
 نقایہ میں فرمایا نَقَاۃً رَاجِعًا عَلَیْہَا دُعِیْہ النَّبِیِّ بِاِسْتِیْذَاعِہِمْ اَنْتُمْ کَمَا نَزَّ اِیْضًا عَلٰی عَہْدِ عُمَرَ
 بِعِشْرَیْن رُکْعَۃً دُعِیْہ عُمَانَ دُعِیْہ صَعَابَہِ کَرَامِ حَضْرَتِ عُمَرُو عُمَانَ دُعِیْہ رَضِیَ اللہ عنہم کے زمانہ
 میں میں تزاروح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا (۶) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد
 اول صفحہ ۱۰۲ میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلٰی اَنَّ التَّارُوْحَ عِشْرَیْن رُکْعَۃً
 یعنی صحابہ کرام کا میں تزاروح پر اجماع ہے (۷) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد خیم صفحہ ۳۵۴ میں ہے وَ اَنَا
 اَلْقَابِلُوْنَ بِہِ مِنَ الشَّائِعِیْنَ قِسْمًا اَبْنُ شَکْلٍ دَابْنُ اَبْنِ مَلِیْکَۃً وَ اَلْحَدِیْثُ اَلْمَسْکُوْنُ اَبْنِ دَعْلَانَ اَبْنِ
 رِیَاحٍ وَ اَبُو الْبَعَثَرِیُّ دَسْعِیُّ اَبْنُ اَبْنِ الْحُسَیْنِ الْبَصْرِیُّ اَخُو الْحَسَنِ دُعِیْہ الرَّحْمَنِ اَبْنُ اَبْنِ بَکْرِ
 دُعِیْہ اَبْنِ الْعَبْدِیِّ اَبْنِ عِمْرَانَ اَبْنِ عِمْرَانَ اَبْنِ عِمْرَانَ اَبْنِ عِمْرَانَ اَبْنِ عِمْرَانَ اَبْنِ عِمْرَانَ اَبْنِ عِمْرَانَ
 رکعت تزاروح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تزاروح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ غیر مقلد واصل اپنی خواہش نفس کے مقلد میں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا
 جاتا ہے جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام وہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان
 دیکھیں اور عبرت لیں (۱) درمکے پانی کبھی گند انہیں ہوتا لہذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا
 پانی پئے جاتا (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روافض کی طرح کون کون بار بار اترے
 اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے (۳) عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ملے جناب کیوں جو اس میں
 خرج جو ہوتا ہے (۴) تزاروح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے
 (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو بلکہ نماز سے چھٹکارا اچھا (۶) ایک بار تین طلاق
 دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرض کہ

جس میں آرام وہ یاروں کا دین ایمان ۔

لطیفہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقعہ ہونی چاہیئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین سے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخر میں دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کرنے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت الطَّلَاقِ مَتَّانٍ کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض :- ۱۱، مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کعب رضی اللہ عنہ اور رومی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ اٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر موزنی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبد الرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مطبع خیر یہ مضرہ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے

اس کو انظار اب کہتے ہیں لہذا یہ تمام روایات غیر معتبر ہیں اس سے استدلال غلط ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کیسے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو نو رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا ادھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول تمیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا، پھر بارہ کا، پھر آئیں میں پر قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث بعد ہے۔ وَكَانَ الْقَارِي يُقْرَأُ سُورَةَ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانٍ وَكُفَايَ فَإِذَا قَامَ دُعَا فِي ثَلَاثِي عَشَرَ وَرَكَعَةً سَرَّاهُ النَّاسُ أَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ يَعْنِي قَارِي آٹھ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔ اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے فَخُذْتُ مِنَ الْعَشْرِ فِي زَمَنِ عُمَرَ فِي الْمَوْطَأِ رَابِعَةً يَأْخُذُ بِعَشْرَةٍ وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهُ وَقَعَ أَوَّلُ كُفَايَ اسْتَقْرَافًا لِمَا عَلَى الْعَشْرِ ثَلَاثِي فَاتَّكَ الْمُنَوَّارُ يَعْنِي أَنَّ رَوَايَاتِ كُفَايَ جُمِعَ كَيْفَ لِيَا كَيْفَ كَدَّ لَوْلَا تَوَاتُرُ رَكَعَتِ كَا حَكْمُ هُوَ بِمَعْنَى قَرَارِ جَوَابِہِ مِثْلُ رَكَعَتِ هِيَ مَنْقُولٌ فِي حَرْفَتِہِ يَہِ كَہِ اَصْلُ تَرَاوِیْحُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ جَہِ اَوَّلِیْنِ حَیْرَیْنِ ثَلَاثَ فَاَرَوَقِیْ ہِمِیْشَہُ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا میں رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے میں رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر میں پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ میں میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آخر میں میں نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی میں لہذا میں رکعت پڑھا کرو۔

اعتراف ۱۲۔ بخاری شریف میں ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمُ یَزِیْرُنِیْ فِیْ رَمَضَانَ کُنِیْ اِحْدٰی عَشْرِ حَرْکَاہِیْ مَعْلُومٌ ہُوَ کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر میں رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب۔ اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز متعذر اور ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت

سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ صرف رمضان میں ہوتی ہے نیز ترمذی میں اسی حدیث کے یہ باب بائد صاحب باب ماجاء فی دحض صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل معلوم ہوا کہ یہ صلوۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اسے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں بواب دیا کہ چونکہ تمہیں جاگنے پر پورا بھر دس ہے جسے خبر دس نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوۃ آنحضرت در رمضان جہاں نماز معتاد و یازدہ رکعت کو دائم و تہجد سے گزار دے۔ دوسرے یہ کہ اگر میں رکعت تراویح بہت سیدھے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی رعایت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز تراویح سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ پیشگی بدعت سیدھے یا نہیں؟

اگر حضرت علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی ہمیشگی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا میں تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتائیس پران میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور فاسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیسا بائق کی روایت معتبر نہیں نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعت تراویح پڑھیں۔ تیسرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے یسے تاق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کرو جس میں آٹھ تراویح

کی تصریح ہو۔ اسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لئے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا و صَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہِ وَ ذَرِیَّہِ شَیْہِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِہِ وَہُوْا اَمْرٌ حَمْدُ الرَّاجِعِیْنَ +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے بڑا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہوگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجودہ کے غیر معتد و ہلکی اس کے منکر میں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ ۱۔ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طرح میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی بجااست حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اس نے بڑا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوتی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح خارج ہوگئی اور اس پر قدرت بھی واجب نہ ہوتی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (دعا مکتبہ) (۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور آخری دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تبت کہ ہے نہ کہ علیحدہ طلاقیں کی تب بھی دیانہ طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھا لو کھانا کھانا میں کل گیا

پتہ یہ نکاح موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے لئے یہ باطل عقیدہ لئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفیس تحقیق اپنی تفسیر یعنی جلد دوم زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا الْاِیَّہِ میں کر دی ہے مگر چونکہ آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لئے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کیے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں معانی کے استمرافات اور ان کے جوابات ۛ

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طرح میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت بڑا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بڑا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے طلاق بجاست حیض کہ اگرچہ بڑا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ کَاَمْسَالِکَ بِمَعْرَمٍ اَوْ کَتَرِجٍ بِاِحْسَانٍ پھر فرماتا ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا الْاِیَّہِ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقیں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مَرَّتَانِ کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ طلاقیں دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ مکرم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا اِلٰی طَلْقَةٍ ثَلَاثَةٍ سَوَاءٌ دَفَعَ الْاِمْتِنَانِ فِیْ مَرَّتَہٗ اَوْ مَرَّتَیْنِ وَ الْمَعْرَمِ فَإِنْ ثَبَتَ طَلَقُہَا ثَلَاثَیْ مَرَّۃٍ اَوْ مَرَّتَیْنِ فَلَا تَحِلُّ لَہَا اِیَّہِ یعنی آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں کَمَا اِنْفَاتَالَتْہَا اَنْتَبَاطُ ثَلَاثَ اَوْ اَبْنَتْہُ وَ هَذَا هُوَ الْجَمْعُ عَلَیْہِ یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے اسی طرح اور

تفسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِثَ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ ذکر فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی توقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقعہ ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا تو یہی شرح مسلم باب الطلاق الثالث میں ہے وَاجْتَمَعَ الْجُمْهُورُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَمْ تَكُنْ لَهُ تِلْكَ الْهَدْيُ قَدْ يُخْدِثُ لَهُ تَكْوِيْنًا يَكُونُ لَهُ عَذَابُكَ يَوْمَ يُنْفَخُ الْأَشْيَافُ۔ فَلَوْ كَانَتْ الثَّلَاثُ لَمْ تَقْعُ طَلَاقُهُ هَذَا إِلَّا رَجْعِيًّا فَلَا يَنْدُمُ تَرْجِعُهُ هِيَ

جو ہم اور عرض کر چکے ہیں۔

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ ششمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر لی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اسی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلال اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں وَلَا آتِي سَمْعًا حَدِيثِي وَخَدَّائِي اِنِّي اَنْتَ سَمِيعٌ حَدِيثِي يَقُولُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَبِ اَوْ ثَلَاثًا مَبْهَمَةً لَمْ تَقِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْسَلَخَ زَوْجًا غَيْرُهُ رَسَنَ كَبْرَى لِلْبَيْهَقِيِّ جلد نمبر ۷ صفحہ ۱۳۳

(۴) اس سنن کبری بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي الْفُأَا قَالَ ثَلَاثَ نَحْوِهَا عَلَيْكَ وَاقْتَرَمَ سَائِرُ هَوْنٍ بَيْنَ نَسَائِكَ رَسَنَ كَبْرَى لِلْبَيْهَقِيِّ جلد ۷ صفحہ ۱۳۵ یعنی ایک شخص سیدنا علی بنی (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ فرمایا کہ تین طلاقیں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔

باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو بائٹ دے یعنی وہ تو میں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ ہدایاتیں بڑا مہینوں پہ توڑ دی ہوں گی۔ ورنہ ۱۲ سال پہلے آسمانی میں مرنے ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تعمین اور سیدنا مولیٰ علی بنی (علیہ السلام)

سے تینوں جائز تھیں (۵) پہنچتی ہیں ہے عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رِزْقٍ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى يَتَلَوَّحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵) یعنی امام جعفر صادق اپنے سید امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو یہی بشرط طلاق سلاطین نہیں اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوئی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رِزْقٍ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا قَالَ لَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى يَتَلَوَّحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (بیہقی نے محمد ابن ابی زکریا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جو ان کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ وہ ہوا لا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں تھا کچھ بٹا تو نے اکٹھا ہی دیدیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فَسَلِّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَعَبْدَ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا تَزْنِي أَنْ تَتَلَوَّحَ حَتَّى يَتَلَوَّحَ زَوْجًا غَيْرَكَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ طَلَاقِي لِأَهْلِهَا وَاحِدَةً فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّكَ أَسَدْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ فَضْلِ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۵) (۸) اسی بیہقی میں عبدالحمید ابن رافع سے بروایت عطایہ کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سوط طلاقیں دی ہیں فرمایا تین کے لو اور ستانوسے چھوڑ دو عبارت یہ ہے - إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِزَيْنِ عَبَّاسٍ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي مَاءً قَالَ تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَرَجْعٌ سَبْعَةٌ وَتَسْعِيْنَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۷) (۹) پہنچتی ہیں سید ابن جبر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا تین کے لو اور نو سو ستانوسے چھوڑ دو عبارت یہ ہے - إِنَّ رَجُلًا جَاءَ ابْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي أَلْفًا فَقَالَ تَأْخُذُ ثَلَاثًا وَرَجْعٌ سَبْعَةٌ وَتَسْعِيْنَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۷) (۱۰) پہنچتی ہیں سید ابن جبر سے روایت ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہہ دو کہ مجھے برج جوزہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال ہے

کہ بڑی جواز کے سر پر تین سارے ہیں، عبارت یہ ہے۔ عَنْ عُمَرَ ابْنِ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعَ
عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ عَدَّةَ النِّجْمِ فَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيكَ دَأْسُ النِّجْمِ (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۳)
(۱۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب طلاق باب مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي تَحْلِيلٍ دَلِيلٍ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں
کہ مجھے میرے شوہر نے تین جہاد میں جہاد میں ملائیں ایک دم دیدیں۔ ان میںوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا
عبارت یہ ہے۔ قَالَتْ طَلَّقْتَنِي ثَلَاثًا وَهُوَ خَارِجٌ إِلَى الْجَنَّةِ فَأَبْرَأَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱۲) حکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبداللہ ابن علی ابن زبیر ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا
میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتدی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ یہ اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نیت کی مگر ایک کی ہیں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ
عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدٍ أَنَّهُ دُكِنَتْ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ابْنَةَ خَالِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَهُ فَقَالَ مَا أَرَدْتُ بِهَا قَالُوا وَاحِدَةً قَالَ أَوَّلَهُ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا دَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ
بِهَا إِلَّا دَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ (ابن ماجہ باب طلاق البتہ ابوداؤد باب البتہ) اگر ایک دم تین طلاقات
ایک ہی طلاق واقع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا۔ أَنْتِ
خَالَتِي خَالَتِي خَالَتِي اور آخری دو طلاقات سے پہلے طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لیے اسے ایک قرار دیا گیا ہے روایت
نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا أَشْرَفَ هَذَا الْحَدِيثُ یہ حدیث کیا ہی شریف
الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا ہے هَذَا أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ یہ روایت بتقابل روایت ابن جریج زیادہ
صحیح ہے۔ (۱۳) امام مالک شافعی ابوداؤد بیہقی میں روایت معاویہ ابن ابی عباس سے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور
عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ
نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جہاد دے گی اور تین حرام کہ بغیر صلاح نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس
نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابَا هُرَيْرَةَ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ
ابْنِ عُمَرَ وَابْنَ الْعَاصِ سَمِعُوا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتَّى يَنْفَخَ وَزَوْجًا غَيْرَ
وَمَنْ دَى مِلْكٌ عَنْ يَمِينِ ابْنِ سَعْدٍ عَنْ بَكْرِ ابْنِ أَشْجَعٍ عَنْ مَعَارِئَةَ ابْنِ أَبِي عِيَّاشٍ أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر منقادین اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے۔ بلکہ عام غیر متقدموں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم اہل وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

یہ پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكِ كَيْفَ عَمَرْتَ ذِي اَوْتَسِرَ مِیْجَ بِاِحْسَانٍ کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے اِنْ كَانَ طَلَقُهَا فَلَا حَیْلَ لَہٗ۔ مَرَّتَيْنِ اور تان کی طرف سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چار ہیں۔ ایک دم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہو تیں۔ مَرَّتَانِ علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی پورا کی جگہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عدی ہے پھر فرمایا کہ تو کوئی دوسرے زیادہ یعنی تین دسے تو بڑا ملال اسے عورت حلال نہیں کر سکتی و صادی و بیلالین میں ہے اَلطَّلَاقُ اَنْیَ التَّطْلِیْقُ الَّذِیْ یُرَاجَعُ بَعْدَہٗ مَرَّتَيْنِ۔ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ تان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عدی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے رمیان ایک جیسے کا فائدہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فَاِذْجِعِ الذَّہْرَ کَوْثَرِیْنِ آسمان کو بار بار دیکھو اس کا مطلب نہیں کہ زمین میں ایک ہی بار دیکھ لیا کہ تو میرے یہ کہ تو ماری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایک دم تین طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی صافقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہوگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض بہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ مدنی بلکہ شروع و عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی عبارت یہ ہے۔

عَنْ اَبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى هَؤُلَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ رَاٰی یَنْکُرُ فَرَسَدَیْنِ مِنْ سَلَاٰتِ عَمَّہٗ طَلَقُ الشَّیْطَانِ وَ اِحْدَاۃً فَرَسَدَیْنِ مِنْ اَنْیَ بَدَّہٗ کہ ابو السحاب نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ مدنی میں تین طلاقیں ایک ہی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں

عبارت یہ ہے۔ إِنَّ أَبَا الصَّخْبَاءِ قَالَ لِبْنِ عَبَّاسٍ أَلَعَلَّكُمْ أَلَمَّا كَانَتْ الثَّلَاثُ تَجْعَلُ وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى بَكْرٍ وَثَلَاثًا مِنْ إِمَامَةٍ ثُمَّ نَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ
ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دس تین ملائین ایک ہیں۔
نوٹ: غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراف ہے۔

جواب اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین طلاقیں ہی ہوں گی جس کا ذکر پہلے باب میں پہنچا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہوا اں معلوم ہو گا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے نیز مصابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنادینا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جائے کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس کا اس پر اعتراض نہ کرنا تاہوا ز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول کیا مصابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے علوت نہ ہوئی ہو اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایک دم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابو داؤد کتاب الطلاق باب فَتَحَ الْمَرْأَجَعَةَ بَعْدَ التَّلَاقِ ثَلَاثًا میں ہے کہ ابو مصائب نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلاف فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی۔ فرمایا ہاں جو غیر مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دیتا تھا۔ اس کی طلاق ایک پُرقی تھی۔ عبارت یہ ہے قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَسُدَّ حُكْلَ يَهَيَّا حَجَلًا هَذَا وَاحِدَةً اِس حدیث سے مراد معلوم ہوا کہ مسلم کی روایت کا یہ ہی مطلب ہے اور یہ حکم اب بھی باقی ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے تیسرے یہ کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں لوگ تین طلاقیں اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ گویا پچھل دو طلاقیں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ اور زمانہ فاروقی میں لوگوں کا یہ حال بدل گیا کہ وہ تین طلاقیں ہی دینے لگے لہذا صورت مسد بدلتے سے حکم بدل گیا۔ نووی شریف میں ہے قَالَ لَمْ يَكُنْ مَعْنَاهُ أَنَّهُ كَانَ فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ إِذَا قَالَ لَهَا أَنتِ طَالِقٌ أَنتِ طَالِقٌ أَنتِ طَالِقٌ وَكَمْ يَتَوَكَّلُونَ وَلَا رَيْبَ لَنَا بِأَنَّكُمْ بَدَلْتُمْ حَقِيقَةَ لِقَاءِ رَبِّكُمْ إِذَا دَبَّحْتُمُ الْوَسْطِينَ نَافِثًا بِذَلِكَ قَوْلَ عَلِيٍّ الْأَنْبِيَاءِ الَّذِي هُوَ إِدَاءَةُ التَّكْلِيفِ فَلَمَّا كَانَ فِي زَمَانِ مُحَمَّدٍ سَرَفَ فِي اللَّهِ غَضَبَهُ دَكَّكَ اسْتِغْنَالِ النَّاسِ

جواب۔ افسوس کہ معترض نے ابو داؤد اور سیقی کی ادھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب دیا ہے یہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابو داؤد و سیقی میں ہے کہ نافع ابن جابر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہونے میں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری وادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین ہیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔ وَحَدَّثَنَا نَافِعُ ابْنِ عُجَيْفٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدٍ ابْنِ رَكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ ثُمَّ رَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ لَّا تَمُوتُ وَلَهُ الْإِجْلُ وَأَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رَكَانَةَ إِنَّمَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ وَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحْدَةً (سنن کبریٰ سیقی و ابو داؤد یہی مقام ہے)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایت سب ضعیف ہیں بلکہ امام سیقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقیں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں سیقی کی عبارت یہ ہے وَهَذَا الْإِسْنَادُ لَا تَقْوَمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَةٍ وَدَعْنَا عَبَّاسَ قَبِيحًا تَطْلِفُ ذَلِكَ وَمَعَ ذَوَاتِهِ أَوْلَا دِمْرُكَانَةَ أَنَّ طَلَّاقَ مَرْكَانَةَ كَانَتْ وَاحِدَةً يَا لَلَّهِ الْقَوِيُّ (سنن کبریٰ سیقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں جبر کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقیں کی روایت ضعیف ہے اور مہمل لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شائد تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں اس لئے بجا تے تین کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے وَآثَمُ الرِّوَايَةِ الَّتِي رَدَّاهَا الْمُخَالِفُونَ أَنَّ رَكَانَةَ ثَلَاثًا فَعَلَّهَا وَاحِدَةً فِرْدَايَةُ ضَعِيفَةٌ عَنْ

قوله مجتہولین وإنهما يصيحه منهما مآخذة منه أنه طلقها البتة وكلف
البتة فحمل الواحد والثلث وتعل صاحب هذا الترتيب
الضعيفة اعتقد أن لفظ البتة ثلاث أمروا باللعن الذي
قوله وظل في ذلك جوتها اعتراض :- سيدنا عبد الله بن عمر رضي الله عنهما
أبى جوى كوجالت حىس تين ملاقين الكشى دى تقيى - جنهين صغور مى الله عليه سلم نے ايك
قرار ديا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم ديا اگر یہ طلاق تين جى جوتى نور جمع الامكن ہوتا۔

جواب :- یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سيدنا عبد الله بن عمر نے اپنى جوى كوجالت حىس
طلاق ايك جى دى تقى - جى كرىم مى الله عليه وسلم نے انہیں رجوع کا حکم ديا كيونكہ طلاق بجالت
طهر ہونى چاہئے چنانچہ مسلم شريف جلد اول باب تحريم الطلاق المجافى میں ہے - عَنْ نَافِعٍ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلُقُهُ وَاحِدَةً قَامَتْ رَسُوْلُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْرَهُهُ ثُمَّ يَهْتَدِي كَمَا حَقَّ تَطْلُقُهُ - نیز نووى شريف شمس سلم باب
الطلاق الثلث میں فرمايا اذ مات حديث ابن عمر ذكره و آيات الصيغة التي ذكرها مسلم
وغيره أنه طلقها واحدة ان کے متعلق تين کی روایات بالکل مفید ہیں۔

پانچواں اعتراض :- تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۴۷۷، الطلاق مودتین کی تفسیر میں ہے معنے ان
تطليق الشرعية يجب أن يكون تطليقة على التفریق ذلک الجموع والارصال ذ
لهذا التفسير هو قول من قال أجمع بين الثلث حوام معنى طلاق شرعى الگ
الگ بغیر حق کیئے و نیا واجب ہے یہ جى تين ملاقين شرعى طلاق نہیں - جواب اس کا کون
دینا حرام ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک دم تين ملاقين شرعى طلاق نہیں - جواب اس کا کون
منکر ہے بيك طلاق الگ الگ ہی دینا ضرورى جى گفتگو اس میں ہے کہ اگر کوئى اپنى حماقت سے
تین ملاقين کئى ویدے تو واقع جى ہوگى یا نہیں تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہل ہے کہ تين
واقع نہ ہوں گى صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے - کسى چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے وہاں سے
شرعى احکام کا مرتب ہونا کچھ اور - رمضان شريف میں دن میں کھا اپنا حرام ہے لیکن اگر کوئى کو
جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا - زنا حرام ہے لیکن اگر کوئى کرے تو اس پر غسل ضرور واجب

ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اس باب کی مبنیت پر نہیں پڑتا۔ چھٹا اعتراض :- تفسیر
 کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۴ میں ہے، وَهُوَ اخْتِيَارُ كَثِيرٍ مِنْ عُلَمَاءِ الدِّيْنِ اَنَّهٗ كَوْنُ طَلْقٍ
 اِنْشَاءً اَوْ تَلَاً اَوْ اِقْرَاعًا اَوْ اِحْدَاثًا اِنِّیْ ہست علماء دین نے یہی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی
 اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیتے ہیں۔ تو اس سے ایک ہی واقع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے
 نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ جواب :- معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون
 سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے دہلی پیروکار ہیں
 انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر ساری کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ اور
 ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کر رکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری
 عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے۔ قَالَ الْقَوْلُ الثَّانِي وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ حَكِيْفَةَ
 سَمِعْتُ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقْرَأُ اِنْ كَانَ يَحْتَضِرُ اَوْ اِنْ كَانَ يَحْتَضِرُ اَوْ اِنْ كَانَ يَحْتَضِرُ اَوْ اِنْ كَانَ يَحْتَضِرُ
 کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے ہاں تفسیر کبیر نے فرمایا
 کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال ہیں
 و مبعوث تفسیر کبیر مصری جلد دوم صفحہ ۲۶۵ سوالوں اعتراض :- عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی
 تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا
 ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً مکان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں چاروں
 پر الگ الگ سات لنگر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک
 قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں لنگر ایک دم پھینک دے تو ایک
 ہی لمبی مانی جائیگی اور چھ لنگر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں سزا
 درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس
 کا یہ درود سزا نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیئے کہ اگر کوئی ایک و تین طلاقیں
 دے دے تو ایک ہی واقع ہونہ کہ تین۔ جواب :- الحمد للہ آپ قیاس کے تو قائل
 ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی رحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ دیکھا آپ کہ قیاس جناب
 لہ اور دینی میں فصل مقعود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے نہ کہ فصل فعل

لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لہذا ان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زمان میں گواہیاں چار ہیں تو عدالت میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم ہی چار ہی چاہیے۔ جبکہ افضل چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رزق جموں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنگر چھینا۔ دیشے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رتی میں سات فعل فرماتے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت و غنا ہے ایک ہزار درود کی محنت اتنی محنت کی منت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار اَلْف مَرَّةً کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے کلام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کو نسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ محنت کو ثواب سے غرضیکہ تمام اعتراضات کو ردی کئے جا سکے کی طرح کمزور میں ان سب کی بنا حق آسانی اور نفس پروری سے منکر تعالیٰ قسم ان و حدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقیں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی منافیہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانیں جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے وَحَيْثُمَا تَلَّوْا تَعَالَى عَلَى خَيْرٍ خَيْرًا تَمَّ وَتَوَدَّ عَزَّ شَيْبَ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا وَآلِهِ وَآصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۞

احمد یار خاں غفرلہ ولایہ مرشدہ بدایونی مقیم کعبہ مکہ مکرمہ پاکستان

فہرست جہاد الحق و زہق الباطل

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	تمام فتنوں سے بڑا فتنہ وہابیوں کا ہے	۲	۱۶	علم غیب کے مراتب و اقسام	۴۷
۲	وہابیوں کے علم اہل اسلام خصوصاً اہل حرمین پر	۴	۲۰	مکرمین علم غیب سے سوالات	۴۲
۳	غیر مقلد اور دیوبندیوں میں فرق	۶	۲۱	علم غیب کا ثبوت قرآنی آیات سے	۴۳
۴	وجہ تصنیف کتاب	۸	۲۲	آیت الکرسی میں حضور کی نعمت	۴۹
۵	تفسیر تائیل تحریف لا فرق اور تفسیر طبرستان کے حرمین پر	۱۰	۲۳	حضرت خضر و ابراہیم علیہم السلام کا علم	۵۱
۶	تقلید کے معنی اور اس کے اقسام	۱۳	۲۴	ملکوت کے معنی کی تفصیل	۵۱
۷	کون مسائل میں تقلید کی باقی ہے	۱۶	۲۵	مکرمین تنہا ہی میں دیوبندیوں کی تخصیص کے جوابات	۵۳
۸	کس پر تقلید واجب ہے اور کس پر نہیں	۱۸	۲۶	دوسری فصل علم غیب کی اسناد و ثبوت	۵۶
۹	جہندیں کے چھ طبقے اور ان کی پہچان	۱۸	۲۷	تفسیر فصل شامین اداوت کے احوال و آثار	۵۱
۱۰	غیر مقلدوں کے بہت سے اعتراضات کی جوابات	۱۹	۲۸	پرتوی فضل ملّا، اُمت کے اقوال	۵۴
۱۱	پرتخاب تقلید واجب ہونے کے دلائل	۲۱	۲۹	حضور علیہ السلام کا مکتنا جانتے تھے	۵۹
۱۲	تقلید شخصی کا بیان	۲۶	۳۰	پانچویں فصل مخالفین کی تائید علم غیب	۸۰
۱۳	پانچواں باب تقلید پر اعتراضات و جوابات	۲۸	۳۱	چھٹی فصل علم غیب کی عقلی دلیل کا غیبی ہونا	۸۲
۱۴	چاروں مذہب حق ہونے کے معنی	۳۴	۳۲	دوسرا باب علم غیب پر اعتراضات و جوابات	۸۴
۱۵	قیاس کے سمجھ	۳۵	۳۳	ثالثی مکرم نفی و رد اور نفی میں دیوبندیوں کی تسکین	۸۹
۱۶	غیب کی تعریف اور اس کے اقسام	۳۸	۳۴	حضور مفاتیح الغیب ہیں	۹۵
۱۷	علم غیب کے متعلق چند فوائد	۴۰	۳۵	مکرم عطائی غیب ہی نہیں	۹۶
۱۸	بہت سی چیزوں کا علم غیب ہی میں	۴۱	۳۶	علم اور شعر کے معانی	۹۸

۲۷	جو کون فوج جہاد ہے یا نہیں	۱۰۰	چوتھی فصل حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے	۱۵۶
۲۸	علم روح کی بحث اور اس کے معنی	۱۰۱	پانچویں فصل حاضر و ناظر کا ثبوت لائق عقیدہ سے	۱۵۸
۳۹	حضور علیہ السلام روح میں اور عالم امر سے	۱۱۰	دوسرا باب حاضر و ناظر پر اعتراضات	۱۶۱
۴۰	علم قیامت کی بحث انت ۰۰ ذیہا و علی	۱۱۰	حضور علیہ السلام کو بشر کہنے کی بحث	۱۶۱
۴۱	نفیس و تجہیں	۱۱۱	نبی کی تعریف اور اس کے درجات	۱۶۱
۴۱	حدیث عالم المسؤلہ علیہا کی انفس تحقیق	۱۱۲	پیدا باب اس بیان میں کہ نبی علیہ السلام کو بشر یا معانی کہنا حرام ہے	۱۶۱
۴۲	حضور علیہ السلام قیامت کی خبر دینی کی	۱۱۱	دوسرا باب بشریت پر اعتراضات	۱۶۵
۴۳	علوم خمسہ کی بحث	۱۱۱	بحث تذکرہ رسول اللہ	۱۸۲
۴۴	دوسری فصل نفی غیب کی احادیث	۱۲۱	دوسرا باب تذکرہ رسول اللہ پر اعتراضات	۱۸۶
۴۵	جہل دنیان و دعوں میں فرق	۱۱۶	اولیاء اللہ و انبیاء سے مدعا مانگنا	۱۶۳
۴۶	قیامت میں لوگ شیعہ کو قبول جائیں گے	۱۲۶	اولیاء اللہ سے مدعا مانگنے کی ثبوت	۲۰۲
۴۷	حضرت یعقوب حضرت یوسف سے خبردار	۱۳۰	دوسرا باب ائمہ و اولیاء اعتراضات کے بیان میں	۲۰۸
۴۸	ان کا رد و ترقی درجات کا سبب ہوا	۱۳۰	بدعت کے معنی اور اس کے اقسام	۲۱۳
۴۹	تیسری فصل عبارات فقہانہ علم غیب کے بیان میں	۱۳۲	پہلا باب بدعت کی تعریف	۲۱۴
۵۰	علم غیب پر عقلی اعتراضات و جوابات	۱۳۳	بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام	۲۱۸
۵۱	حاضر و ناظر کی بحث	۱۳۸	بدعت کی قسموں کی پہچان اور علامتیں	۲۱۹
۵۲	پہلا باب حاضر و ناظر کے ثبوت میں	۱۳۹	دوسرا باب اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات	۲۲۰
۵۳	پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت میں	۱۳۹	بحث نمبر و محض میلاد شریف کے ثبوت میں	۲۲۱
۵۴	دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں	۱۴۰	باب میلاد شریف کے ثبوت میں	۲۲۲
۵۵	تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہانہ و حدیث کے اقوال سے	۱۴۰	دوسرا باب میلاد شریف پر اعتراضات	۲۲۲

۳۱۰	روضان شریف میں ختم قرآن پر چراغاں	۹۶	۲۳۹	وجوہات کے بیان میں	
۳۱۰	بکثرت قبر پر اذان دینا	۹۷	۲۴۱	نعت گوئی اور نعت خوانی عبادت ہے	۷۶
۳۱۱	اذان کہنے کے کمال کتنے موقع ہیں	۹۸	۲۴۲	تفسیر شیرینی کی بحث	۷۷
۳۱۳	اذان کے سات فائدے ہیں	۹۹	۲۴۳	کسی کی یادگار منانا اور مقرر کرنا	۷۸
۳۱۵	دوسرا باب اذان تیسرے مسئلے پر وجوہات	۱۰۰	۲۴۷	بحث قیام میلاد کے بیان میں	۷۹
۳۱۶	درود پر بند اور ختم بخاری	۱۰۱	۲۴۸	پہلا باب قیام میلاد شریف کے ثبوت میں	۸۰
۳۱۹	تہجد طواف اور دیوبندیوں کی کتاب	۱۰۲	۲۵۴	دوسرا باب قیام میلاد پر غرضائے وجوہات	۸۱
۳۲۰	معافہ عید و بعد نماز معافہ کی ثبوت	۱۰۳	۲۵	فاتحہ تہجد دوسراں چالیسوں کا بیان	۸۲
۳۲۱	بحث عرس بزرگان	۱۰۴	۲۶۱	پہلا باب فاتحہ کے ثبوت میں	۸۳
۳۲۲	دوسرا باب عرس پر اعتراضات و جوابات	۱۰۵	۲۶۷	دوسرا باب فاتحہ پر اعتراضات و جوابات	۸۴
۳۱۶	مسند قرآنی کی نہایت نفیس تحقیق	۱۰۶	۲۶۷	بحث و مابعد نماز جنازہ کی تحقیق میں	۸۵
۳۲۸	سبائے کام میں نذرانہ کے ملنے اور داخل ہو کر نذر	۱۰۷	۲۷۸	دوسرا باب اس و مابعد اعتراضات	۸۶
۳۳۰	بحث زیارت قبر کے لئے سفر کرنا	۱۰۸		و جوابات	
۳۳۲	دوسرا باب سفر عرس پر اعتراضات و جوابات	۱۰۹	۲۸۲	سزائے اولیاء پر گنبد بنانا	۸۷
۳۳۵	کیا حضرت فاروق نے رشتہ گھوایا تھا	۱۱۰		اعتقادات نماز سے بعض احکام بدل	۸۸
۳۳۶	کفنی یا لقی لکھنے کا بیان	۱۱۱	۲۸۸	جہاتے ہیں اس کی مثالیں	
۳۴۰	اصحاب کبف کے ناموں کی برکت	۱۱۲	۲۸۹	دوسرا باب گنبد سزائے پر اعتراضات	۸۹
۳۴۱	دوسرا باب کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات	۱۱۳		و جوابات	
۳۴۱	بدیعت ہر شخص کو مل جاتا ہے۔	۱۱۴		ان اصحاب کے نام جنہوں نے قبروں کو طہر	۹۰
۳۴۴	بحث جہاد و آواز سے ذکر کرنا	۱۱۵	۲۹۵	بحث سزائے پر عیسیٰ و انسا چل دیئے	۹۱
۳۴۶	بازار میں تکبیر کہنے سے عوام کو نہ رکھو	۱۱۶	۲۹۶	چراغاں کرنا۔ پہلا باب ان کے ثبوت	۹۱
۳۸۰	دوسرا باب ذکر یا لہ پر اعتراضات و جوابات	۱۱۷	۳۰۶	بندہ کو ان کے حقوں کا حکم	۹۲
۳۵۰	بحث اولیائے نام پر حاکم و مالک	۱۱۸	۳۰۷	نذر اولیاء	۹۳

۱۱۹	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۳۶۱	سے پڑھنی
۱۲۰	بحث بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چرما اور	۱۳۸	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات
	تبرکات کی تعظیم کرنا	۳۶۸	زمانہ کے اختلاف سے احکام کیوں بدل
۱۳۱	قبر کا بوسہ دینا	۳۶۹	ساتھ ہیں اور اس کی مثالیں
۱۳۲	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۳۷۲	دیوبندی اور اسلامی عقائد میں فرق
۱۳۳	سجدے کی تعریف اس کے اقسام و احکام	۳۷۳	دیوبندیوں کی پیر پرستی
۱۳۴	تبرکات کا ثبوت	۳۷۶	ضمیمہ جہا الحق
۱۳۵	بحث عبد اللہ بنی عبد الرسول نام لکھنا	۳۷۸	قبر کبریا پر ننگین عصمت انبیاء
۱۳۶	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۳۸۰	پہلا باب عصمت انبیاء کا ثبوت
۱۳۷	بحث استفاط کا بیان	۳۸۲	دوسرا باب اس پر سوالیہ جوابات
۱۳۸	حیدر شری کے جواز کا ثبوت	۳۸۴	یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہ تھے
۱۳۹	حور قند کے ہاں کب سے چھپرے لگتے	۳۸۵	نعات الصالح علی رکعات التراويح
۱۴۰	دوسرا باب حیدر استفاط پر اعتراضات و جوابات	۳۸۹	پہلا باب میں رکعت تراویح کا ثبوت
۱۴۱	نئی قبروں پر جمعہ تک حافظ بھٹانا	۳۹۲	غیر مقلدین کے آرام رہ مسائل جواب
۱۴۲	کتنے شخصوں سے حساب قبر نہیں ہوتا	۳۹۲	دوسرا باب میں رکعت تراویح پر سوالیہ جواب
۱۴۳	قضا عمری پڑھنے کی ترکیب	۳۹۴	رسالہ اتفاق الاولیٰ فی حکم طلاق ثلثہ
۱۴۴	بحث آذان میں گونگے پڑھنے کا بیان	۳۹۴	مقدمہ
۱۴۵	اس کے دینی و دنیاوی فائدے سے	۳۹۸	پہلا باب اس کا ثبوت کہ ایک دم
۱۴۶	دوسرا باب گونگے پڑھنے پر اعتراضات و جوابات	۴۰۰	تین طلاق تین جوتی ہیں
۱۴۷	بحث جنازے کے گائے گری یا غصہ نہ ہونا	۴۰۲	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات

مفتی احمد یار خاں روضہ نعیمی کتب خانہ گجرات
ملنے کا پتہ :-

کتاب ہذا کے جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد محفوظ ہیں

الحمد للہ کہ کتاب لا جواب نافع شیخ و شیاہ مفید قلم موقظ عاقل

المسمیٰ بہ

جاء الخوض الباطل

المعرف بہ

فیصلہ مسائل

حصہ دوم

جس میں موجود زمانہ کے غیر مقلد و پایوں کے متعلق عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت مالا فیصلہ کر دیا گیا ہے

مصنفہ

حضرت حکیم الامت مفتی اعظم مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی گجرات

ناشر

مفتی اقتدار احمد خان بالک نعیمی مکتب خانہ گجرات

کاتب: محمد یوسف گوندوی گوندلوالہ ڈاک خانہ خاص سٹیشن وضع گودا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ
مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَى وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَزْوَاجِ الصِّدْقِ وَالصَّفَا

جاننا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنہ و فساد کا زمانہ ہے کفر و الحاد بے دینی کی ہوس رہا ہے انہیں چل رہی ہیں بدنہ و بی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ اقلیتوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سواء سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

انہوں سے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آئین بالجہد و رفع یدین کی چار سادشیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت پر اربع اور تین طلاق پر معرکہ الآلات بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد و تابعوں کی پرزور تردید کی جادے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جادیں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے وقت و مقام کی تعلیم اور حاشیہ بخاری نعیم المبارکی عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان لکھی جادے۔ تو کلاً علی اللہ اوصہ تو مجھ کی اس حصہ کا طریقہ وہی ہو گا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہو گا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ

دیتے ہیں۔ اور کسی مذہبی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام سچائیں ان شاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے سے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر متقدم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے تقلید ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اُسے بغیر سوچے سمجھے انگلیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ تلم لٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل پر بھروسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرما دے۔ میرے لئے اسے کفاریہ سیئات و صدقہ جاریہ بنائے۔ اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھنا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے لاکہ حسن خانمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

استدیار خاں نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع

مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

یکم ماہ رمضان المبارک ۱۴۴۶ھ دوم اپریل ۱۹۷۵ء

در شنبہ مبارکہ

ۛ

محمد یوسف نوشہرہ ایس کوئٹہ لوی
پتہ: کوئٹہ لوی تحصیل: ضلع کوہستان

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۔ اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں حدیث صحیح۔ حدیث حسن۔ حدیث ضعیف۔

صحیح :- وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں (۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو (۲) اس کے سارے راوی اول درجہ کے تقویٰ پر مبنی کار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو (۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن :- وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف :- وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲۔ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ :- ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر متقلدوں

سداً راویان حدیث کے سلسلہ کو اسناد حدیث اور الفاظ حدیث کو جہاں اسناد ختم ہو تین حدیث کہتے ہیں۔

سلسلہ اگر اسناد میں ایک یا چند راوی چھوٹ گئے ہوں اسے حدیث منقطع کہتے ہیں

نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کہا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی درجے سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲۔ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوید سے تودہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۳۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دویا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوید سے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی

(مرفقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للبحر جانی اقل ترمذی شریف وغیرہ۔)

۲۔ علماء کا ملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تودہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوید سے گی اس ہی لئے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هَذِهِ الْحَدِيثُ غَرِيبٌ ضَعِيفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ
عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ | یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر
اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث منی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس دلی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تفسیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ

کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵۔ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تفسیری میں صحیح اسی لئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث حسن صحيح غریب [یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تفسیری سے غریب

قاعدہ نمبر ۶۔ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے مضر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہذا کسی دہائی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیف۔ ایک دفعہ ایک دہائی غیر مفید سے قرۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِسْمَةُ الْاِمَامَةِ لَمْ يَنْوَاظِرْهُ

[امام کی قرأت مقتدی کی قراوت ہے

دہائی جی بڑے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جہنی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جہنی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ زوط کربوے ۳۸۷ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۳۸۷ھ ہجری میں سے اور وفات ۳۸۷ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی دہائی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیے کہ دہائی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ دہائی جی پانی داگ

جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق قبول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷۔ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہ وہینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر مقبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تہ لیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نو عمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر خفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں (نور الانوار سمجھت طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجہ ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰۔ صحیح حدیث کا دار و مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر پرستوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱۔ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرما دے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبد اللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَلَا تَنِي إِذَا اسْتَدْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَأَنِّي
اسْتَدْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ

میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف
منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف ہی منسوب کر دیا۔

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء و فقہا نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمیاء رجال

قاعدہ نمبر ۱۲۔ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہو جاوے تعارض جاتا نہ ہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ

| جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِمَا تَحْتَ الْكِتَابِ | جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

۱۵ حدیث کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ حدیث کی کل مشہور کتب پچاس زیادہ ہیں۔ ہند نام احمد ہند نام ابو حنیفہ موطا امام مالک۔ سیفی۔ دارمی۔ واقفی حاکم وغیرہ۔ امام بخاری کا نام شریف محمد ابن اسماعیل ہے آپ کی ولادت ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ۵۴ برس بعد کیونکہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے۔

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قرات نماز میں فرض ہے اور سورہ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَاسْتَغْنِ
جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور
چپ رہو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلَوةَ مِنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی
یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور
حدیث شریف مقدمی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ نالو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔
اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی
ہے کہ یہ اس کی حکمی قراءت ہے۔ غرضیکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی
کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر
قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح دی جائے گی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ
مानी جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اس کی بہت مثالیں ہیں

قاعدہ نمبر ۱۳۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے
مذہب کا دار و مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔
مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف
قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر
امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری
کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند
کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے
غیر تقلید رب کا عذاب۔

پہلا باب

کانون تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت سروں کو کانون تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانون تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔
حدیث نمبر ۲۱۔ بخاری مسلم۔ طحاوی نے مالک ابن حورث سے روایت کی۔

حنور صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانون تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کانون کی کونک اٹھاتے

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ أُذُنَيْهِ وَخَفِيَ لَفْظٍ حَتَّى يُحَازِيَ يَمِينًا فَرُوعَ أُذُنَيْهِ

حدیث نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے

میں نے حنور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَبْعُدُ

حدیث نمبر ۵۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

انہوں نے حنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حنور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَمَا بَرَأَ

أَحَدَ الرُّوَادِ حِبَالُ أَذُنَيْهِ ثُمَّ
التَّحَفَ ثُبُوبِهِ

ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے
کانوں کے مقابل پیر کپڑے میں ہاتھ چھپائیے

حَدِيثُ نُمَيْرٍ ١٨٠ - بخاری - البوداؤد - نسائی نے حضرت ابو قتادہ سے روایت کی۔
أَنَّ مَالِكَ بْنَ حُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا
كَتَبَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ حَتَّى
يَبْلُغَ قُرُوعَ أَذُنَيْهِ -

مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب
تکبیر تحریر فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف
اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی ٹوک پیچ پٹ

حَدِيثُ نُمَيْرٍ ١٨١ - امام احمد - اسماء ابن لمیرہ - دارقطنی طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونُ
إِبْهَامَاهُ حَذَاهُ أَذُنَيْهِ -

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک
ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں
کے مقابل ہو جاتے۔

حَدِيثُ نُمَيْرٍ ١٨٢ - حاکم نے مترک میں دارقطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط
مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَثْرَ عَادَى بَابِهَا مِيَهُ أَذُنَيْهِ -

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ
تکبیر کی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیتے

حَدِيثُ نُمَيْرٍ ١٨٣ - عبد الرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔
كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ
لَا يَنْتَازِحُ الصَّلَاةُ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى
يَكُونُ إِبْهَامَاهُ قَرِيبًا مِنْ سِجِّمَةِ أَذُنَيْهِ -

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے
تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ
آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدی کے مقابل ہو جاتے

حَدِيثُ نُمَيْرٍ ١٨٤ - البوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ
يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بِحِبَالِ مُسْكَبَيْهِ
وَحَادَى بَابِهَا مِيَهُ أَذُنَيْهِ -

حنوف صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھاتے
یہاں تک کہ ہاتھ شریف ٹوکندھوں کے اور
انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے

حدیث نمبر ۱۹۔ دارقطنی نے حضرت برہ ابن عازب سے روایت کی۔

أَنَّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَازَا
بِهِمَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمَّ يَدَايِ الشَّيْ مِنْ
ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ

انہوں نے حضور کو دیکھا جب آپ نے نماز
شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک
کہ انہیں کانوں کے مقابل فرمایا۔ پھر نماز سے خلعت
تک ہاتھ نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ
بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ
حَذَاءَ وَجْهِهِ

وہ حضور کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم
میں سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔
آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو کبیر فرماتے
اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے
مقابل تک اٹھاتے۔

کانون تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر
کفایت کرنا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ
کرؤ کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔
عقلی دلائل۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کانون تک ہاتھ اٹھائے جائیں
کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار رہنے تعلق
ہوتا ہے۔ کھانا پینا بولنا اور دھردھ دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر
کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کرتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے
نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار
ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے
تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبر بانی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی
شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہار عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں
 إِذَا كَبَّرَ لَجَعَلَ يَدَيْهِ حَذَاءً مِّنْكَبَيْهِ | حضور جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف
 کندھوں کے مقابل کرتے تھے

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک اپنے
 يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذَاءً وَمِنْكَبَيْهِ | کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے
 اور کانون تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب۔ یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانون سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ
 کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے
 لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانون تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں
 قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع
 ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گور گئی۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے
 اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانون تک لہذا نہ احادیث متعارض
 ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ
 حضور اپنے انگوٹھے کندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد
 ہوا اور جہاں کانون کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اسی

طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کافون تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض نمبر ۲۔ کافون کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رستی بن جاتے ہیں۔ نو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے باب کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاد صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابو حنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کہ ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس ہائیڈرناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں مرد کو ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔ بیٹے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں مگر صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ عَنْ ذَالِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ
رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ الشَّرْقِ
وَوَالِ الْإِثْنِ إِلَى شَيْبَةِ بِمَسْنَدٍ صَمِيعٍ
وَمِنْ جِلْدِ ثِقَاتٍ۔

حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دامنا یا تمہ یا میں یا تمہ پر رکھنا ناف کے نیچے پر حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سبب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

تَالِ ثَلَاثٌ مِنْ اخْلَاقِ النَّبَوَةِ تَعْجِلُ
الْإِفْطَارَ وَتَأْخِيزُ السُّجُودَ وَتَضَعُ الْكَفَّ
عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السَّرِيَّةِ -

یقین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ انطاریں
بیلہ می کرنا۔ سحر می دیر کرنا۔ نماز میں دامنہ ہاتھ یاٹیں
ہاتھ برنار ف کے نیچے رکھنا۔

حدیث نمبر ۳۔ ابو داؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
 قَالَ أَبُو دَاوُدَ أَخَذْتُ الْكَفَّ | ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں
 فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السَّرَّةِ | ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیئے

حدیث نمبر ۵۱ - وارفتنی اور عبد اللہ ابن
 اَبْنِ السُّنَنِہِ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعُ
 لَکَفٍ وَفِی رِوَاۂ اَبِیۃٍ وَضَعُ الْیَمِیۡنِ عَلٰی
 الشَّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ -

نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔

حدیث نمبر ۹ - ابو داؤد نسخہ ابن اعرابی - احمد - دار الفکر اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ قَالَ السُّنَّةُ وَضَعُ الْكُفِّ عَلَي الْكُفِّ | ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے

تَحْتَ السَّرَّةِ

حدیث نمبر ۱۰۔ زین نے حضرت ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّ عَلَيْنَا قَالِ السَّرَّةَ وَضَعُ الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ وَيَضَعُهَا تَحْتَ السَّرَّةِ۔ نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى تَحْتَ السَّرَّةِ۔ آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السَّرَّةِ۔ آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

حدیث نمبر ۱۳۔ ابن خزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبَوَّةِ وَضَعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السَّرَّةِ۔ آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَحْزٍ وَسَأَلْتُهُ قُلْتُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاطِنَ كَفِّهِ يَمِينَهُ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَ يَجْعَلُهُمَا أَسْفَلَ مِنَ السَّرَّةِ اسْنَادُهُ جَيِّدٌ وَرَوَاتُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ۔ میں نے ابوجحز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر فناءعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھو۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر ہیں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری

دینا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا کھارے میں۔ نیاز مندی کے لیے کھڑے ہیں یا کشتی اڑنے کے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بند و جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اگر کمر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱۔ ابو داؤد شریف میں ابن جریر ضعی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ تَرَأَيْتُ عَلِيًّا يُسِنُّكَ شِمَالَهُ
يُمِينُهُ عَلَى الرَّسْمِ فَوْقَ الشَّرَةِ۔
میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے
بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے کلائی پر کپڑا ناف کے

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابو داؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں

لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى عَنْهُ سَعِيدُ ابْنِ
مُجْبِرٍ فَوْقَ الشَّرَةِ وَقَالَ أَبُو جَلَادٍ
تَحْتَ الشَّرَةِ وَرَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔
ابو داؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے
اوپر کی روایت ہے۔ ابو جلاؤد نے ناف کے
نیچے کی روایت کی۔ ابی ہریرہ سے بھی یہ روایت
ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری۔ زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مرد و عورتوں
کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی و اسے ابو داؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابو داؤد میں
اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابو داؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا۔ اور ان تمام متعارض روایتوں کو خود ابو داؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابو داؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف دالی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض ۷۔ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ جواب۔ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ جیسے سبیل القدر امام کے قبول فرمالینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو مضریوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ۔ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الہی بخش صاحب سکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث صحیحہ حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھنیے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

دائل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

بلوغ المرام ص ۲۱ عَنْ دَائِلِ ابْنِ حَجْرٍ
أَنَّهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

حَلِيدٌ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى
عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ ۝

نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ
بائیں ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھا۔

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کیا ہے عیاں کہ تفسیر فارسی اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَّلَ
لِيَدَيْكَ وَانْحَوَّكَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور شرعی بیعت
پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ
اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر
نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں۔
جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ الہی بخش نے ہمیں
بتایا کہ بلوغ الرام کوئی تیس چالیس وقت کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب
نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری
مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث
صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی ت عاطفہ
تعلیق سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھے۔
رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا | جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت
میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ اس حدیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور
نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوؤں کی طرح لہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں
آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ وَانْحَوَّكَ کے یہ اچھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح
حدیث میں آئے نہ جہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ
کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی متنبہ تفسیر کا دیا۔ تفسیر فارسی اردو جمل جلالہ، اگر بغرض

محال مان لو۔ تو تمام اہل حدیث حضرات کو چاہیئے کہ اب سے نماز میں سجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھ کریں کیونکہ سحر گھٹے کے آخری حصے کو کہتے ہیں جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو سحر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا پھیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیئے

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری۔ یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنْ يَكْفَهُمَا نَوَاقِ السَّرَّةِ
وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا تَحْتَ السَّرَّةِ
وَكُلُّ ذَلِكَ دَاسِعٌ عِنْدَهُمْ

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قزاقہ شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے بہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۳۱۰۰۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوں۔

حدیث نمبر ۱۰۰ - مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَقَدْ أَلَيْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَقْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۱ - نسائی - ابن حبان - طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔

حدیث نمبر ۱۰۲ - طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے سلیم بن ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يُسْرِدُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۳ - ابوداؤد - دارمی - طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يُسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابَا بَكْرٌ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي أَوَّلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا فِي آخِرِهَا

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قراءۃ شروع فرماتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ قراءۃ کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قراءۃ کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۱۹۔ ابن ابی شیبہ نے یحییٰ بن سعید بن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْفِي بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَلَا تَعُوذُ وَآمِينَ

عبد اللہ ابن مسعود بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ امام محمد نے کتاب الاذان میں حضرت ابراہیم غنی سے روایت کی۔
 قَالَ أَمْرٌ بِي خَفِي هُنَّ الْأَمَامَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَتَسْبِيحًا نَاكَ اللَّهُمَّ وَتَعُوذُ وَآمِينَ

آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے بسم اللہ سبحانک اللہم اور آمین۔

حدیث نمبر ۲۱۔ مسلم ابو داؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔
 قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتَحُ الصَّلَاةَ بِالتَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

قرآنی میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراءۃ الحمد للہ سے۔

حدیث نمبر ۲۲۔ عبد الرزاق نے ابو فاختہ سے روایت کی۔
 أَنَّ عَلِيًّا كَانَ لَا يَجْهَرُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَكَانَ يَجْهَرُ بِالتَّحْمِيدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح ابہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل۔ بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے

کے لئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کے لئے نمازی قراۃ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اَعُوْذُ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورۃ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱۔ چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوتی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدء الوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل آمین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور نے فرمایا۔ ما انا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اقراء عَزَّوَجَلَّ سَمِیْعًا الَّذِیْ خَلَقَ الْوَحْیَ فَمِنْ کَمِیْعٍ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہ ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ وکیعہ سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض ۲۔ طحاوی شریف میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے
 فِي بَيْتِهَا فَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ | تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ
 معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ اُم سلمہ کیسے
 سن لیتیں۔

جواب۔ اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں
 کہ بسم اللہ پڑھتے۔ مگر آہستہ پڑھتے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی
 پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں
 جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قراۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔
 اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور کی آہستہ آواز
 شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراۃ میں بھی اتنی آواز چاہیے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراۃ نہ ہوگی فکر ہوگا
 لہذا اس حدیث سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں۔

اعتراض ۳۔ ترمذی شریف میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
 قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ | حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن
 صَلَوَاتُهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ | الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔
 جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ
 دیکھا فرماتے ہیں۔

من | حدیث یس اسنادہ یداک | یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔
 افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث
 پیش کر رہے ہو جس کا سرانہ چہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں تو بھی اس میں بسم
 اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم
 بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ تفسیر سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تکبیر تحریر میرے پہلے بسم اللہ
 پڑھتے ہوں کیونکہ صلوات قرآن نہ کہ قراۃ

اعتراض ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر سے روایت کی۔
 صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَعَلَ يَبْسُمُ اللَّهُ | میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ذَكَانِ يُجْعَلُ آيُ يَبْسُمُ اللَّهُ | پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سے پڑھی میرے والد یعنی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قراۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سہان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے برکت کے لیے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحدہ سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحدہ سے جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لیے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر متقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو تفصیلی کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتے ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءت بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ۔ اور کھڑے ہو اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے (خاموش)

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ما ینہی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ بِكَلِمَاتٍ جَلَّ صَاحِبُهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَأَمْرًا بِالسُّكُوتِ ہم لوگ نماز میں باتیں کر دیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو مومنوں کو سکوت

وَحُجَّتُنَا عَنِ الْكَلَامِ (منظلم مسلم) | جو کہ ہم کو سکایا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرمایا گیا۔
پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی منوع ہو گئی۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ (موجودہ) | جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت و اذا قرأ کی تفسیر میں ہے۔
وَجْهَهُمُ الصَّحَابَةُ عَلَى أَنَّهُ كُنِيَ السَّيَّاحِ الْمَوْقُومِ۔
عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءۃ امام سننے کے متعلق ہے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت و اذا قرأ کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔
وَمِنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَأُونَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَمَّا أَنْ لَكُمْ أَنْ تَفْقَهُوا وَإِذَا أُنْزِلَ الْقُرْآنُ۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا اگر کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو و اذا قرأ القرآن الخ

تنبیہ بمقیاس سن تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔
وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ لَمْ تَكْتُوبُ بِهَا فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِلَى قِرَائَتِهِ وَالصَّلَاةُ الْقِرَاءَةُ بِهِ۔
جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قراءت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھتے جانتے وقت خاموش رہو۔

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔
حدیث نمبر ۱۰۔ مسلم شریف باب سجود التلاوة میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ۔
انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ مسلم شریف باب التہدیں ہے۔

قَالَ لَهُ الْوَكِيلُ فَحَدَّثْتُ ابْنِي هُرَيْرَةَ
فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ لِّعَنِي وَإِذَا اقْرَأَ
فَانْصَتُوا۔

ابو بکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث
کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی
یہ حدیث کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش
رہو بالکل صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳۔ ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِإِمَامٍ الْقُرْآنَ
فَلَمْ يَصِلْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے
اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔
یعنی تب نہ پڑھے (یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا
جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا
وَإِذَا اقْرَأَ فَاَنْصِتُوا۔

حضور نے فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ
اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم
بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو

ہم حدیث نمبر ۵ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث
صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ
لَهُ قِرَاءَةٌ۔

جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس
کی تلاوت ہے۔

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰۔ امام محمد نے موطا شریف میں امام ابو حنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ

عن عبد اللہ ابن شداد عن جابر ابن عبد اللہ سے روایت کی ہے

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ

حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت
اور اس کی تلاوت ہے محمد ابن یوسف اور امام

قَرَأَةً قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ صَمِيْعٍ وَابْنُ
الْهَيْثَمِ هَذَا الرَّسَادُ صَحِيْحٌ عَلَى
شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور
مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔

یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ۔ دارقطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی (صحیح البہاری)

حدیث نمبر ۱۱۔ طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ اتَّقِرُّوْا ذِكْرًا مَا
يَقْرَأُ نَسَكُكُمْ تَوَافِسَاءَ لَهُمْ ثَلَاثُ أَقْدَانٍ
إِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز
پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ اے
کی قراۃ کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ
خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو
صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حدیث نمبر ۱۲۔ طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى فِطْرَةٍ

جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں

حدیث نمبر ۱۳۔ دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اتَّقِرُّوْا خَلْفَ الْإِمَامِ إِذَا أَنْصَتَ
قَالَ بَلْ أَنْصِتُ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ

ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام
کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا
خاموش رہو۔ امام تیرے لئے کافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ دارقطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قَرَأَةَ

حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں

خَلْفَ الْإِمَامِ

حدیث نمبر ۱۵۔ بیہقی نے قراۃ کی بحث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
كُلُّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ فِيهَا بِأَمْرِ الْكِتَابِ
فَهِىَ مَدَاجُ إِلَّا صَلَاةٌ خَلْفَ الْإِمَامِ

انہوں نے حضور سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا
جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص
ہے سوائے اس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

حدیث نمبر ۱۷۱۰۔ امام محمد نے ثوطایں بعد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْتَ نِي قَمِ الَّذِي يُقْرَأُ خَلْفَ
الْإِمَامِ حَجْرًا۔
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے
منہ میں پتھر ہو۔

حدیث نمبر ۱۸۴۲۔ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن عباس۔ جابر ابن عبداللہ۔ حضرت علقمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرات کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو۔ کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قرات خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ ثوطا امام محمد صحیح البہاری۔ ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ مدنی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ
فَصَاعِدًا۔
اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور
کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرات کافی ہے۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے (۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اُسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بعد قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے

تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ امام کی قراۃ اس کے لیے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کیلئے قراۃ ساقط ہوگئی تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔ رسم اگر مقتدی پر قراۃ فاتحہ بھی ہو اور آئین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورۃ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آئین کیسے پانہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آئین کیسے پانہ کہے جو بھی جواب دوسریت دکھا کر دو۔ نہ دوا آئین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آئین درست ہے۔

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدمی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دوسریت دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے۔ جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء اجماعیت کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۲-۳-۴ کے جوابات تمام حضرات لکھ مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قراوت نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تہنید وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرب ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل

کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعترض نمبر ۱۔ آیت کریمہ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ مِنْ تَرَانٍ سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے۔ نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ یہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدنیہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بغرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قراءۃ قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہونا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تفسیر سے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

اعترض نمبر ۲۔ آیت کریمہ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعْ لَهُ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھنے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب۔ یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رہتا ہے

یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے

مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدْ مَنَّا عَلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ
هَبَاءً مَّنْشُورًا

اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے۔ ہم نے
قصہ فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں
کی طرح بنا دیا۔

اگر کہ فرسار قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا
مستحق نہیں بغیر وضو نماز و رست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ
قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وَالصَّوْمُ خَامُوشٌ رَّبُّهُ۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر
سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضیکہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی
نہ خطبہ جمعہ کے لیے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراۃ سے روکنے کے لیے نازل ہوئی چنانچہ بیعتی
شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةً فَتَى
مِنْ أَكْثَمَاءِ فَانْزَلَ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ
الْحَمْدُ (بہادی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراۃ فرما رہے
تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی
قراوت سنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی
وَإِذَا قُرِئَ۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاذیہ ابن قرۃ سے روایت کی کہ انہوں
نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو
انہوں نے جواب دیا۔

قَالَ إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ إِذَا
قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ خَلْفَ الْأَمَامِ
إِذَا قُرِئَ إِلَّا أَمَامَهُ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ

یہ آیت واذا قرئ اللہ امام کے پیچھے قراۃ کرنے
کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراوت
کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

اعتراف نمبر ۳۔ اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت

آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب
کو کاروبار کام اسلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض
نہیں پڑھے وہ اوس ہی مسجد میں فرض عشا پڑھتا ہے۔ یہاں قراۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی

حرام ہوگا اگر غرضیکہ یہ معنیٰ است کہ بیٹے سخت تکلیف کا باعث ہیں (موجودہ دہائی)

جواب۔ ساری امت کا اجتماع ہے کہ تلاوت قرآن منہ فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین
انفرادی کی قنوت ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر
فرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے امام کے پیچھے سب مقتدی ایک
شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہذا مقتدیوں میں سے تو کوئی کلام سلام تلاوت
نہیں کر سکتا۔ غیر مقتدی کے لیے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار
میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں
کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی
سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت
اعتراف نمبر ۴۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند
آواز سے یاد نہیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جواب۔ وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لئے رب نے اذا قرئی فرمایا اذ العلمہ نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرمانا ہے۔

وَاِذَا خَرَاۤءَ لِّلْقُرْاٰنِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ جَبْنًا مِّمَّا يَخْلُفُ الْوَعْدَ ۚ

یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے (شامی وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف ترتیب چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہیے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپنے بھی میں

اور انہیں الٹ پڑھانے بھی میں تعلیم و قراءۃ کے احکام میں فرق ہونا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے ۔ تِلْوَ عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهِ وَ یُزَكِّیْهُمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحِکْمَ وہ نبی مسلمانوں پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر ۵۔ آپ کی پیش کردہ حدیث قبلاً فی الامام لکھا قراءۃ اور حدیث
اِذَا قَرَأْتَ فَاَنْصِتْوا میں لفظ قراء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب

یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو یا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہیے کہ امام کے پیچھے سبحان - التحیات - درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے (موجودہ غنڈی زبانی) جواب - اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں حدیث کے معنی ہیں بات چیت یا قصہ کہانی۔ رب فرماتا ہے۔

فَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا قَوْلًا مَّا لَا يَكُونُ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ ذَٰلِكُمْ يَسْتَبْطِئُ الْبُغْضَ ۚ وَكَفَىٰ لَكُم مِّنَ الْبُغْضِ عِلْمًا ۚ

فرماتا ہے فَجَعَلْنَا هُمُ أَحَادِيثَ | ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنا دیا۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوسے باتیں بنانے والا کئی یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرمان برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی میں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا۔ جواب تحقیقی یہ

ہے کہ نماز کے ذکر میں جب بھی لفظ قراءۃ لولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں تکبیر تحریمہ قیام - قراءۃ - رکوع - سجود - التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لیے کھڑا ہونا۔ اور قراءۃ کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

گر ہمیں مکتب وہیں ملا کارِ طفلان تمام خواہ شد

اعتراض نمبر ۶۔ مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اور اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔ نمازی اکیلا ہو یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب - اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمْرِ الْقُرْآنِ
فَصَابِعًا -

اوس کی نماز نہیں ہوتی۔ جو سورہ فاتحہ اور کچھ
زیادہ نہ پڑھے۔

اور موطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّورَةِ

نماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور
سورہ سے

آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورہ ملانا بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان
ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان
حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاتِحَةُ وَمَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ

جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو

پھر سورہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَأُنَبِّئَهُ

جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور
خاموش رہو۔

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت
احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ جب
امام قراءت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورہ
فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو طہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض
رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورہ فاتحہ کیسے
معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے قرآن و حدیث
میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرائے جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ
الاصلوٰۃ میں لافنی جنس ہے جس کا اسم توبہ۔ صلوٰۃ جزو شہیدہ ہے یعنی "کامل" مطلب

یہ ہو کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراءۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقُلُوبِ | نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے
لَا صَلَوةَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ | جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں

ان دونوں حدیثوں میں لا صلوة سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لم یق اقرار و حکمی و حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقتہً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکم کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیر ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷۔ نزدیکی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَؤْنَ دَرَاءَ مَا يَكُمُ قَالَ
تَلْنَا بَلَى قَالَ لَا تَقْرَؤُ إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ | حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو

اس حدیث میں صراحتہً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث ابو داؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ - عبداللہ ابن مسعود - زید ابن ثابت - عبداللہ ابن عباس - عبداللہ ابن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایا منقول ہیں جن میں سے کچھ روایتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحدہ ہے اور ان صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر میں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تفسیر سے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تاثر کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ منعظمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس سجدہ کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت، کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح نہیں) یہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

قَالَ أَبُو عَلِيٍّ حَدِيثُ عِبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثُ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَسُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا أَصَحُّ

پتہ لگا کر زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے

خلاف زیادہ صحیح ہے جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔

اعتراف نمبر ۸۔ اکثر صحابہ کرام کا عمل یہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماسحت فرماتے ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق
اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ
پر عمل ہے۔

وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْمَذْهَبِ فِي الْقِرَاءَةِ
خَلْفَ الْإِمَامِ مِنْكُمْ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ
مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَالَتَّابِعِينَ۔

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اصافی نہیں۔
بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم
صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

اور ان میں سے بہت پر عذاب مقرر ہو چکا

وَكثيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ
سورة راج ۱۸ آیت ۱۸

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سنت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن
ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البہاری)
حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔
(ابن حبان) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو امام کہے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں ہڈو
بھر جاوے۔ (ابن حبان) حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کہے
پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی شریف) حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ قطر پر نہیں (طحاوی) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی العلل) حضرت عمر رضی
اللہ عنہ فرماتے ہیں جو امام کہے پیچھے تلاوت کرے۔ کاش اس کے منہ میں پتھر ٹوٹا امام
محمد و عبد الرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کہے پیچھے تلاوت کرے اس

کے منبر میں انگارے ہوں (موطا امام محمد بن عبد الرزاق)۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قراءت کافی ہے (موطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور غمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ اسی صحابہ سے منقول ہے۔ کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قراءت سے سخت منع فرماتے تھے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاسے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعترض نمبر ۹۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہ ہی پرانا سبق)

جواب۔ جی ہاں۔ اس لیے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کو ان کے ضعیف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔ اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعیف آیا۔ بعد کا ضعیف امام صاحب کو مضر نہیں نیز چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ

اعترض نمبر ۱۰۔ اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہیے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب۔ یہ اعتراض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لیے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے۔ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا یٰ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ اَقِمْوْا الصَّلٰوةَ وَآتُوْا الزَّكٰوةَ جیسے زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سنا نہیں۔ بھری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سنا بھی۔

اعترض نمبر ۱۱۔ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ

قیام رکوع وغیرہ تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز میں مسلمان وفدین کرد و بار خلوذی میں ہی حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمایندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور تیجہ و ثنا سب عرض کریں گے مگر عرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمایندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعترض نمبر ۱۲۔ رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث میں تشریف میں وارد ہے۔

جواب۔ الحمد للہ آپ قریباً حنفی ہو گئے ہیں ہم کہتے ہیں کہ امام کے صحیحہ سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے آپ نے مان لیا کہ لا صلوة لیمن لم یقواء والی حدیث اپنے ظاہری علوم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی مستثنیٰ ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تقویری بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ جیسے دائمی جنون اور عورت کی پیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط وارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوتی۔ اگر مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قراءۃ بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو مفسر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے

عقلی ہے دیکھو اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیر میں کہے۔ جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوتیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہو گئی۔

اعترض نمبر ۱۳۔ رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب۔ یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعترض نمبر ۱۴۔ آیت کریمہ **وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعْ لَهُ** کی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدنیہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس آیت سے کیے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی نسخ ہو سکتی ہے۔ (بعض نے وہابی)

جواب۔ یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ کی ہے۔ اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہیے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلے اور نماز جہری ہو یا ستری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری

فصل میں دو باتوں کے اعتراضات مع جوابات -

پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف و لائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَدْعُوهُمْ بِكُم تَقَرُّ عَادُ خُفْيَةٍ - اپنے رب سے دعا مانگو عا جزی سے اور آہستہ

آمین بھی دعا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے۔ رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا السَّالِکُ عَبَادِی عَنَى قَائِی قَرِیْبٌ - اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے

متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے

والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔

جنبہ جنہ

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ

قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا باعث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۸۸۱ - بخاری - مسلم - احمد - مالک - ابو داؤد - ترمذی - نسائی - ابن ماجہ نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام

آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں

کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے گزشتہ

گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

وَأَقْبَقَ تَامِينُهُ تَامِيْنَتِ الْمَلَائِكَةِ غَيْرَ

لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ -

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں

کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ

سنی تو چاہیے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہونا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔

جو دہائی چیخ کر آمین کہتے ہیں۔ وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں

کی معافی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۳۱۰ - بخاری - شافعی - مالک - ابو داؤد - نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی -

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ -

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے - غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو - آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا - اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے -

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو - معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے - ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے - رب فرماتا ہے -

إِذَا جَاءَ كُمْ الْمُؤْمِنَاتُ فَاُصْخِرْنَ هُنَّ | جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو -

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ إِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں -

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہیئے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے - جو آج تک ہم نے نہیں سنی خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادائی میں موافقت ہے - فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہی ہے - جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے - کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں -

حدیث نمبر ۱۸۱۰ - امام احمد - ابو داؤد طبرانی - ابویعلیٰ موصلی طبرانی - دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ذائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے -

حضرت وائل ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَاسْتَفْهَى بِهَا صَوْتَهُ

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے۔ بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت، حدیث نمبر ۲۱۹ تا ۲۱ - ابو داؤد - ترمذی - ابن ابی ثیبہ نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَخَفَضَ بِهِ صَوْتَهُ

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳ - طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نے تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ يَرْفَعِي اللَّهُ عَنْهُمَا يَجْهَرَانِ ابْنِ بَسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِآمِينَ -

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲ - عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین۔ اور رہنا لک الحمد۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِي الْإِمَامُ أَدْبَعَا التَّعَوُّذَ فَكُسِمَ اللَّهُ دَآمِينَ وَدَبَالَكَ الْحَمْدُ

حدیث نمبر ۲۵ - بیہقی نے حضرت ابو وائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَخْفَى إِلَّا مَامُ
أَرْبَعًا بِسْمِ اللَّهِ - وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ
الْحَمْدُ وَالْتَعُوذُ وَالْتَشَهُدُ

امام چار چیزیں آہستہ کہے۔
بِسْمِ اللَّهِ - رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ - اَعُوذُ اور
التَّحِيَّاتُ -

حدیث نمبر ۲۶۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم
نخعی سے روایت کی۔

قَالَ أَرَبِعٌ يَخْفِيَنَّ إِلَّا مَامُ - اَلْتَّعُوذُ
وَبِسْمِ اللَّهِ - وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ
۱ آمین ۲ ذَاكَ مُحَمَّدٌ فِي الْاَثَارِ وَعَبْدُ
الرَّزَاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ
کہے اَعُوذُ وَبِسْمِ اللَّهِ - سبحانک اللہم اور آمین
یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد
الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے۔ کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ
قرآن نہیں اسی لئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے
تو جیسے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا مانورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی
آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ
چینا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل
سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ
پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں
ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف
ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آدے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آدے گا۔ اور
درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں۔ تفصیل وار مع

جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعترض نمبر ۱۔ آمین دعا نہیں ہے۔ لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب۔ آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے
اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں
جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

رَبَّنَا أَخْلِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَشَدِّدْ
عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰی
يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

رب نے لون کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ اِنَّا سَتَقِيْمًا
رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو
ثابت قدم رہو۔

فرمائیے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔ مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون کی۔ حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے۔ اور دعا آہستہ ہونا چاہیے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعترض نمبر ۲۔ ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین
فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ
وَقَالَ آمِیْنٌ وَمَدَّ بِهَا صَوْتًا

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں تدارشاد ہو مگر مد سے بنا۔ اس کے

معنی بلند کرنا نہیں۔ بلکہ آواز کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل

نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مکہ مقابل قصر ہے۔ خفاء کا مقابل ہے جبر۔ رفع کا مقابل نفض ہے۔ اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں۔ رب فرماتا ہے۔
 اِنَّكَ تَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد

اعتراف نمبر ۳۔ ابو داؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَ
 رَفَعَ بِهَا صَوْتًا۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فرماتے وَلَا الضَّالِّينَ
 تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف
 بلند فرماتے تھے

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے
 جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں
 مد ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں
 اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مد کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ
 کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ ترمذی اور ابو داؤد کی روایتوں
 میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور کی قراوت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قرۃ
 کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحتہ ذکر ہے۔ لہذا احادیث
 میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی
 احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے
 لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ
 آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہر آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا
 آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی
 کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہر والی حدیثیں قرآن شریف سے اور
 ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں۔ اسی بیٹے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین
 کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی

فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حد میں منسوخ نہیں تھیں تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔
اعتراف نمبر ۴۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب
علیہم ولا الفضالین فرماتے تو آمین فرماتے
یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو
مسجد گونج جاتی تھی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا قَالِ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا
الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا
أَهْلُ الْمَصِيفِ الْأَوَّلِ فَيَرْجِعُ بِهَا الْمُسَجِّدَ

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج
بنیہ شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب :- اس اعتراف کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش
نہیں کی۔ اول عبارت چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم الخ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكْتُ النَّاسَ التَّائِمِينَ
وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی جس پر
سیدنا ابوہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث
کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ
حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و
مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات
قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج
پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف آپ کے
زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب
کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھا دیں انشاء اللہ چیختے چیختے مہجادیں گے
مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراف کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراف ۳ کے ماتحت

عرض کیے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے۔
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۖ أَنِیْ أَكْبَرُ مِنْكُمْ ۚ وَأَنِیْ سَمِعْتُ اللَّهَ یَدْعُو ۚ فَخَذْتُ مِنْهُمْ ذِیْقُنًۢا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خَافِیۢنَ
صحابہ نے اتنی اونچی آہین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی
ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ أَمِینُ دُعَاءِ أَمَّنَ
رَبُّنَا التَّوْبِیُّوْنَ مَنْ دَسَّاءُكَ حَتَّى
أَنَّ الْمَسْجِدَ الْجَنَّةَ۔

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔
اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں
نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا
ہو گئی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی پیچ کر کہنا چاہیے کہ مسجد گونج جاوے۔
جواب۔ اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق
ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اول۔ دوسرے
یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر
یہ ہے کہ خارج نماز ہو گئی۔ تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں تیسرے
یہ کہ حدیث عقل و مشاہد سے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا
نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیت بھی عقل شرعی اور
مشاہد سے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔
آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے
کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔ جلیے۔

أَنَّ كَسَّ مَا تَقُولُ اللَّهُ كَمَا تَأْتِي

تم ہر دھڑ بھر دگے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

فَأَيُّكُمْ لَوْ لَوْ أَفْثَمَ وَجْهَ اللَّهِ۔

خدا کے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب
فرماتا ہے۔

قَوَّجَدَ هَا تَعْدُبُ فِي عَيْنِ حَمِيَّةٍ | ذوالقرنین نے سورج کو کپڑے چشمے میں ڈوبتے دیکھا
 سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کپڑے میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تائید
 کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور
 ہے۔ حدیث سمجھنا کچھ اور خللا صہ دیدہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود
 نہیں جس میں نماز میں آئین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ غلطے کی وہابیوں
 کو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور صدقِ دل سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ
 یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری
 عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۶۔ آہستہ آئین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب
 ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق (دیکھو
 دائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔
 حَدِيثُ سُفْيَانَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ
 شُعْبَةَ فِي هَذَا اِنَّ اَنْوَ قَالَ وَخَفَضَ
 بِهَا صَوْتَهُ وَرَأَيْنَاهَا هُوَ مَدَّ بِهَا
 صَوْتَهُ
 آئین کے بارے میں سفیان کی حدیث
 شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ
 یہاں کہتے ہیں خفَضَ یعنی حضور نے پست
 آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد سے یعنی آواز کھینچ
 کر آئین فرمائی۔

جواب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابو حنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے
 سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ
 یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے،
 آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آئین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف
 ہیں اور سب میں شعبہ راوی آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے
 دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسناد پر ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔ جب بھی

سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

تفسیر سے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مقرر نہیں۔

چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرمالینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے۔ لہذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرض کہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہیے۔

اعترض نمبر ۷۔ البراد و شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ آمِينَ حَتَّى يَتِمَّ مِنْ يَدَيْهِ مِنْ
الْحَقِّ الْاَوَّلِ۔

اس طرح آمین کہنے کے صف اول میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشر بن رافع آرہا ہے۔ اسے نزدیکی نے کتاب الجنائز میں حافظ زہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایت نہ کی موقوف قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا (وکیفہ آفتاب محمدی لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلہ کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اختراعات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۴۴ - ترمذی - ابو داؤد - نسائی - ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ اَلَا اُصَلِّيْ بِكُمْ صَلَوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَلَاتِيْ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً مَعَ تَكْبِيْرٍ الْاِفْتِيْحِ وَقَالَ الْبَزْزِيُّ حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَبِهِ يَقُوْلُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِيْنَ -

خیال رکھئے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز و کمبختی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہؒ جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسولؐ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ ابن شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرُفَعُهَا حَتَّى يَقْرَأَ

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء حدیث نمبر ۶۔ ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے

قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتَّى انْصَرَفَ

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ

لَا يَبْعُدُ -

۱۔ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۴۴۱۔ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَفَعُ الْأَيْدِي فِي صَبِيحٍ مَوَاطِنٍ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَاسْتِيقَالِ الْبَيْتِ وَالصَّفَاةِ الْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجَمْرَتَيْنِ -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقوف منا و مزدلفہ ہیں اور دونوں جہروں کے سامنے۔

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی نے اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۴۲۔ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

إِنْ كَانَ وَائِلٌ مَرَّاهُ مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ لَزَا عَبْدُ اللَّهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ -

اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو سچاس دفع رفع یدین نہ کرنے دیکھا

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور کی محبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۴۳۔ امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَلَمْ

کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

يَكُنْ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرِ
الْاَوَّلِي مِنَ الصَّلَاةِ

غنا کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی
تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ یعنی شری بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي
الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ
رَأْسِهِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ
فَاِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ۔

کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے
اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے
دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ
یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر
چھوڑ دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے جن صحابہ
سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں
منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۲۰۱۹۔ بہیقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرِ
الْاَوَّلِي مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ
فِي شَيْئٍ مِنْهَا۔

کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے
تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے
تھے۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ
يَدَيْهِ فِي اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ
وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو
دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر
نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے

حدیث نمبر ۲۲۔ البراد و شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سَفْيَانُ اِسْنَادُهُ يَحْسَدُ۔ قَالَ
فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي اَوَّلِ مَسْرَةٍ وَقَالَ
بَعْضُهُمْ مَسْرَةٌ وَاحِدَةٌ۔

حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ
حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ
اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی ذمہ ہاتھ اٹھانا

حدیث نمبر ۲۳۔ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّه دَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ اقْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَادَى بِهَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَمُدَّ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى قَرَعَ مِنْ صَلَاتِهِ

کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۴۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم بنحنی سے اس طرح روایت کی۔

أَنَّه قَالُ لَا تُدْرِغُ الْأَيْدِي فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ الْمَرْكَةِ الْأُولَى

آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

حدیث نمبر ۲۵۔ ابو داؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اقْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرْنَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف سچیں روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الایسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دارالخلافین میں ملاقات ہو گئی۔

تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ شیئے اور ایمان تازہ کیجیے۔ یہ مناظرہ فتح القدر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابو حنیفہ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی۔ آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سنانا ہوں۔

مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

حَدَّثَنَا شَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الْمَرْفَعِ مِنْهُ

امام اعظم۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے

امام اوزاعی۔ اچھا فوراً پیش فرمائیے

امام اعظم۔ لیجئے شیئے۔

ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي حَسَنٍ عَنْ إِسْرَافِيلَ بْنِ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَعُودُ لَشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ

امام اوزاعی۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم۔ اس لئے کہ حماد۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم

سے بڑھ کر عالم و فقیہ ہیں۔ علقمہ۔ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ میں۔ قرآن میں حضور کسی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی۔ خاموش

غیر منقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ اہل حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ بیسی اسنادیں۔ اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدہ کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدہ کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی۔ نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے (رازمحادی شریف)

خلاصہ :- یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے کبھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث ۱۸ میں صراحتہ مذکور ہے یا وہ سب مرجوح اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیئے۔ بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ نور رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد دباہیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت مشانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے اعتراض نمبر ۱۔ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی (وہ ہی پرانا سبق)

جواب :- جی ہاں۔ صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سرور انگلیوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنا دیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات سچے بالوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲ :- ابو داؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد نے فرمایا۔

یہ حدیث صحیح نہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ۔ حسن بغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابو داؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی۔ کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے۔ جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابو داؤد کے مقدمہ نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعترض نمبر ۳۔ ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۶ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر میں بھول کی بیماری ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثَمَرُ لَا يَجُودُ وَرَبِّهِ أَصْلُ حَدِيثٍ فِيهِ لَفَظٌ مُوجُودٌ فَهِيَ لِيَحْيَىٰ بِجَرَحٍ مُفْصَلٍ صَافٍ هُوَ۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے جو قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابو داؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب الوصیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابو داؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام الوصیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابو داؤد کا ضعف امام الوصیفہ رضی اللہ عنہ کے بڑے مفسر کیوں ہو گا۔ دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابو داؤد کے ضعیف ہونے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چونکہ یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں۔ تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء ادلیہ جہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سواوٹھی بھر دبا بیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدھ مینوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں سچا نور سے فی صدی مسلمان حقیقی المذنب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذہب

اس اندازہ کی صحت حرمین طہین ہمارے معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بچارے دہائی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔
 مَارَاكَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهَوَ عِنْدَ
 اللَّهِ حَسَنٌ۔
 کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔
 اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ
 شَدِّ شَدِّ فِي النَّارِ
 میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔
 جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ
 میں الگ جائیگا۔

خیال رہے کہ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک
 ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال
 میں جدا گانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے
 قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴۔ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ابو ترندی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے
 نقل کی وہ محل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود
 نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور محل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے
 (دوبرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب۔ جناب یہ حدیث محل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی
 نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور محل بھی بعد بیان تکلم قابل عمل بلکہ
 واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ محل بیان تکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ محل مشترک
 معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔
 کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہا بھو! تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق

کسی حنفی عالم سے محل کا لفظ سن لیا ہوگا۔ تو دعوے میں جہاد کے لیے یہاں اعتراض چڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقدسین کے سینوں میں بہاتے ہیں۔
 اعتراض نمبر ۵۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يَكْبَرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يَجَازِيَ
 بِهِمَا مَتْنِ كَبَيْتِهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ مَآ حَتَيْهِ
 عَلَى مَرْكَبَتَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ
 فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَ ثُمَّ يَرْفَعُ
 يَدَيْهِ حَتَّى يَجَازِيَ بِهِمَا مَتْنِ كَبَيْتِهِ
 پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے
 کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں
 اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے
 سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں
 تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔

ابو حمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے (نوٹ) یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابو داؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ وَهَذَا
 حَدِيثٌ أَخْبَرَنَا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ
 يَكْفَىٰ ابْنِ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ
 عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا
 حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةِ الْمِ
 ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں
 میں سچی نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں
 عبد الحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن
 ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں
 نے ابو حمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت
 میں سنا۔

ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں۔ وکیع و طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابو حمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا

یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجھ بول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الزَّكَاةِ يَنْتَهِى عَنْ كِبَرٍ وَرَفَعٍ
يَدَيْهِ حَتَّى يَخْذِيَ بِهِمَا مَنُكَبَيْهِ
كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے
اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں
کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابو حمید سامدی نے یہ حدیث صحابہ کے صحیح میں پیش کی تو ان بزرگوں
نے فرمایا جو ابو داؤد میں ہے۔

قَالُوا فَلَمَّا قَامَ اللَّهُ مَا كُنْتَ بِكَ تَرَاهُ
تَبْعَةً وَأَقْدَمَ مَنَالَهُ صُجْبَةً قَالَ
بَلَى۔

انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی
نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے
زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم
صحابی بنے تو ابو حمید بڑے بیشک ایسا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نے تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت تیسرے
ہوئی اور سیدنا عبد اللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع
یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود
کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تقاضا اہل ادب کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل
عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید سامدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف
یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر
چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ
میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترك کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

الْوَضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ | آگ کی کئی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے
دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا ملا خطہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں جنہیں سحیح ابن سعید فرماتے ہیں۔ ہُوَ اِمَامٌ الْقَائِسُ فِي هَذَا الْبَابِ۔ حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت مومنوں یا کم سے کم اول درجہ کی مدرس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے۔ مضطرب بھی مدرس یا مومن بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ الوداؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل ہی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں

نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ وکیعوشکوۃ شریف باب صفت الصلوۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تہجدی یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔
 حنفی بھائیوں اور ارفع یدین غیر متقدموں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید سامدی مایہ ناز و دلیل ہے جو وہابیوں کے سچے سچے کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی من ترائیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے ثوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرچھے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال دھکے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ انکے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنچھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سوا ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔ بے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

بے اللہ گمراہ کہے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر
 مرشد۔ جس پر غدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی
 مددگار نہیں۔

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُ وَلِيًّا مُّشْرِئًا
 نِيز رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَلْعَبْ فَلَنْ يَجْعَلَ
 لَهُ نَصِيْبًا

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہہ کا دار و مدار ان اسنادوں پر نہیں بلکہ حضرت امام الائمہ کا شفع الغمہ سراج ائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چرخہ ہے امام بخاری و عام محدثین کے اسنادوں کا استاد ہے جس کے زیر و اسمن ہزار با اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال۔ وکیعوشکوۃ البکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود

بلکہ راست یہ حدیث مثنیٰ تھی بیدعترک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آسکتی ہیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہوجاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اُس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لینے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراف نمبر ۶۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف کا نہ صوں تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے سبح اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَسْبَهُ وَمَنْكَبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا خَبَرَ لِلرُّكُوعِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ مَا تَبَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ۔

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تقابعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبد اللہ ابن مسعود سے روایت

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنِ بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرَوْا فَعَمُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيرِ الْأَوَّلِيِّ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ اٹھائے

فراؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ متیسرے

یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبد اللہ ابن عمرؓ ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے

خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث

کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمرؓ سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو ظاہر ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی ناصبی دیکھو تہذیب نسیری اسناد میں عبد اللہ ہے یہ بکرا لافعی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجعہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراف نمبر ۷۔ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ بِمَنْ حَمْدًا رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ التَّوَكُّعَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمد کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس فعل آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے
دیکھو سیدنا عبد اللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو
رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں
سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت
مجاہد فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریر کے وقت
ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ
اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔
اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ
میں اٹھاتے تھے۔ لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ يُجَوِّزُ أَنْ يَكُونَنَّ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ
مَا سَأَلَهُ طَاوُسٌ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ الْحُجَّةُ
عِنْدَهُ وَبَسَّخَهُ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ
عِنْدَهُ وَبَسَّخَهُ وَتَرَكَهُ وَفَعَلَ مَا
ذَكَرَهُ عَنْهُ مُجَاهِدٌ

ماتر ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاووس
نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا
عبد اللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہو گئی
تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا (رفع
یدین نہ کرتا)

یہ حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں مگر
وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے۔ کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔
اعتراف نمبر ۸۔ مسلم شریف نے حضرت داؤد ابن جحر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ
یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَكَ دَعَا
بِكَيْفٍ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ
كَفَيْتِهِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ
فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب
سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمثل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم و فقیہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صف اول میں خاص حضور کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے علم دیا تھا کہ۔

يَسْبِقُونِي مَنْ كُنْتُ أَوَّلُ الْأَحْلَاءِ وَالنَّحْلِ | تم میں سے مجھ سے قریب وہ ہے جو علم و عقل والا ہو پناہیچہ منہ امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے۔ تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابن ولید نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رحمہ اللہ اسلام سے غبار تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضور کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

فَقَالَ إِمْرَأَتِي لَا يَعْرِفُ شَرَّائِعَ الْإِسْلَامِ
وَلَمْ يَصِلْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِلَّا مَلُوءَةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ
كَأُحْصَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ
كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ فَقَطُّ
وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَعَيْدُ اللَّهِ عَالِمُ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ وَ
حَدَّثَنِيهِ مُتَّفِقًا أَحْوَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَأْنِي مَرَّةً فِي إِقَامَتِهِ
وَأَسْفَاهُ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُحْصَى۔

خلاصہ یہ کہ عالم و فقیہ اور حضور کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی

ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سینا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹۔ اگر تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہیے۔ تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ بعض ڈیرہ غازی خانی و بانی

جواب۔ اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل سچو یہاں نہ بنائے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں۔ بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی بیٹے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی مقامات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرنے سے ہو تو اسے وہاں ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کر دے اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کر دے۔

اعتراض نمبر ۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اسے جبریل نازل کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبریل نے فرمایا کہ اس سحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے

إِذَا تَحَرَّيْتُمُ لِلصَّلَاةِ أَنْ تَرْفَعُوا يَدَيْكُمْ
إِذَا كَبَّرْتُمْ وَإِذَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا
رَفَعْتُمْ رَأْسَكُمْ مِنَ الْكُفُوفِ فَإِنَّهَا صَلَوَاتُنَا
وَصَلَوَةُ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ
السَّابِعِ۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا

لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ حاضر و رہی۔ ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکیٹ مفت تقسیم ہو چکی تھی۔ یہ اعتراض بہت جوش کے لب و لہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب۔ وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوائے جھوٹی حدیث گڑبہ تولی۔ مگر گھٹانا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لیے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لیے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جاسکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیٹے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ انحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھردی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اسے جبریل نحر کے یہ انحر کے معنی کہاں سے لائے گئے۔ اور کیسے لائے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوة کے معنی روٹی کھانا۔ زکوٰۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہنا۔ صوم کے معنی چار پائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دو کا نداری کرنا کرو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ فلا شرم کرو اپنے نامہ مذہب مذہب کو بنانے کے لیے کیوں ایسی حاشیائیں گھڑتے ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر صلوة پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہیے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جز ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر تفسیر سے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوتے رفع یدین کرو اور یہ اس قرآن کریم میں نماز کے

حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہیئے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکروین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکرہ فوجوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر منکرہ خفیوں میں پھنسے ہو تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کہ نا بھی جس پر چاہو عمل کر لو تاؤ اوس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام دہانی کون ہوئے۔

پوچھئے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لیتا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیق - عمر فاروق - علی مرتضیٰ - عبداللہ ابن عباس - عبداللہ ابن عمر - عبداللہ ابن مسعود - عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے محنت منہ فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چورہ سو برس کے بعد ذریعہ غازی خال کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المؤمنین مولاء کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے واضح کر کے معنی پوچھے اور پھر خود اوس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیئے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ لاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہیئے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم

کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے بیٹے ایسی بے کمی حدیثیں گھڑ لینے میں خوفِ خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔ حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراف نمبر ۱۱۔ حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

اِذَا اثْبَتْتُ حَدِيْثًا فَهُوَ مَذْهُبِيْ۔ | جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے۔ تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرأت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لیے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔

جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اہانت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے اِذَا اثْبَتْتُ حَدِيْثًا فَهُوَ مَذْهُبِيْ | جب حدیث ثابت ہو گئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و خوض و بحث و تحقیق کی۔ اسناد اور متن پر خوب گراگرم جرح و قدرح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت سچا اور تحقیقی ہے۔ لہذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کوونا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا

ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف خواص کا کام ہے۔ اگر پیساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرتے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرے۔ قرآن حدیث روحانی و دواؤ کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طیب اعظم ہیں۔ قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے شکل پہنچو بیان کر دیئے ہیں۔ اسے نا سمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلاطین کہتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے

سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابو حنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ چپے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء و تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اُس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۳۱۰۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ایوب سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 الْوُتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ
 حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔
 حدیث نمبر ۳۱۱۔ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

حضرت فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب
ہیں۔

حدیث نمبر ۶۵۶۔ ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں
نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ كَمَنْ كَمَلُوا
فَلَيْسَ مِنَّا۔

میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر
لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم
میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ۶۔ عبد اللہ ابن احمد نے عبد الرحمن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت
معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو لا خطہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں شکی کرتے
ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں
نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ اِذَا جِبَّ ذَٰلِكَ عَلَيْهِمْ
قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ زَادَنِي رَبِّي عَزَّو
جَلَّ مَسْلُوقَةً هِيَ اَلْوُتْرُ فَيَمَّا بَيْنَ
الْعِشَاءِ اِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ

تو امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر
واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں۔ ہیں
نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے
ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور
فجر کے طلوع کے درمیان۔

حدیث نمبر ۷۔ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مسلاً روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلَيْسَ اِذَا اصْبَحَ

جو وتر چھوڑ کر سو جائے۔ وہ صبح کے وقت
اس کی قصا پڑھ لے۔

حدیث نمبر ۱۴۱۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک
میں حضرت ابویوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط
نیچیں پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

حضور نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب

ہے۔ ہر مسلمان پر۔

وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ رَجَبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۴۴۔ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صحیح میں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی فرمائی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي الْآخِرِ هَذَا

حدیث نمبر ۵۶۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں۔ جیسے دن کے وتر نماز مغرب

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُرُ اللَّيْلُ ثَلَاثٌ كَوَتُرِ النَّهَارِ صَلَوةُ الْمَغْرِبِ

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ مَكْعَاتٍ -

حدیث نمبر ۸۔ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنْ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ وَرَبِّهِمَا فَهُنَّ لَکَیْنِ

السموات الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثُمَّ عَادَ قِيَامًا حَتَّى سَمِعَتْ نَفْخَةً ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اِسْتَاكَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اِسْتَاكَ وَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَاقْرَأَ بِثَلَاثٍ -

پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۳۴ - ترمذی - نسائی - دارمی - ابن ماجہ - ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَفِي الْوُتْرِ الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ فِي رُكْعَةٍ رُكْعَةً.

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہوا اللہ اے کافر گنہگار کے لئے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت

حدیث نمبر ۱۸۴ - ترمذی شریف - ابو داؤد - ابن ماجہ - نسائی - امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالغفر بن ابن جریج - عبدالرحمن ابن ابی بکر سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتَرُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأَوَّلِ بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَاتِ

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سج اسم ربک الاعلیٰ و دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہوا اللہ اور فق و ناس۔

حدیث نمبر ۱۹ - نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسْمِ اللَّهِ الْأَعْلَى وَفِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ.

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سج اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہوا اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور سلام نہ پھیرنے تھے۔ مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۰ - ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَجْمَعُ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْوُتْرِ ثَلَاثٌ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِ هُنَّ.

اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوُتْرِ فَقَالَ
عَلَيْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ
هَذَا وَتُرُ الْبَيْتِ وَهَذَا وَتُرُ الْتَهَادِي

میں نے حضرت ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا
تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول صلی اللہ علیہ
وسلم تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی
طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر میں اور غروب دن کے وتر

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود
ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث
سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہی
عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک
سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لئے ہوائے نفس والوں نے صرف
ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ
لیا کہ حضور و وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری
میں فلاں و یا بی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوے گی۔
عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔
بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب
کا انکار کفر نہیں واجب کا یہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہوتی
چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل بھلا گانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ

یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو رکوع و غیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیے
تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا
کوئی نفل و سنت ٹوکہ و سنت غیر ٹوکہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت
ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب و تر نہ تو چار رکعت
ہو سکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ غلط و شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لا محالہ تین ہی رکعت چاہیے۔ ایک رکعت نماز
اسلامی فالون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت نامکمل ہے ناقص

ہے۔ بہتر اسے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا
اجماع صحابہ کرام کا عمل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مند وتر پر اب تک جس قدر وائیل غیر مقلد وابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار
مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت
یوتر بواحدۃ ثم یرکع رکعتین الخ وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر و نفل پڑھتے تھے
معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیئے۔ حضور نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے
خلاف ہو گئی جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا
ترجمہ ایسا کرنا چاہیئے۔ جس سے احادیث متفق ہو جائیں۔ اس حدیث شریف میں اب استعانتہ
کی ہے۔ جیسے کُتِبَتْ بِالْقَلَمِ میں نے قلم سے لکھا کیونکہ وتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث
کے معنی یہ ہوئے کہ حضور نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح
کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔

مثلاً آٹھ رکعت تہجد اور فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعت وتر پڑھی تو وتر کی تیسری رکعت کے سبب
کل رکعتیں گیارہ ہو گئیں۔ جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والی یہ ایک رکعت ہے۔
جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہو گئی۔ میں غیر
مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کیئے جاویں تو ان احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں
صرحاً تین کا عدد مذکور ہے۔ یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے
دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھے یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنَى مَثْنَى فَإِذَا أَحْشَى أَحَدٌ كَيْدَ الصُّبْحِ صَلَّى رَكْعَةً وَاحِدَةً تَوَاتَرَتْ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى۔

اس سے چار مسئلے معلوم ہوتے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہیے

دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو۔ صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔ چوتھے کے انکاری ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں۔ تو چاروں نہ مانیں۔

جواب۔ غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو ایک ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھے۔ اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہو گئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔

کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی رکعت واحدہ کے بعد مع الکتیں پورشیدہ ہے کیونکہ پہلے مثنی مثنی کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا۔ جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلْيَسْأَلُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ | اصحاف کہف اپنے فار میں تین سو سال | وَارْدًا دُونَ سَعَا۔ | ٹھہرے تو بڑھ جائیے۔

اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے

کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ ان دو ور سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری مثنیٰ یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس علم الاولین والآخرین افصح المخلوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی جو حدیثوں کو لٹا نا اچھا۔ یا احادیث میں موافقت پیدا کر کے سب پر عمل کرنا

بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراف نمبر ۲۔ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

أَلَوْ تَرَىٰ رَكْعَةً مِنَ الْخَيْرِ اللَّيْلِ | وتر آخرات میں ایک رکعت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب :- اس کا جواب بھی دوسرے اعتراف کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہابی اس کے معنی

کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ ایک ہی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث

بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں

کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں جو ہم پہلی فصل

میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنا نے

والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ

رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز

جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں

بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا

تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ ابو داؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللَّهُ وَتَرْجِعُ الْوُتْرَ فَإِنَّهُ لَأَهْلُ | نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پس فرماتا

ہے۔ پس وتر پڑھا کر اسے قرآن ماننے والو

الْقُرْآنِ

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیے

نہ کہ تین حضور نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب :- اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر

وہابیوں کو چاہیے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے

فرض دن کے وتر ہیں۔ اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور

اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا کہ حضور نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی محض وتر بت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں اونٹنے مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضور نے وتر فرمایا واحد نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُورٍ هِ كَيْشَكُوَّةٍ فِيهَا مَصْبَاحٌ | اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے۔

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل ہی ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روشن ہوتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراف نمبر ۵۔ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

أَوْتَرَ مَعَاذِيكَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ
وَعِنْدَ مَوْلَى لَا بَنَ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ
عَبَّاسٍ فَلَخَّبَهُ فَقَالَ دَعْمَا فَإِنَّهُ قَدْ
صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب۔ یہ حدیث تو احاف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت میں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی۔ جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم

ہوا کہ کوئی صحابی ایک رکعت توڑ نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہ صحابی ہیں۔ فقیہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لِمَا هَلْ لَكَ فِي
أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَكَ
بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ

حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو توڑ ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہ ہیں۔

صاف معلوم ہوا کہ در تمام صحابہ اور خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں۔ عالم میں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے

اعتراض نمبر ۶۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت، توڑ پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت توڑ پڑھیں۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آئین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری ہی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دو رخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر بابل جب دیدہ و آئینہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے۔ تو سزا کا مستحق ہے اگر رسول عینِ ندیا فتنہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی غناہ نہیں لیکن اگر کوئی بابل آدمی یوں ہی شکل سچو کسی کو غلط دوا کھلاوے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج۔ حاکم کسی ملازم کو سزا دے سختی ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیرے قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضیٰ ٹوٹے برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں۔ جس کو بھی برا کہا جاوے تو برا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت راؤد سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں

کا ذکر فرمایا۔

إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ
غَمَمٌ الْقَرْمُ وَكَانَ الْحَكِيمُ شَاهِدِينَ فَفَقَهُنَا
هَذَا سَكِيمَانِ وَكَذَا أَتَيْنَا
حُكْمًا ذَعَلْنَا

جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق
فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔
ہم انکا فیصلہ شاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان
کو وہ سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان میں سے ایک کو حکمت و علم بخشا۔

و یکمہ و کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیہ علیہ فیصلہ کیا
حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔ جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام
کا فیصلہ خطا و اجتہاد ہی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عقاب ہوا ہرگز نہیں۔ کیوں اس لیے کہ آپ مجتہد مطلق
تھے اور مجتہد کی خطا پر عقاب نہیں۔ و لایو اگر تم بھی رفع یدین یا ادسچی آہیں۔ شافعی بن کر کرو تو تمہیں
وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو
اور اپنی قوم داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔
اغتراض نمبر ۷۔ تین رکعت وتر کی حدیثیں ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثیں
حجت نہیں۔

جواب۔ جی ہاں اس لیے ضعیف ہیں۔ کہ آپ کے خلاف ہیں۔ یا اس لیے کہ ساری حدیثیں
ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً
چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے
نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اغتراض کے جوابات ہم اس کتاب میں بارہا
دے چکے ہیں۔

اٹھواں باب

قبوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی قیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قبوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فحجر

کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازل پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر متقدم و پاجیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازل پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو دراصل درپردہ غیر متقدم ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازل پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلیں کی جاتی ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازل کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روزیہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیتہ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی و لائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۲۱۰۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احمول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازل صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماکہ رکوع کے بعد ان کفار پر بدعا فرماتے ہوئے قنوت نازل پڑھی۔

إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أَنَسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَاءُ سَبْعُونَ رَجُلًا فَإِذَا حُيِّبُوا فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّكْوِينِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ۔

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ غدر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۲۱۰۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا ابْدَعُوا عَلَى رِجْلٍ وَذَكَوَانِ فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقَنُوتَ

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحتہ ذکر آگیا۔

حدیث نمبر ۸۷۰۔ ابو یعلیٰ موصی۔ ابو بکر بن زرارہ طبرانی نے کبیر بن یحییٰ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا ابْدَعُوا عَلَى عَصِيْبَةٍ وَذَكَوَانِ شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقَنُوتَ

وَقَالَ الْبَزْزَارِيُّ فِي رِوَايَتِهِ لَمْ يَقْنُتِ

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا شَهْرًا

وَاحِدًا لَمْ يَقْنُتْ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبیلہ عصبہ و ذکوان پر بد و عافرائی جب ان پر غالب آگئے تو چھوڑ

دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور نے

صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ اس سے

پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۹۰۸۔ ابو داؤد و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمْتُ

شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ

قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔

حدیث نمبر ۱۰۱۳۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ لِإِنِّي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ

صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَإِنِّي بَكْرٌ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ هَهُنَا

بِالْكَوْنِ وَنَحْوُ مِنْ تَمْسِ سِنِينَ كَالْفَا

يُقْنُتُونَ قَالَ يَا بَنِي مُحَمَّدٍ

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ

ابا جان آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر

و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں

تقریباً پانچ سال نماز پڑھی کیا یہ حضرات قنوت

نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سید ہے

حدیث نمبر ۱۰۱۴ و ۱۰۱۵۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث

نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں

وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَواتِهِمُ اللَّهُمَّ
أَلْعَنُ عَمَلَانًا وَقَلَانًا لِأَحْبِيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ
حَتَّى أُنْزَلَ اللَّهُ كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْئًا

عنہ و انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا
کرتے تھے کہ خدا یا فلاں فلاں دجری کے بعض قبیلے پر
لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی «لیس لک الخ»

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعا و فتوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ
ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف ایتہ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ فتوت نازلہ پڑھنا حدیث
سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا
لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی وہ حضور کی ذات شریف
کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے
ہیں۔ ہاں حضور نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہذا امامیہ میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی
اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْأَمَامِ الْأَعْظَمِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
عَنِ ابْنِ أَبِي هَرِيمٍ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ إِلَّا شَهْرًا
وَاحِدًا لَأَنَّ حَادِبَ الْمُشْرِكِينَ فَقْنَتْ
يَدُ عَمَّا عَلَيْهِمْ۔

امام اعظم ابو حنیفہ حضرت ابن عباس سے روایت
فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے
وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور
نے نماز فجر میں فتوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ
کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب
ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔

حدیث نمبر ۱۵۲۔ حافظ ابن خسر نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشنانی نے حضرت
امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قْنَتْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ
وَلَا عَلِيٌّ حَتَّى حَادِبَ أَهْلِ الشَّامِ
فَمَا كَانَ يَقْنُتُ۔

حضرت ابو بکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی
رضی اللہ عنہ نے فتوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی
نے اہل شام سے جنگ کی تو فتوت نازلہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۱۸۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی۔

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔
کہ حضور نے پچالیس دن کے سوا قنوت نازل نہ پڑھی۔
ان پچالیس دن میں آپ نے عصر تک کو ان پر بار دعا فرمائی
پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كُنَّ يَقْنُتُ إِلَّا أَمْرَ بَعِثَيْنِ يَوْمَ مَا يَدْعُو عَلَيَّ عَصِيَّتِهِ وَذَكَرَ أَنَّهُ كُنَّ يَقْنُتُ إِلَى أَنْ قَامَتْ

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازل نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازل نماز میں نہ پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو عصر عشا کی چار مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چار نمازوں میں قنوت نازل نہیں چاہیے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جماعت قرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت ایسا نمازی سمع اللہ لمن حمد کا بھی کہتا ہے اور رَبَّنَا اللَّهُ أَكْبَرُ بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے۔ تو امام رَبَّنَا اللَّهُ أَكْبَرُ نہیں کہتا صرف سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ رَبَّنَا اللَّهُ أَكْبَرُ تو کہتا ہے مگر سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعا، قنوت نازل پڑھنا مقصد شرع کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا سجدہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرع کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد ہو قیوم ہے۔ اس میں صرف سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کے بقدر ٹھہرنا چاہیے۔ اگر اس میں قنوت نازل پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ ٹکڑا ہے۔ دیر لگے گی تاخیر فرض اگر قبول کرے تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمدہ ہو تو نماز فاسد کرتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازل نہ پڑھنا چاہیے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی۔ مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سوا کسی اور نماز میں پڑھے گا۔ تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً مسجد میں تاخیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر یہ جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب۔ عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَدَّتْ اِلَاصَامٌ فِي صَلَوةِ الْجَهْرِ وَهُوَ
قَوْلُ التَّوْحِيدِ وَالْحَمْدُ

اس موقع پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے
امام ثوری و احمد کا یہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب و عشاء فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نماز میں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ۔ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے سجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی فت کو جیم بنا دیا۔ چنانچہ اسبابہ و التلاثر میں اس جگہ سجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحاوی علی و الدقاق اور علامہ ابن عابدین شامی نے منہج الخالق علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّاهُ مَحْضَرٌ عَنِ الْقَجْرِ

شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے

طحاوی کی عبارت یوں ہے

وَالَّذِي يُظَاهَرُ اَنْ قَوْلُهُ فِي الْبَحْرِ وَاَنْ
نَزَلَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ نَازِلَةٌ قَدَّتْ اِلَاصَامٌ
فِي صَلَوةِ الْجَهْرِ تَجْرِيفٌ مِنَ التَّخْرِ
وَصَوَابُهُ الْفَجْرُ۔

بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق

کرنا ہو تو۔ ہمارا فتاویٰ فیعمیہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دلربندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیے وہاں اس مسئلہ پر کچھ حرم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر منقلد و مایوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرے تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (پرانہ سبق)

جواب۔ اس کے جوابات ہم بار بار دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔

وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی ولیلین ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد تہایت مختصر اور کمزری محسوس ہوتی ہے جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی

فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸۰۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ عوفی البوسیدہ بخاری اور حدیث نمبر ۵۱ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم بن علقمہ ابن سعور۔ تہاذا ان میں کون ضعیف ہے۔ چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرن میں سے ہے۔ ان

کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہایت قیامت ہے

نہیں وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہ ہی روایتیں تمہاری ولیلین ہیں۔ جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا ضعیف کی رٹ سے کسی غیر منقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے لئے اس کے کچھ خطرہ نہیں۔ باقی جوابات وہ ہیں۔

الْقُرْآنَ وَيُكَلِّمُ وَيُؤْتِيهِمْ، اسْمُهُ وَيَقُولُ سَمِعَ
اللَّهُ لَيْسَ مُحَمَّدٌ كَمَا يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ اللَّهُمَّ
أَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ الْمُرَّةِ

سے مبارک اٹھاتے۔ اور سبح اللہ لمن حمدہ فرماتے
تو کھڑے ہوتے۔ یہ دعا پڑھتے اسے اللہ ولید
ابن ولید کو نجات دے الخ

طحاوی شریف حقیقوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب۔ شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر کی یہ روایت
نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیسے یہ آپ کے خلاف ہوتی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

فَأَنْزَلَ اللَّهُ غُرُورًا وَجَلَّ كَيْسٌ لِّتَمَّ مِنَ الْأَمْرِ
شَيْئٌ فَمَادَ عَامُرٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَدُ عَائِدٍ عَلَى أَحَدٍ

حضور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیت
اوتری مدین تک اللہ اس کے بعد حضورؐ نے کبھی کسی
پر نماز میں بددعا نہ فرمائی۔

لہذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی
دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر
میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول
ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی
خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور
حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاوت کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے
مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار کے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں
سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کیئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں
اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے تھے۔ جیسے حضرت ابو مالک
اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ انسائی وابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ
قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہما اس ایسے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اسبھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام دلائلوں کو اعلان عام ہے کہ ایک حدیث مرفوعہ صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہوا نہ ہو۔ اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیوں خدا کرے میں منقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

نتیجہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر منقلد و بالی و ترویل میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرنے میں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔ تم متنی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت برا ہے۔ اس حدیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۷۲۔ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن حجر و محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

اِنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِي الْوُتْرِ قَبْلَ التَّوَكُّوعِ

کہ آپ وتروں میں تمام سال کو روک سے پہلے دعاء قنوت پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۳۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سید ابن غفران رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَقُولُونَ قَمَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَيْرِ الْوُتْرِ وَكَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی آخری رکعت میں دعاء قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۴۔ ابو داؤد ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنه سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي الْخَيْرِ وَتَوَكَّلْ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ

يَقِينًا حَفْصَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَسَلَّمَ إِنِّي أَخْرَجْتُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ دُعَاءَ يَرْثِيهِ تَحْتَهُ - اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کر دیں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحت منقول ہو کہ آپ سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ سارا سال و تروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابو داؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھانے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر ابی آدھے رمضان میں۔

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي ابْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يَصِلُ بِهِمْ عِشْرَتَيْنِ لَيْلَةً وَلَا يَقْنَتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي -

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اسے وہابیو اتھار پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدمی پر۔ اگر آدمی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے۔ تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

أَفْتَوْا مِنْهُمْ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُ بِكُنْ يَبْعُضُ

اگر اس حدیث سے پتہ چلے کہ دعاء قنوت ثابت ہوئی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاء قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا لگئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہونے لگا تھا تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جمعیں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فلاح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سالہا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابی ابن کعب نے میں رات تلوایح پڑھا میں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دن یعنی دسویں رمضان سے میں رمضان تک دعاء قنوت ہوتی تم پندرہویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان۔ ہم تمام دنیا کے دہائیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوعہ صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو۔ آگے پیچھے بڑھنے کی مخالفت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے۔ بائیں غیر مفصل پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری جی عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں

اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد و اپنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سر کعبہ کی طرف
بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔
حدیث نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل
حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ
رِجْلَهُ الْيُمْنَى

حدیث نمبر ۲۔ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّمَا السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ
رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتِي الْيُسْرَى زَادَا
لِنَسَائِي وَاسْتَقْبَلَهُ بِأَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ۔

حدیث نمبر ۳ تا ۷۔ بخاری شریف۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ

ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعین سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَرِي عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَكِبُ
فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهُ وَأَنَا

يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السَّيِّدِ فَهَذَا عَبْدُ اللَّهِ

ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ

رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْبِتِي رِجْلَكَ الْيُسْرَى

فَقُلْتُ لَهُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَ

إِنَّ رِجْلِي لَا تَحْدِلَانِي۔

کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ

آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک

دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نو عمر تھا

تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ

نماز کی سنت یہ ہے کہ تم واپس پاؤں کھڑا کرو اور بایاں

پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کہتے ہیں یعنی چہار

زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میں ابوجہ نہیں اٹھا

سکتے (یعنی معذوری ہے۔)

حدیث نمبر ۹۰۔ نرنی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی۔
 قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قُلْتُ
 لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ كُنِيَ لِلنَّشْهِدِ
 افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ
 الْيُسْرَى عَلَى فَخْذِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ
 رِجْلَهُ الْيُمْنَى۔

فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں
 حضور کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نماز میں بیٹھے
 یعنی الحیات میں تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں
 بچھا دیا اور بائیں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا
 پاؤں کھڑا کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۳۱۔ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر بن حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ
 عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَإِذَا جَلَسْتُ فَأَجْلِسْ عَلَيَّ فَخُذْ
 لَكَ الْيُسْرَى۔

پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر
 بیٹھو۔

حدیث نمبر ۱۴۲۔ طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 إِنَّهُ كَانَ يُسْتَحَبُّ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ
 فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَرَشَ قَدَمَهُ
 الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسَ عَلَيْهَا

آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا
 بائیں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر
 بیٹھے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔
 قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ
 الْيُسْرَى حَتَّى أَسْوَدَ ظَهْرُ قَدَمِهِ۔

وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز
 میں بیٹھتے تو اپنا بائیں پاؤں بچھاتے تھے یہاں
 تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶۱۔ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔
 جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا جَلَسَ فَلْيَنْهَبْ رِجْلَهُ الْيُمْنَى
 وَلْيُخْفِضْ رِجْلَهُ الْيُسْرَى۔

جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو
 کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھائے۔

حدیث نمبر ۱۷۰۔ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر بنی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَكُنْ أَحْفَظُكَ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلنَّشْتِ قَدْ فَرَضَ رَجُلُهُ الْيُسْرَى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا۔

میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو بائیں پاؤں بچھا یا۔ پھر اسی پر بیٹھ گئے۔

حدیث نمبر ۱۸۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا قَعَدَ لِلنَّشْتِ قَدْ أَصْبَحَ رَجُلُهُ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى عَلَى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ۔

جب حضور التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں بچھا یا اور دائیں پاؤں اس کے سینے پر کھرا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔

یہ اشارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قی نہیں معلوم ہوا کہ مراد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں۔ اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر پیر بن رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر پیر بن رکھ کر دونوں پاؤں واپنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر

وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح ہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہ بائیں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقدسوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

اعتراف نمبر ۱۔ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

کہ قاسم ابن محمد نے اون لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا دایا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بائیں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سر میں پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبد اللہ ابن عبد اللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔

أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْجُلُوسَ
فَقَصَّبَ رِجْلَهُ الْيُمْنَى وَشَقَّ رِجْلَهُ الْيُسْرَى
وَجَلَسَ عَلَى وَرَاقِهِ الْيُسْرَى وَلَمْ يَجْلِسْ
عَلَى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَرَأَيْتُمْ هَذَا عَبْدُ
اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَ شَيْئًا
أَنَّ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقْعَلُ
ذَلِكَ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں دایا ہی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبد اللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ سیدنا عبد اللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔

میں شہید ہوئے حضرت علی نے ہجرتِ قادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمر و خلافت سیدی کے بعد پیدا ہوا۔ پھر القادہ سے کیے۔ لا۔ ایسا جھوٹا آدمی سب کو قابل اعتبار نہیں۔ نہ اُس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابو حمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلے فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بائیں پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی دہائی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔ لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اعترض نمبر ۳۔ ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

ایک بار ابو حمید البواسید۔ سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید فرمائے گئے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی دکھنے کی انگلی اسے اشارہ فرمایا۔

قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَمِيدٍ وَالْبُؤْسَيْدُ وَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمَةَ فَذَكَرُوا صَلَوةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حَمِيدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْنِي لِلشَّهَادَةِ فَاثْنَانِ رَجُلًا الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِهِ الْيُمْنَى عَلَى قَبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ يَغْنِي سَبَابَةَ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر احتیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی احتیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری احتیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں ہے تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں ہے تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبضہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابو سعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو داؤد کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے ابداع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراف نمبر ۴۔ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قابل حجت نہیں (پرلہذا سبق)

جواب۔ کہ حنفی کو آپ اس منتر سے ڈر دیا کریں۔ حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ حنفی سمجھہ تعاطی اتنی حد میں پیش کرتے ہیں کہ اگر بعض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔
تو بھی قوی ہر جاویں۔ نیز امام اعظمؒ جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرمالینا ہی اس کو قوی کرنے
کے لیے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو ناٹیدیں ہیں۔ حنفیوں کی دلیل قول
امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔ سنت پر بھی اور اجتماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے
سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ
أَذِلَّةٌ عَلَىٰ مَا كُنْتُمْ كُفَرًا

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے
میں سے امروالوں (مجتہدین امت) کی

دسواں باب

بین رکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ ملعات
المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل
کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ
ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ
تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان میں پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان پچاس التیغیر مقلد
وہابی وہ فرقہ ہے۔ جسے نماز لاں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کہ تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر
سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے
ہیں۔ پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات
رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین

پہلی فصل

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

میں رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے
آئمہ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۵۔ ابن ابی شیبہ۔ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبد اللہ
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً
سَيِّدِي الْوُثْرُو ذَا الْكَيْفِ مَقِي فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح و بال باجماعت پڑھنا ارادہ ہے یعنی بغیر جماعت
تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہی معلوم
ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رعیت بھی دی۔
حدیث نمبر ۶۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي ثَمَنِينَ عَمْرًا
الْخَطَّابُ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعَشْرِينَ رَكْعَةً

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ تین رکعت
ہیں۔ اسی لئے کل تیس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷۔ بیہقی نے معارف میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ
أَرْبَعَةً وَالْوُثْرُو

حدیث نمبر ۸۔ ابن مینح نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ عَمْرًا بِنَ الْحَطَّابِ أَمَرَهُ أَنْ تَصَلِّيَ
بِالْبَيْتِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ
الْفَهْرَ وَلَا يُحِبُّونَ أَنْ يَفْرُغُوا فَلَوْ كُنَّا
عَلَيْهِمْ بِالْبَيْتِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا
شَيْءٌ كَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ
عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ حَسَنٌ فَصَلَّى
بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً

حضرت عمرؓ نے اونہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں
تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے
ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ
ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کر رات میں حضرت ابی
نے عرض کیا کہ اسے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس
سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔
لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو میں کچھ
پڑھائیں۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری
ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل
تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت۔ اہتمام بیشکی سنت فاروقی ہے۔
دوسرے یہ کہ میں رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے
تمام صحابہ کو میں رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں کسی نے اعتراض نہ کیا۔
تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی
باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروقی اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک
ہے واقعی یہ بدعت ہے گراچی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ ہم صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح
کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت کی۔
کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں
کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو میں رکعت
پڑھاؤ حضرت علیؓ اونہیں وتر پڑھاتے تھے۔
حدیث نمبر ۱۰۔ بیہقی شریف نے حضرت ابو الحسناء سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ
وَجَلَّا يَصَلُّونَ بِالنَّاسِ عَشْرِينَ رَكْعَةً
وَكَانَ عَلَى كُتُبِهِمْ

أَنْ عَلَى ابْنِ أَبِي حَالِبٍ أَسْرَرٌ جَلِيلٌ
يَا لِنَاسٍ تَحْسَبُونَ نَوَاحِيَّ عَشْرِينَ رُكْعَةً

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ
لوگوں کو پانچ ترویجے یعنی بیس رکعت پڑھائیں

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی اس حدیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو

ہماری کتابت المسابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ

کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب میں۔ ۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان
میں ہیں تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لیے لہذا آٹھ رکعت تراویح
بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع
کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں۔ کہ اتنی آیات پر حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے
تھے۔ اور سائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم
کے رکوع کل دو سو سولہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں ہیں بیس رکعت کے حساب
سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع
کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویجہ کی جمع ہے۔ ترویجہ ہر بار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر
راحت کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو پچ میں ایک ترویجہ ہوتا۔ اس صورت
اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء اُمت کا عمل۔ ہمیشہ سے قریب ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا۔
اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔
چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ
وَعَبْدِوَهُمَا مِنْ أَهْلِ حَتَّابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرِينَ رُكْعَةً وَهَذَا قَوْلُ

اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو
علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی
بیس رکعت تراویح اور یہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک

سُغَيَّانَ الْمُؤَدِّيَّ وَابْنَ الْمَدَائِدِ وَالشَّافِعِيَّ وَ
قَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَذْكَرُ لِمَنْ يَكُونُ
يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی
نے فرمایا کہ ہم نے کروالوں کو بیس رکعت تراویح پڑھنے
پایا۔

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۵۳۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْعٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ
وَبِهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَكَثُرُ
أَفْقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي ابْنِ
كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ
الصَّحَابَةِ

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی
جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوئی حضرات اور امام
شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی
صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس
میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَادِرُ أَجْمَاعٍ إِمَارُوتِي الْبَيْهَقِي
بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ كَانُوا يُقِيمُونَ
عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلَى
عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلَى عِشْرِينَ

میں بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔
کیونکہ بیهقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ
کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی
رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا
کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر مینی فرماتے ہیں۔

أَجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّارَوِيحَ
عِشْرُونَ رَكْعَةً

تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس
رکعت ہیں۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعت
تراویح حر بن زبیر میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقیل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح
قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حر بن زبیر میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب
بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ جس کا جی چاہے ہا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے

وہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمان کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالیٰ نفس امارہ کے پسندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ ادھام رکبکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔
اعتراض نمبر ۱۔ امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهُ قَالَ اَسْرَعَ اَبْنُ الْحُطَّابِ اَبِي
اَبْنُ كَعْبٍ وَتَمِيْمُ الدَّارِمِيُّ اَنْ تَقُوْمَا
بِلَنَّا اِسْ بِاِحْدَى عَشْرَةَ مَرَّةً اِلَى

وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر

تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بناؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف میں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر موزی

نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبد الرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح البہار شریعہ بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ مطبعہ خیر مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لیے ایسی واهیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لیے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ الْقَادِي يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانٍ رَكَعَاتٍ فَإِذَا أَقَامَهَا فِي اثْنَيْ عَشَرَ رَكَعَةً دَأَى النَّاسُ أَنَّهَا قَدْ خَفِيفَتْ

فاروقی آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہو گئی۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ثَبُتَ الْعِشْرُونَ فِي ذَمِّنْ عُمَرَ وَفِي الْمَوْطَأِ رِوَايَةٌ بِأَحَدِي عَشْرَةً رَكَعَةً وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا أَنَّهَا دَعِمَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرِينَ فَإِنَّهُ الْمَثْوَرُ ثَبُتٌ۔

ہاں بیس کا حکم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے نو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار دیا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعترض نمبر ۲۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمرؓ نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا اختلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں مگر صحابہ کو اس اُتار دیا کہ صریح حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جہالت بھی باقاعدہ

ہمیشہ نہ کرائی۔ وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ پس کی سند مل جانے پر پچیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعترض نمبر ۳۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المؤمنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُنِي فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشَرَ رَكْعَاتٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر میں پڑھتے تو

کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں۔ تاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المؤمنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان و دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اس ہی لئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ ایل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اسے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا جس سے معلوم ہوا کہ

یہ نماز سہرا کے آخر رات میں سوکر اٹھ کر ادا فرمانے تھے۔ تراویح سوئے کے بعد نہیں پڑھی جاتی تھی۔

تفسیر یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میں تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم میں رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

دہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے دہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں
بتاؤ۔ ۱۔ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے میں رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی ادنیٰ نہیں خبر نہ تھی۔ آج قریب چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

۲۔ اگر لغو باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا کیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم ہی کو کبھی پتہ ہوئے اور متبع سنت بھی۔

۳۔ اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے ایک سنت رسول کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے ایسے اٹری چوٹی کا زبانی و قلبی ہدفی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

۴۔ وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم میں رکعت تراویح پڑھ کر۔ پڑھو اگر یا جاری ہونے ہوئے۔ دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا لغو باللہ گراہ۔ اگر آج حنفی میں رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اہل بدعت ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتوے ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تمہاروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حنین طبعین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر میں تو تم آج نجدی دہائیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر چلاوت ہے۔ تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بطل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعتیہ کی روایت صحیح کیونکر ہو سکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔
اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ۔

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو حیرانت اور شہداد علی الناس کیوں فرمایا؟

امید ہے کہ حضرات دہا بیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ۔ ہم ساری دنیا کے دہائیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں جس میں صراحتہ مذکور ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دیکھا سکو گے۔ صرف ہند پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ واللہ رب العالمین۔

لطیفہ غیر مقلد دہائی جب کبھی حقیقوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ

لیتے ہیں۔ جس کا بار بار مشاہدہ ہوا۔ اور جو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

گیارہواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لیے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کارِ ثواب کو بدعت حرام۔ بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثواب ہے۔ ولأول لاخطہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَتَّبِعُ مَنِ اتَّبَعَ اللَّهَ مِنْ أَمَنٍ | اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا۔ عمدہ چٹایاں۔

فرش وغیرہ بچانا وہاں روشنی چرغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے جس کی روشنی میں میدوں تک عورتیں چہرہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں روشنی چرغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَوَّلُ مَنْ اسْتَرْجَحَ فِي الْمَسَاجِدِ تَعِيمُ الدَّارِیْ | وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چرغاں جلاتے وہ تعیم داری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ میں چرغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تعیم داری نے وہاں چرغاں کیا۔

(۳) ابو داؤد شریف نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْتِنَا فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْتُوه فَصَلُّوْهُ وَكَانَتْ الْبِلَادُ فِي ذَلِكَ جَبْرًا فَإِنْ لَمْ يَأْتُوكَ وَفَصَلُّوْهُ فَابْعَثُوا بِزَيْتٍ يُسْرَجُ فِي قَنَادِيلِهِ۔ | انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہر وہاں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیج دو۔ کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضور نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے جو تھے یہ کہ مسجد میں چرغاں کرنے کے لئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ سے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا ابْنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا
 فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَّقَ فِيهِ قِنْدِيلًا هَلَّى
 عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُنْطَفِئَ
 ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ۔

کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے
 جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے
 گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعا و رحمت کریں گے۔
 جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَنْ عَلَّقَ فِي مَسْجِدٍ قِنْدِيلًا هَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ
 أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يُنْطَفِئَ ذَلِكَ الْقِنْدِيلُ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسجد
 میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعا
 رحمت کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔

معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے۔ ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب
 ہے۔ خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شاپین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔
 قَالَ خَرَجَ عَلَيَّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي أَوَّلِ
 لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقَنَادِيلُ تَرَهُّدُ
 كِتَابُ اللَّهِ تَشْلَى فَقَالَ نَوَّرَ اللَّهُ لَكَ يَا
 ابْنَ الْخَطَّابِ فِي قَبْرِكَ كَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ
 اللَّهِ تَعَالَى بِالنُّقَرِ آيَنَ۔

فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی
 اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگ رہی
 تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے
 عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم
 نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے نفقہ روشن کر دیا۔

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المؤمنین علی رضی

اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔
 أَنَّهُ قَالَ نَوَّرَ اللَّهُ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا
 نَوَّرَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے
 جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہے۔ حضرت صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس انہیں دعائیں دیں۔ یہی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ درپردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبر میں تاریک کر رہے ہیں۔

۸۱ قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُئِلَ فِي خَرَابِهَا | اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی یاد آبادی میں کوشش کرے

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عقاب ہے۔ جو مسجدوں میں نماز۔ ذکر الہی۔ تلاوت قرآن نعت خوانی سے منع کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی عقاب ہے جو مسجدوں میں چٹانیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقع پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجد کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و باہیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں

منع فرمایا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔
 کَلَّا إِذَا شَرَّ بَوَادُ لَا تَسْبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ
 لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔

کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ
 تعالیٰ فضول خرچی کو پسند نہیں فرماتا۔

جواب۔ مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے
 جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے۔ جو عبادت اور
 باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور
 بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب۔ جب ایک قیض و پاشجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ اچکن واسکٹ
 پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیے کہ
 دو روپے گز کی ٹمبل۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو
 سکتی ہے۔ تو وہاں صد ہا روپیہ خرچ کر کے بجلی فٹنگ کرانا۔ اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیے
 جب تھوڑا گلاس سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلک سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا
 چاہیے۔ جناب ایک دیشے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و
 رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
 زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم حضور سے افضل ہو یا دین کے زیادہ
 ہمدرد ہو۔ جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب۔ اگر واسکٹ۔ اچکن اعلیٰ درجہ کی ٹمبلیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ
 وسلم نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور نے نہ کیا وہ اسے وہاں جو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھر میں
 میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں بھرتے ہو۔ جناب حضور کے زمانہ شریف
 میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہاں وہاں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقع ہی نہ
 تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین

تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیے۔ یہ سچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو
جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے۔ ایسے ہی حضور کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لیے نیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اختصار صفحہ نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ
مَا أَوْثَرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا حضرت
عَبَّاسٍ لَمْ تَزَحْرِفْنَهَا كَمَا زَحَرَفَتِ الْيَهُودُ ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح
وَالنَّصَارَى۔ آراستہ کر دو گے۔

اس حدیث سے یہی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجادت ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے۔ تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمانؓ کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ اِنْجَمَ اَيْحَمَرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الْيَوْمَ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ ایمان ہر زینت کی مخالفت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لئے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے

تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے فیے نہ ہو دیکھا دے اور نام و نمود یا کاری کے ایسے جو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت و چراغانی صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے ایسے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراف نمبر ۵۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى
 النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ
 وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا
 یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں
 میں فخر کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔
 جواب۔ اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراف نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلے والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے بناب فخر دیا کہ ایسے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر سجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں مارا کریں گے۔ یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنی ہوں جو ہم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بُری نہیں۔ علیہ السلام کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور صبحی علامت قیامت ہے۔ مگر بُرا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراف نمبر ۶۔ مسجدوں میں چراغیں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔
 جواب۔ یہ غلط ہے۔ یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں۔ بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اسی جبار الحق کے

پہلے حصہ میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کل وہ نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

بارہواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں کبھی دو میں کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تلاویج میں ختم کرتے ہیں بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حرف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی اور کسل سے پڑھے۔ مگر بغیر مقلد و بانی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سنیادیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اون پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث عقل بلکہ خود دہائیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سو کچھ رات کے آدمی رات یا اوس سے کچھ

يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ مِمَّنْ قَلِيلٌ لِّلْغَيْلِ أَكَلْتُ لَيْلًا فَفَصَلِّ
أَوْ الْقَصُّ مِنْهُ أَوْ نَزِدْ عَلَيْهِ وَرَمَيْتَ

النَّشْرَانِ تَسْرُتِيْلًا

کم کر دیا اس پر کچھ بڑھا اور قرآن غیر تغیر کر پڑھو۔

اس آیت کریمہ میں حضور کو قریبا تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شرفِ اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ اب جو شخص شعبینہ میں تمام رات جاگے۔ بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عمل ہے۔ مگر چاہیے یہ کہ شعبینہ وہ پڑھے۔ جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ جیسا کہ تریل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس میں نمازِ خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِيَامِ
سُورَةِ الْبَقَرَةِ۔

حضور نے گھر کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریبا سورہ بقرہ کی بقدر۔

معلوم ہوا کہ حضور نے گھر کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرات کی شعبینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے۔ جب ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا پابجہ اونٹے جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلَّى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِمْ الْبَقَرَةَ
وَالْاِنشَاءَ وَالْمَاءِثَةَ
وَالْاَنْعَامَ

حضور نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں۔ جن میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور سورہ نساء اور مائدہ و سورہ النعام پڑھیں۔

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریبا آٹھ پارہ پڑھے یعنی فی رکعت قریبا دو پارہ شعبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراۃ نہیں ہوتی۔ ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضور نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ دم

مبارک پروردگار کیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی شفقت
کیوں کرتے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کی امت
کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا
میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔

حَتَّىٰ تَوَسَّعَتْ قَدَمَاهُ فَفِيلٌ لِّدِيْمَا
تَصْنَعُ هَذَا اَدَقُّ غَفَرَ لَكَ مَا تَقْدِمُ
مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا نَاخَرْتَ اَلْاَفْلَا
اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں شفقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام
ہے۔ اگر کسی شعبہ میں کسی مومن کے پاؤں پر دردم آجھاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت
نصیب ہو گئی۔ وہ جیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے
ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيْمُ الدَّادِيُّ يُحِبُّ اللَّيْلَ
كَلَّمَ بِالْقُرْآنِ اِنْ كَلِمَةً فِي رُكْعَةٍ

شعبہ میں تو میں رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری صحابی
رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ
اَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ

(۷) حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبد الرحمن تمیمی سے روایت کی۔

قَالَ لِيْ اَبِيْ اَعْلَبُ بْنُ اللِّسْلَةِ عَلٰى الْمَقَامِ
فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَمَّةَ تَخَلَّصْتُ
اِلَى الْمَقَامِ حَتَّى قُمْتُ فِيْهِ فَبَسَيْتَا
اَنَا فَاقَامْتُ اِذَا رَجَلٌ وَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ
كَتِفَيَّ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ
فَبَدَأَ بِآيَةِ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَلَّمَ

مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات
مقام ابراہیم پر جاکوں گا جب میں نماز عشاء پڑھ
چکا۔ تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ
اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ
رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے
آپ نے سورۃ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ پس

الْقُرْآنَ فَرَكَمَ وَسَجَدَ ثُمَّ أَخَذَ لَعْلَهُ
فَلَا أَدْرَى أَصَلَّى قَبْلَ ذَلِكَ شَيْئًا
أَمْ لَا۔

پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا۔ پھر
کھڑکایا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف
اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں

(۸) حدیث ابو نعیم نے علیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ اسْوَدُ يَخْتُمُ الْقُرْآنَ فِي مَرَمَضَانَ
فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ
وَالْعِشَاءِ۔

کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں
ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور
مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ
الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ فِي الْبَيْتِ

حضرت سعید ابن جبیر حجازی نے بیت اللہ شریف
میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگ نماز پڑھنا۔ روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں
پر روم آجاوے۔ ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور
ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے۔ جو شبہ کو
حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جال ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۴۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان
فرمایا۔

فَخَتَمَهُ جَمَاعَةٌ فِي يَوْمٍ وَبَلِيَّةٍ مَرَّةً
وَأَخْرَوْنَ مَرَّتَيْنِ وَأَخْرَوْنَ ثَلَاثَ
مَرَّاتٍ وَخَتَمَهُ فِي رَكْعَةٍ مَنْ لَا
يُحْصُونَ كَثْرَةَ

ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا
ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک
رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے
شمار ہیں۔

عقل کا تقاضا۔ بھی یہی ہے کہ شبہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر
مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا۔ عذاب
نہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف

کی تلاوت بھی کرے اور سجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر وہ نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر سچائے نیکیوں کے اولنا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعموز باللہ ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعموز باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول دہا بیر پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ :- وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود اُن سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے لعن طعن کرتے اور اُن کی جناب میں گالیاں دے رہے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بلو کہ تم ہمارے اسماعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرسے۔ وہ مباح ہے۔ جواب دو۔

دوسری فصل

شبیہ پر اعتراضات و جوابات

شبیہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو شوبھے نہیں۔ ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَدَيْتِلَ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا

قرآن شریف کی تلاوت ٹیڑھ ٹیڑھ کر کرے۔

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا

تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سوا، یعلوم، تعلیم سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شعبہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے باقی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ بناؤ وہ ٹھیک پڑھتے تھے یا یعلوم تعلیم وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔ حضرت واؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے حضرت عثمان غنی تمیم داری۔ عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خسوف میں ایک رکعت میں دو صاف پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔ بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلوم تعلیم ہی سمجھ میں آوے گا۔ شعبہ صرف پہلی قسم کے حافظ پڑھیں دوسری قسم کے حافظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے۔ آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ حدیث ترمذی۔ ابو داؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی مشکوٰۃ باب تلاوة القرآن

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهُ مِنْ قِرَاءِ الْقُرْآنِ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ

بیشک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔ وہ قرآن نہ سمجھے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ پورا قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شعبہ بالکل منع ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین

شب کاشبہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی۔ دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اس زود میں آجاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو۔ جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تفسیر سے یہ کہ سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی۔ کہ علی العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔ تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بنی سے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی پتے اس حدیث کی شرح میں مرقات و لمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں تین ختم کرتے تھے۔ بعض حضرات آٹھ ختم فرمایتے تھے اور شیخ ابوہریرہ مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آئے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا۔ و مرقات جلد دوم صفحہ ۲۱۹ باب تلاوت القرآن میں ہے،

وَالْحَقُّ أَنَّ ذَٰلِكَ تَحْتَلِفُ بِالشَّيْءِ | معنی یہ ہے کہ یکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے
اختر احض نمبر ۳۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَأَقْرَأَنِي كُلَّ سَبْعٍ لَيْلٍ وَلَا تَزِدْ | ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ
عَلَى ذَٰلِكَ (مشکوۃ صوم تلوۃ) نہ کرو

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرو نے حضور سے جملہ ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور نے اذلا تو حکم دیا کہ ایک ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہذا شعبہ منع ہے۔

جواب سرکار کا یہ جواب سیدنا عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ وہ ایک دور رات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر سال ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک

ایک قرآن پڑھا ہے اور نہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔
 اعتراض نمبر ۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیئے۔

جواب۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجوہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اول حیات شریف میں پورا قرآن اُترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم فرمایا تاکہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ شبینہ سنت صحابہ ہے جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ وہی ثواب ملے گا جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵۔ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سُست بیٹھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لئے شبینہ بند ہو جانا چاہیئے۔

جواب۔ یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سنتے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سنا کافی ہے اور اگر بغیر محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُستی دور کرو، شبینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتش بازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور نے کعبہ نہ ڈلایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب نبیوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتاب گھس جاوے، تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کُتے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھٹک لپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئی ہو جاوے، تو یہ کیڑے مار دو، سپار پائی یا کیڑے یا بالوں

کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے غریباں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے ساری امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف، ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارے جواب یاد رکھا، تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لئے کر دی کہ آجکل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے بڑے ہوشے ہیں، جہاں رضائی شریف میں کسی سبکہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دلو بند ہی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

تیرہواں باب

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو، اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہو تو اسے چاہیئے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھے بشرطیکہ جماعت مل جائیگی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

وہ اپنی والد حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ

عَنْ أَبِيهِ حِينَ دَعَاهُمْ سَعِيدُ
ابْنُ الْعَاصِ دَعَا أَبَا مُوسَى وَحَدَّثَهُ
وَعَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مَسْعُودٍ قَبْلَ أَنْ

فَيَصِلُ الْعَدَاةُ ثُمَّ حَرَّجُوا مِنْ عِنْدِهِ
وَقَدْ أَقِمَّتِ الصَّلَاةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللَّهِ
إِلَى أَسْطَوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى
الرَّكَعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

تیسری

حضرت مذاہد اور عبد اللہ ابن مسعود کو بلایا نماز
فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن
عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی
تکبیر ہو چکی تھی حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک
سنوں کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں
پھر نماز میں شامل ہوئے۔

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے جو فقہہ صحابی ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت مذاہد
کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور
اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام
طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور
صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے
(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ
الْعَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ
وَالْإِمَامِ نَاصِرِ بْنِ عُمَرَ
فَدَخَلَ فِي الصُّفِّ وَأَمَّا ابْنُ
عَبَّاسٍ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ
مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ
قَعَدَ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى
طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكَعَتَيْنِ

وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن
عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد
میں گیا۔ حالانکہ امام ناصر بن عمر
ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن
حضرت ابن عباس نے اولاً دو سنتیں پڑھیں
پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب
امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے
جب سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نقل پڑھیں

حضرت عبد اللہ ابن عباس نے جو بڑے فقہہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے
ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں
پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرت ابو عثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ
وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْعَدَاةِ ذَلِكَ
يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى ابْنُ
عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلَفَ
الْإِمَامَ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمَا۔

کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس
حال میں آئے کہ امام نماز فجر میں تھے۔ اور
حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر پڑھی
تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور، دو
رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَوَّجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهِ
فَاقِيَمَتِ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَرَكَمُ رَكْعَتَيْنِ
قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ
فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ
فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے
نکلے اور نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے
مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں
حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے
اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبد اللہ سے روایت کی۔

عَنْ أَبِي التَّوَدَاءِ أَنَّهُ كَانَ
يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ
مُقِفُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَيَصَلِّي
الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاجِيَةِ الْمَسْجِدِ
ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ

کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں
تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر
میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد
کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے
تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا فِي عَمْرٍاءِ بْنِ الْخَطَّابِ
قَبْلَ أَنْ نَصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ
الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَنَصَلَّى
رَكْعَتَيْنِ فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ

فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس
سنت فجر پڑھنے سے پہلے آئے تھے۔
حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے۔ تو ہم
مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے

لَمْ يَدْخُلْ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوتِهِمْ -

تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْخَسَنُ يَقُولُ يُصَلِّيهِمَا فِي تَاجِئَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوتِهِمْ -

کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھتے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے۔

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

يَقُولُ أَتَقَطُّ ابْنَ عُمَرَ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُتِمَّتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكَعَتَيْنِ -

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالبن عمر کو نماز فجر کے لیے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوقٌ يَخِيُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ رَاكِعًا لَكُنِيَ الْفَجْرِ فَيَصَلِّي الرَّكَعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوتِهِمْ -

حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتی تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

لَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْأَمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ -

کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

۱۸۱۵۱۱ کُمْ یَسْکُنُ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْئٍ مِنَ النَّوْاِفِلِ اَشَدُّ
تَعَاهُدًا اِمْنًا عَلٰی دُعَیِّ الْفَجْرِ

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جتنی نیکیاں دیا ہندی
سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت
کی نہ فرماتے تھے۔

اور احمد طحاوی، ابو داؤد شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

۱۸۱۶۱۶۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّی
اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوا دُعَا دُعَیِّ الْفَجْرِ
وَإِنْ كُتِرَ وَتَكْمَلُ الْخَیْلُ۔

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سنت
فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کہ لشکر بگاڑا
ہو۔

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر ہر جائیں فرض پڑھ لیتے جاویں تو ان کی فضا
نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیتے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے
اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت
کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت نموکہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو
نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے
دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں
جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل
نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں نموکہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں، اور سنت عصر و عشاء نموکہ
نہیں غیر نموکہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر نموکہ بھی ہیں۔
اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے لیکن
اگر جماعت نہ مل سکے، تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے۔ واجب
سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں، وہ مع جوابات نہایت دبا اندازی سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا، تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ۔
آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر جو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر جو پچکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر جو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھو، اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو، تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا ٹوڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مزروع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا فرمان ہے، جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت

فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے، لہذا ان کا عمل و قول حضرت ابوہریرہؓ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر شہر شخص عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے، اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی ہو، اور جماعت فجر قائم ہو جاوے، تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے درجہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنی یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا غرایبان لازم نہ آویں، حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ یہی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ	جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے
اِلَّا الْمَكْتُوبَةِ اِلَّا مَا كُنْتُمُ الْفَجْرِ	فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت
(از حاشیہ طحاوی)	فجر کے

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، یہی کیا یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ مؤکدہ سنت ہے، یہ تاویل اس لیے ہے، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن سحینہ سے روایت کی۔

قَالَ اُقِيْمَتِ صَلٰوةُ الْفَجْرِ فَاتَى	کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور صلی
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو سنت

عَلَى رَجُلٍ يُصَلِّي رَكَعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَا تَرَى النَّاسَ فَقَالَ أَتَصَلِّيَهَا أَرْبَعًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -

فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحتہ ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے

جواب۔ یہ صاحب مالک ابن یحییٰ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل، یہ واقعی کمرہ ہے، اسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن یحییٰ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو

ثَقَنَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بَحِينَةَ وَهُوَ مُتَّصِفٌ ثَمَّةً بَيْنَ يَدَيَّيْهِ إِذِ الصُّبْحُ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوا هَذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ قَبْلِ الظُّهْرِ بَعْدَ هَذَا اجْعَلُوا بَيْنَهُمَا فِصْلًا

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہی ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کہ اغتراسی اصل سے ہی غلط ہے۔

اغتراسی نمبر ۳۔ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لیے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان دکا رسوا اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآن خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے، تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے۔ ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو، تو مصیبت آجاد سے بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں، یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے۔

جواب۔ یہ مخالفت جب ہوگی۔ جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاوے اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورہ جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی

سباویں تو کوئی حرج نہیں۔

چودھواں باب

نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد و باجی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور اجماع و روایت صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد و باہیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عدا کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
كِتَابًا مَوْقُوتًا۔

مسلمانوں پر نماز فرض ہے۔ اسے
وقت میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن کو یہ حکم

ہے کوئی ہو۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَوْلُ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝
خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے، بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کر نیک حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صبح پڑھے، صبح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزرا کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ۴۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا
قرآن ان متقی لوگوں کے لیے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دینے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اس کے وقت پر پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنَا الْأَهْمَالُ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ

فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت

قَالَ الْمَسْأَلَةُ يَوْ قَتْلَ قُلْتُمْ ثُمَّ أَعَى
قَالَ يَرْوَاهُ الْوَالِدُ بَيْنَ قُلْتُمْ ثُمَّ أَعَى
قَالَ الْجَهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ
حَدَّثَ شَيْئًا يَهْتَنُّ وَيُؤَسِّرُ زَوَدَتْ
كَزَادَتْ

پرتماز پر صحن میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا،
ماں باپ کی خدمت میں نے عرض کیا پھر
کونسا عمل فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے
ہیں کہ حضور نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر
زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

نمبر ۱۰۱۔ احمد، البراء، مالک، انسائی نے حضرت عباد بن صامت سے روایت کی
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ
اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنَ وَضُوءٍ هُنَّ
وَصَلَاةٍ يَوْ قَتْلَهُنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعٍ
هُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ كَانَ لَهُ
عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ
يَغْفِرَ لَهُ الْخَطِيئَةَ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو
مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور
انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع
اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ
کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش
دے۔

نمبر ۱۰۲۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخَّرُهَا أَصَلَاةٌ
إِذَا أَنْتَ وَالْجَنَازَةُ إِذَا أَحْضَرْتُ
وَالْأَيْمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب
آجیاو سے اور جنازہ جب موجود ہو
رکعتی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

نمبر ۱۰۳۔ احمد، ترمذی، البراء، مالک، انسائی نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔
قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ
قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا

فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے
فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب ہے

نمبر ۱۰۴۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ النَّافِقِ يُجْبِلُ وَيَرْقُبُ الشَّيْطَانُ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْئِي الشَّيْطَانِ قَامَ فَتَقَرَّبَ إِلَيْكَ كَمَا كَرِهَ إِلَّا قَلِيلًا

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زور ہو جائے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چوہے مارے جن میں رب کا ذکر نہ ہو اگر

اس قسم کی احادیث بشمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عقاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر جو گھر سے دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی عذر، صرف نفس امارہ کا دھوکہ ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

عقل کا تقاضا ہے۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھنا ہے ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے

وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے، تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا، بلکہ ہر مسلمان کے لئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لئے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ بہر حال میں ہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَتْ عَلَى ظَهْرِ سَبِيلٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔

یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث وہابیوں

کی انتہائی دلیل ہے، جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب میں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابو داؤد و شریف اور طحاوی شریف وغیرہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سفر بغیر خوف کے منیہ منورہ میں بھی ظہر و عصر، ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد و شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

ابن عباس نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر مغرب و عشاء منیہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے۔

قَالَ جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ۔

بلکہ اسی ابو داؤد و طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور منیہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد و شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منیہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء،

قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا۔ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔

تو اسے دہرایو، تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ روافض کی طرح سات سات، آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت

میں، لہذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔
 تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے
 تھا، ضرورت پر بہت سی منورہ چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورتہ تھا، حقیقتہً نہ
 تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت
 میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عشاء اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا، کہ حضور علیہ
 السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقتہً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی
 ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں۔ اس صورت میں
 اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے
 پہلی فصل میں پیش کیں۔

یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی والبو داؤد نے روایت کی۔ جس میں فرمایا
 گیا کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرماتے تھے
 وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورتہً
 جمع فرمائیں، تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و
 عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورتہً تھی نہ کہ
 حقیقتہً لہذا سفر میں بھی جائز تھی، اور حضر میں بھی، بیان جواز کے لیئے، حدیث سمجھنے کے
 لیئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی چاہیئے جس
 سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کیئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث
 سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔
 حدیث نمبر ۱۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَانَ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ
يُؤَخِّرُ هَذِهِ فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعِجِّلُ
هَذِهِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا -

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب و
عشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب
اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے
اور عشاء اس کے اول وقت میں -

حدیث نمبر ۲ - بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت
کی جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں -

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ يَقْعَلُهُ
إِذَا أَحْجَلَهُ السَّيْرُ يَقِيمُ الْمَغْرِبَ
فِيصَلِّيَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَمَا
يَلْبِثُ حَتَّى يَقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيَهَا
رَكَعَتَيْنِ -

عبد اللہ ابن عمر بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل
کرتے تھے کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو
مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے
پھر سلام پھیرتے پھر قنوتری دیر ٹھہرتے پھر
عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے

حدیث نمبر ۳ - نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی -

قَالَ أَقْبَلَهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ
فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةُ سَارَيْنَا حَتَّى
أَمْسَيْنَا فَظَنْنَا أَنَّهُ نَسِيَ الصَّلَاةَ
فَقُلْنَا لَهُ الصَّلَاةُ فَسَكَتَ وَسَارَ
حَتَّى كَادَ الشَّفَقُ أَنْ يَغِيبَ ثُمَّ
نَزَلَ فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ
ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هَكَذَا كُنَّا
نَصْنَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ -

فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر
کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ
چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی، ہم سمجھے کہ
حضرت عبد اللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا
کہ نماز پڑھ لیجیے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک
کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہو گئی تو اترے اور مغرب
پڑھی، شفق غائب ہو گئی تو نماز عشاء پڑھی پھر
ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور کیساتھ
بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی -

اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں صراحت ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب
و عشاء صرف سورۃ جمع کی جاویں گی، اگر مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے

اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو، تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا جنہیں کی توجہ بہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے۔ اور دیگر احادیث بھی دہائیوں کی توجہ بہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اسے دہاؤ! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے سحالت اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع سواری مراد لیتے ہو تو یہاں جمع تحقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔ اعتراض نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

<p>فرماتے ہیں، کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔</p>	<p>قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔</p>
--	---

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلَى الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب۔ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، الی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزل فرماتے تھے، غایت معنی سے خارج ہے۔ نہ کہ داخل عصر تک ٹوخر فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک ٹوخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہذا جمع سواری مراد ہے نہ کہ جمع تحقیقی۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عَشِدَّ غَيْبُومَةِ الشَّفَقِ
نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ زَايِلَتْ
رَسْمُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَوَسَّكُمُ
هَكَذَا إِذَا اجْتَبَيْتَ بِهِ السَّيْرُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ
شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے۔
پس مغرب و عشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے
حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں
جلدی ہوتی۔

اس حدیث میں صراحتہً مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما شفق غائب ہونے کے وقت اترے
یقیناً آپ نے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے معنی یہ کہ شفق غائب ہونے
کے بعد اترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب
ہوئی تب اترے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آگیا۔ عشاء پڑھ
لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں
جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث
تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ غرض کی حالت میں
بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں توین ذی الحجہ
کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ ظہر کے وقت میں عصر اور دو سوین ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں
مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں۔ حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز
کہتے ہیں۔ جب حج کے موقع پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت
میں جمع ہو گئیں۔ تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں۔ تو کیا حرج ہے۔ اسے حنفیہ و ائمہ قرآنی آیت اور یہ
اس حدیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب۔ جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ نہ مزدلفہ میں مغرب
عشاء کے وقت میں۔ بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت
عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع

ہوتا ہے۔ اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ اٹھیں۔ بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں، تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور البیاس کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے۔ بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے، اور عشاء اپنے وقت میں، تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلکہ اہمیت بجا کر کہتے ہو: معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا۔ بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ لہذا مساجدوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں، نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔

جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے۔ اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیہ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو۔ ان شاء اللہ وہاں لطف آجاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا۔ کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے

دہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اُن کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو اسی مذہب حنفی پر قائم رکھے۔
 ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب^{۱۵}

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شرعیعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں۔ لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لیے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے۔ مسافر بن گئے۔ ایک آدھ میل سیر و تقریب کر کے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے۔ اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے۔ یعنی سبائے چار کے دو پڑھے۔

یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔ غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طہیین میں نجدیوں کی حکومت ہے۔ نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے۔ حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل

ہے۔ اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا۔ اس لئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقع پر یہ چاہیے کہ ذی الحجہ کی آمدت تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۰ میل دور نکل جاوے۔ پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اوس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہیے۔ اس باب کی بھی ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔ اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں۔ نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ ولائل حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحَرٍّ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو ایک سفر کرنا حرام ہے۔ ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ اسی سفر کی مدت حضور نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

(۲) حدیث مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حضور صلعم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لیے ایک دن رات۔

قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمَقِيمِ۔

حدیث نمبر ۳۹ - البراد و نسائی - ابن حبان - طحاوی - ابوداؤد - طرابلسی طبرانی ترمذی
نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں حضور نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر
صبح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور
مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسِيرِ عَلَى الْخَفِيفِ لِلْمَقِيمِ
يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ
وَلَيَالِيَهُنَّ

حدیث نمبر ۴۰ - اثرم نے اپنی سنن میں - ابن خزیمہ دارقطنی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ
عندہ سے روایت کی۔

وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
کہ حضور نے مسافر کیلئے تین دن تین رات تک
صبح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک
دن ایک رات جبکہ مسافر کے موزوں پہنے ہوں۔
خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ
رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ
وَلِلْمَقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ وَلَبَسَ
خَفِيفَهُ أَتَى مَسِيرَهُ عَلَيْهِمَا وَقَالَ الْغَطَابِيُّ
وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر ۴۱ - ترمذی - نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے
تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے
موزوں سے تین دن تین رات نہ

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَافِرًا
أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ
وَلَيَالِيَهُنَّ (مشکوٰۃ)

اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزوں پر صبح کرنے کی
اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت
بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً اگر
وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر باکر مسافر بن جاویں۔ تو تین
دن صبح کر کے دکھاویں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت

سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ لہذا تین دن سے کم سفر میں سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے

حدیث نمبر ۱۶۔ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والہی سے روایت کی۔
 قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ أَيْ كَمْ تَقْصُرُ الصَّلَاةَ فَقَالَ الْغَرْفُ السَّوِيَّةُ اءِ قُلْتُ لَا وَالْكِنِّي قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ فَوَاحِدَةٌ فَإِذَا أَخْرَجْنَا إِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلَاةَ۔
 فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے فاصلہ کی رفتار سے، فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جاؤں تو قصر کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا الصَّلَاةَ فِي أَذْيٍ مِنْ أَرْبَعَةٍ بُرْدٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ۔
 بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے

حدیث نمبر ۱۸۔ موطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔
 أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحَجَّةَ قَالَ يَحْيَى قَالَ مَا لَكَ وَذَلِكَ أَرْبَعَةٌ بُرْدٍ۔
 کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور ہجہ کی برابر فاصلہ میں بھیجے فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ امام شافعی نے بہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

أَنَّ سُبُلَ الْقَصْرِ الصَّلَاةِ إِلَى عَرَفَةَ
قَالَ لَا دَلِيلَ لَكُنِ إِلَى عُسْفَانَ وَإِلَى جَدَّةَ
وَالِى الطَّائِفِ مَرَدَاةً إِلَّا مَا مَامُ
الشَّافِعِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ
صَحِيحٌ

~~~~~

حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا  
عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر  
کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے  
گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام  
شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد  
صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۱۔ امام محمد نے موطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔  
أَنَّكَ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرَكِيِّ  
فَلَا يَقْصِرُ الصَّلَاةَ۔  
کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک  
برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵ میل ہوتا ہے۔ یعنی ۳۶  
کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ در نہ اس کے متعلق بہت احادیث  
وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم  
ہوگا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے پیار برید  
فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں۔ سب اکرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی  
زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عید گاہ  
چراگاہیں گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس  
جگہ سیر و تفریح کے لیے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا  
جاوے تو چاہیے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جاسکے۔ کیونکہ عورت  
کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسج کر سکتا  
ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ تو چاہیے کہ سفر  
کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو۔ جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر  
مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے۔ اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر ائمہ اصناف و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے۔ جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالدِّينِيَةِ اَرْبَعًا وَصَلَّى بَيْنَی الْحَلِيفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔  
 کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر دینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور فی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

دیکھو ذوالحلیفہ دینہ منورہ سے صرف ۲ میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب :- اس حدیث میں سیر و تفریح کے لئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکارِ بارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے۔ لہذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا۔ صلی الظہر ایک بار یہ واقعہ ہوا۔ کَانَ یُصَلِّیْ نَہْ فَرَمَا جِس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو موطا امام مالک اور موطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مَعْتَصِرًا قَصَرَ الصَّلَاةَ۔  
 کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے تھے یا حج یا عمرہ کرتے تھے۔ تو

رَبِّدَى الْحَلِيفَةِ۔

ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی نماز قصر پڑھے گا۔ اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعترض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے یہ سلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تَوَمَّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کیئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دور جانا حرام فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ سفر کے لیے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل و میل سیر و تفریح کے لیے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں۔ تین دن والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی۔ تو ایک دن والی حدیث منسوخ ہے۔ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث سچے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے۔ اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہذا تین دن کی روایت بہ

ہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لیے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ یہ ہر سال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ تو بتاؤ موزوں پر مسج کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی۔

جواب۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شرعیات میں سفر پیلی یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے۔ تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسج کا قانون حادی اور جاری ہونا چاہیے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے۔ لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

## سو پچواں باب

### سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت، وتر و نحر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے۔ وہ ہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد و تابعی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں۔ نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ



کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرمادے۔

## پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُصَلِّي عِبَادًا إِذَا

صَلَّى

کیا آپ نے اُس مُردہ کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالیٰ کو بہت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو اسے نہ روکنا کہ اس آیت کی زد میں نہ آجاؤ۔ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ تباہ و دشامی وغیرہ اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہیے جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لٹنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ نماز ہی تو ہے۔ اس سے اتنی چڑکیوں سے۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ يَوْمٍ هَمًّا

مَشَايِمٍ مَّتَابِعًا لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

أَشِيمٍ۔

اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل۔ چنل خور۔ بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینا۔ جوئے اور شراب سے نہیں چڑنے پڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان الا

بات ہرگز نہ مانے۔ اس آیت پر عمل کرے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں ابھی باتوں کا حکم دیں۔ بڑی باتوں سے روکیں۔

الَّذِينَ إِذَا مَلَكَتْهُمْ فِي الْأَرْضِ أَخْلَافُوا  
الْمُتْلُوَّةَ وَأَمْرُؤًا بِالْمَعْرُوفِ  
وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اگر خدا نے کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں۔ سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میاں دشریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چیزوں کا حکم دیں؛ گزرے کنوؤں سے و منور کرنے کا۔ کتے خیسے کھانے کا لڑکے پشیاں اور مٹی کے پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث ۴۷۵۔ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے قریب اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهُ هَاتِيكَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهُ هَاتِيكَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُعْمَلْ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكْعَاتٍ وَلَا يُنْقِصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وَتُرْتَبِّعُ النَّهَارَ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔  
وَصَلَّيْتُ الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا

حضور علیہ السلام نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھی

۱۔ اسکے بعد دو رکعتیں۔

رُكْعَتَيْنِ -

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو۔ عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں۔ اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہو تو سرکارِ پُرانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑھتے ہیں۔

نمبر ۷۔ ابو داؤد و ترمذی نے حضرت بلال ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ هَيَّيْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَإِذَا بَيَّتُهُ تَرَكْتُ رُكْعَتَيْنِ إِذَا مَرَّ غَيْتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیئے۔ میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔

نمبر ۸۔ ابو داؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناکہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔

۹ و ۱۰۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى مَا أَحْلَتْهُ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يَوْمِي أَيْ مَاءَ صَلَوةِ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَاقِصَ وَيُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے۔ سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جہاں بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے۔ تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ و نیز بھی سواری پر پڑھتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے۔ نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنت ٹوک دے تاکہ سے روکنے میں

نمبر ۱۱۔ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ عُبَيْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ

فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے

يَرَىٰ اِنَّهُ عُبَيْدُ اللَّهِ يَتَنَفَّلُ فِي  
السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔

فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھنے دیکھتے تھے  
تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔

نمبر ۱۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ اَنْظُرْ فِي السَّفَرِ رَكَعَتَيْنِ  
وَبَعْدَ هَا رَكَعَتَيْنِ مَرَّاةٍ التَّرْتِيْبِ  
وَقَالَ هَذَا احَدٌ يَتَحَسَّنُ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و  
سلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں  
اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی  
نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے

نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم والبوداؤد نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفر میں تعریس کی  
رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جسکے بعض الفاظ یہ  
ہیں۔

صَلَّيْتُ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ  
الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّيْتُ الصُّبْحَ كَمَا  
كَانَ يُصَلِّي۔

حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے  
پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ  
پڑھا کرتے تھے۔

نمبر ۱۵ تا ۱۸۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰؓ سے روایت کی۔  
قَالَ مَا اخْبَرَنَا احَدٌ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى الصُّبْحِ  
غَيْرَ اَوْ هَا فِي ذِكْرَتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اُغْتَلَّ  
فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانِ رَكَعَاتٍ۔

فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سوا  
اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم کو نماز پچاشت پڑھتے دیکھا۔ ام ہانی  
فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
کے گھر میں غسل فرمایا اور اللہ رکعت نفل نماز پچاشت پڑھیں۔

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام  
نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز پچاشت اٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ  
نماز پچاشت نفل ہے۔

نمبر ۱۹۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْحَضَرِ وَصَلَاةَ السَّفَرِ فَكُنَّا نَصَلِّي فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نَصَلِّي فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا -

فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔

نعمہ ۲۰ - بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصَلِّي السَّطَوَعَهُ وَهُوَ مَأْكُوفٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ نو معافی ہو اور نہ قصر

چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دو رہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ۔ لہذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل و سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر سلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے۔ جس سے دیر لگتی ہے۔ اس لیے وہ نماز ادا ہی کر دی گئی۔ چونکہ سنت و نفل کے لیے سفر توڑنا نہیں پڑتا، سواری پر ادا ہو جاتی ہیں۔ اس لیے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے، نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے۔ تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے، دیکھو جمعہ کے فرض سجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوتی۔ فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے جادیں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔



## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و مایوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں، ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔  
اعتراض نمبر ۱۔ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيقِ  
مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ وَكَعَّتَيْنِ  
ثُمَّ جَاءَ رَحْلُهُ وَجَلَسَ فَرَأَى  
نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ  
قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ

مُسَبِّحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي  
صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ  
كَأَنِّي زِيدُ فِي الشَّفَعَةِ عَلَى  
رَكْعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ  
عُثْمَانُ كَذَلِكَ -

فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول (علیہ السلام) و سنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے۔ اس لیے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔  
جواب ۱۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؛ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا بنی اللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، بعد ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؛ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؛ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؛ کیوں؛ اس لئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو ہماری اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ انکر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔ حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لئے آپ نے یہ فرمایا لہذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے، نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی معافیت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صرف قیاس فرا کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراف نمبر ۲۔ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہو گئی۔ تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔ چاہیے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں۔ یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب۔ الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جب آپ دلیا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین ائمہ کی تقلید کر لی جوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑھتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں۔ باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوں۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، اگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، اگر بعد فرض جمعہ چار سنتیں ٹوکہ ہیں، چاہیے کہ وہاں بھی یہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خوٹے ضروری۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہیں۔ سواری کا رخ کدھری ہو۔ یہ مسافر کے لئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو

سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراف نمبر ۳۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہیں، حبیب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین کی سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب۔ جی ہاں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اس لئے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے۔ بوجہ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجہ ہوگی۔ اس لئے انہیں ایسے سوالات سوچتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں، اور مرتے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں قرآن ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت و پناہ میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو خفقہ۔ عقیقہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں، پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لئے ہمارا نام ال فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور کی سنت رحمت ہے، بوجہ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لئے پوری مسافر کے لئے آدھی۔

## سفر میں قصر واجب ہے

مسافر میں قصر واجب ہے

مثلاً شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر پر نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر قبول کر سجاٹے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض

چار پڑھ لے کر اگر پہلی التعمیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر دیدہ وائستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں، کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

### سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں، جن میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۷۴۔ بخاری۔ مسلم۔ موطا امام محمد۔ موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ  
ثُمَّ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَتْ لِدُبْعَاوِ ثَرْكَتِ  
صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْقَرْنِصَةِ الْأُولَى

فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعتیں فرض  
ہوئیں۔ پھر حضور نے ہجرت کی تو نماز میں  
چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی  
فرضیہ پر رہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض۔ اور قرنیہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

موطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ  
فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأَقْرَبَتْ

اولاً سفر و حضر میں نماز دو دو رکعتیں فرض  
ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی۔ اور



صَلَاةَ السَّفَرِ وَزَيْدٌ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ | نماز سفر میں زیادتی کر دی گئی۔

حدیث نمبر ۱۷۷۔ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى  
لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي  
السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْحَوْفِ  
رَكْعَةً

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی  
زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر  
میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض  
کیں (یعنی جماعت سے ایک رکعت)

اس میں صراحت معلوم ہو کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۱۷۸ تا ۱۸۰۔ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس  
رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى  
مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ۔

فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے  
تو حضور انور دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۸۱ تا ۱۸۲۔ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَتِي رَكْعَتَيْنِ وَأَبَى بَكْرٌ  
وَعُمَرُ وَمَعَ عُثْمَانَ حَذْرًا مِنْ  
إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَمَّتْهَا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے نبیؐ میں حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو  
دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع  
میں بھی پھر حضرت عثمانؓ نے پوری پڑھنا شروع

کر دی

حدیث نمبر ۱۸۳۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا تَرَضَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ  
كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر  
میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں  
چار رکعت فرض کیں۔

حدیث نمبر ۲۰۸ - نسائی ابن ماجہ - ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ صَلَّوْهُ السَّفَرِ رُكْعَتَانِ وَصَلَّوْهُ  
 الصَّحِيِّ رُكْعَتَانِ وَصَلَّوْهُ الْفِطْرِ رُكْعَتَانِ  
 وَصَلَّوْهُ الْجُمُعَةِ رُكْعَتَانِ تَمَامًا غَيْرُ  
 قَصْرِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین  
 دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۰۹ - مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث  
 نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفیہ ہیں۔

مَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ  
 اللَّهُ بِهَا فَأَقْبِلُوا صَدَقَتَهُ -

اس حدیث میں فاقبلوا صیغہ امر ہے۔ امر و جواب کے لیئے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص  
 سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول  
 کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۱۰ - طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے  
 روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رُكْعَتَيْنِ  
 وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رُكْعَتَيْنِ  
 ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمْ السَّبِيلَ فَوَاللَّهِ  
 لَوَدِدْتُ أَنَّ أَحَدِي مِنْ أَرْبَعِ رُكْعَاتٍ

میں نے سفر میں حضور کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں  
 اور ابوبکر صدیق غم فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں  
 پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے  
 متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمہاری کرتا ہوں۔  
 کہ مجھے بجا آئے چار رکعتوں کے دو مقبول

رَكَعَتَيْنِ مُتَتَابِعَتَيْنِ۔

رکعتوں کا حصہ ملے۔

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس مدینیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ اون پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصری فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین نے قصری پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و تمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں، یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض میں اختیار نہیں ہوتا۔ فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک تحریم سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدہ کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی، فرض کی تکبیر تحریم علیہ ہوتی ہے، نفل کی علیہ و ایک تحریم سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے، نہ کہ دو۔ یہ ہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد و پایوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَإِذَا أَحْبَبْتُ رَبِّي تَمَّ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ | اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ  
الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَنَكُمُ الْيَأْسُ  
كَفَرُوا-

نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں  
اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں  
گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے کیونکہ  
ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔  
جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف  
ہے کیونکہ یہاں قصر کے لئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں  
گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو نرم جواب دو گے  
وہ ہی ہمارا جواب ہے،

دوسرے یہ کہ یہ لَا جُنَاحَ ساجی کے صفا مردہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے  
رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا  
جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا  
عالم کہ صفا مردہ کا طواف حج میں واجب ہے عمر میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے  
لا جناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں  
گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، ورنہ فرض کام  
مکمل کرنے میں گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے۔ لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح  
ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی میں صحابہ کرام  
کو خیال ہوا کہ سجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہو گا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں  
سمجھانے کے لئے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ تمہارے لئے مفید نہیں۔

اعراض نمبر ۲۰ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔  
قَالَتْ كُلُّ ذَا لَيْلٍ قَدْ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ  
فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حَسْبُكَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْرُ الصَّلَاةِ  
وَأَنْتُمْ۔

سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی  
پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر ہی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف  
قصر فرض نہیں،

جواب۔ اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف  
ہے۔ لہذا یہ حدیث بالکل قابلِ عمل نہیں، اور کچھ مرقات شریعت شکوۃ المصنف کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے  
کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف  
ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوتی پھر سفر میں

وہ بھی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر  
میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں۔ اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں،

لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام

نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا، لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ

بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ  
پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد، تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ  
والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی، تو اتمام فرمایا

اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ۔ غیر مقلدِ دہانی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ



کیا کرتے ہیں، اگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے، تو بخاری مسلم کی ہوا یا نہ ہو، صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے، کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر فرمائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے، اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس کے بعد اکثر علماء صحابہ وغیرہ صحابہ کا عمل ہے۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي السَّفَرِ وَالْبُكْرِ  
وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ  
وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ  
الْعِلْمِ مِنَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ۔

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں  
وَقَدْ رَوَى عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ  
تَقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ۔  
ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوعہ کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

پُر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَى مَا رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ۔  
عمل اس پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی قصر

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم

نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اعتراف نمبر ۳۔ نسائی و دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

وَالَّتِي حَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةٍ  
وَمُضَانَ فَطَرْتُ وَصُمْتُ وَقَصَرْتُ  
أَتَمَمْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَصَرْتُ  
وَأَتَمَمْتُ وَافْطَرْتُ وَصُمْتُ  
قَالَ أَحْسَنْتِ يَا عَائِشَةُ وَمَا عَابَ  
عَلَيَّ

فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے  
روزہ نہ رکھا میں نے کیا، آپ نے نماز قصر  
پڑھی میں نے پوری پڑھی یعنی اتما کیا، تو میں نے  
عزیم کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے قصر کیا میں نے  
پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا میں نے روزہ رکھا  
فرمایا اسے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتما بھی۔

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل چار عمرے کیے  
میں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا،  
اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے۔ خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رمضان

کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے  
جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنی بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو  
اعتراف نمبر ۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَكْعَتَيْنِ وَالْبُؤْبُكُ وَعُمَرُ  
بَعْدَ آبِي بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ  
خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ  
أَزْهَانِكَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ

فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منی  
میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر صدیق نے ان کے  
بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع  
خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں  
منی میں پڑھیں، حضرت ابن عمر حبیب الام کے

الْإِمَامُ صَلَّى أَمْرٌ بَعَاوَا إِذَا صَلَّيَا رَحَدَا  
صَلَّى مَا كُنْتُمُتَيْنِ

ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے  
پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، اگر چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو اتمام نہ کیا۔ پھر جب پوری پڑھنے لگے۔ تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا۔ آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں اتمام کیا عام سفر میں نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منیٰ شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منیٰ میں اتمام فرمانا اس لئے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو روایتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں، تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے، کہ جو کوئی کسی شہر میں گھروالا ہو جاوے، وہ وہاں تقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں

أَنَّهُ صَلَّى بِمَنْحَىٰ أَرْبَعٍ رَكَعَاتٍ فَأَنَّكَو  
النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي

حضرت عثمان نے منیٰ شریف میں چار رکعت  
پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ

تَأَقَّلْتُ بِمَكَّةَ مُسْتَدًّا قَدِمْتُ  
وَإِنِّي سَمِعْتُ الْإِمَامَ دُرْمَزَانَ فِيهِ الْقَدِيرَ

نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں  
گھر والا ہو گیا ہوں۔

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں زمین خرید لی، وہاں مکان بنوایا، وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔ اس لیے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے صرف منیٰ میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبد الرزاق اور وارق قطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَعْنِي أَنَّهُ أَوْفَى أَرْبَعًا مَنِى فَقَطَّ  
مِنْ أَجْلِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا نَادَاهُ فِي مَسْجِدٍ  
خَيْفَ مَنِى يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا زِلْتُ  
أَصَلِّهَا رَكْعَتَيْنِ مُسْتَدًّا رَأَيْتَكَ عَامَ  
الْأَوَّلِ صَلَّيْتُهَا رَكْعَتَيْنِ فَخَشَى عُثْمَانُ  
أَنْ يُظَنَّ جَهْلُ النَّاسِ الصَّلَاةَ رَكْعَتَيْنِ  
وَأَنَّهُمَا كَانَا وَفَاهَا مَنِى۔

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک  
دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو  
برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ  
میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی  
رضی اللہ عنہ کو خطر پیدا ہوا کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی  
سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔

امام احمد اور عبد الرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جاسکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنالیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے دہائی غیر متقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اختصار میں نمبر ۵۔ بیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض، ایسے ہی چاہیے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

بجواب۔ شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضا پر قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پیختہ تو حیدریشے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے، اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدمی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور حین ہے تاخیر کی اجازت، کچھ اور، لہذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا مایع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا، ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لئے ان کی قضا نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لئے

نفل ہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریم سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ۔ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضا شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے، پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حادثہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضا



شروع کریں۔

# اٹھارہواں باب

## نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر بغیر مقلد و تابعوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیے۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات

نوٹ ضروری :- خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا سخت اور مدلل ہے۔

## پہلی فصل

### نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں، جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر آٹا ۸۔ ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابو داؤد طیالسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْفِرُوا لِأَلْفَجْرِ فَإِنَّهُ أُعْطِيَ لِلْأَجْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا أَحَدُ بَيِّنَاتٍ صَحِيحَةٍ

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز فجر خوب اور جیلا کر کے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیال رکھو کہ اس حدیث میں اور جیلا کرنے سے مراد خوب اور جیلا کرنا ہے۔ جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اور جیلا سے ثواب زیادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہی روشنی ہے، جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۱۰۱۰۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ مَا بَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ بَعْدَ وَقْتِهَا إِلَّا بِجَمْعٍ فَإِنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَيُصَلِّيُ صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا مزدلفہ کے کہ وہاں حضور نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے، اگر مزدلفہ میں دوسری ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں،

خیال رکھو کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی، بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

نمبر ۱۰۱۱۔ ابو داؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن راہویہ۔ طبرانی نے معجم میں حضرت رافعہ ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ كُنْ مِنَ الْمُصَلِّينَ الصُّبْحَ حَتَّى يَنْصُرَ الْقَوْمَ مَوَاسِعَ نَبَاهِهِمْ مِنَ الْأَسْفَارِ

فرماتے ہیں کہ تم کو دیا حضور نے حضرت بلال کو فرمایا اس بلال نماز صبح میں اوجیالا کر لیا کرو یہاں تک کہ لوگ اوجیالہ کی وجہ سے اپنے پیچھے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا جبکہ تیرا نماز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ ولینی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَسَّعَ بِالْفَجْرِ تَوَسَّعَ اللَّهُ فِيهِ قَلْبُهُ وَقَلْبُهُ فِي صَلَاتِهِ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۔ طبرانی نے اوسط میں اور بزرگ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا اسْقَمَ بِصَلَاةِ الْفَجْرِ

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت و بن فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجیالے میں پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۵۳۔ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے حضرت یسار ابن سلام سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ ابْنِ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَرْثَدَةَ يُسَلِّ لَهٗ ابْنِي عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَنْصَرِفُ مِنْ

میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابوزرہ صحابی کے پاس گیا امیر سے والد ان سے حضور کی نماز متعلق پوچھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ حضور

صَلَاةُ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ  
وَجْهَ حَلِيبِهِ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا  
وَالسَّبَّحِينَ إِلَى الْمِائَةِ

نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب  
شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ  
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ سے راتوں تک پڑھتے  
حدیث نمبر ۲۴۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن زید سے روایت کی۔

إِنَّا كُنَّا نَصْرِي مَعَ رَابِعِ  
مَسْعُودٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ  
الصُّبْحِ

فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ  
عنه کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے، آپ خوب  
اجیائے میں نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابوشامان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ  
الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالُ  
ذُودَ الْعُقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ  
طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا يَا  
أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتْ الشَّمْسُ  
تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمُوا بِشَيْءٍ كَمْ  
أَفْهَمَهُ فَقُلْتُ أَيْ شَيْءٍ قَالَ  
قَالُوا لَوْ أَطْلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ  
تَجِدْنَا غَافِلِينَ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر  
پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھرایا نہ تکبیر کا عقل  
والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ  
نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین  
سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ  
سمجھ سکا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ سنت عمر  
نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر  
سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۶۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّا صَلَّيْنَا الْبُكْرَةَ صَلَاةَ الصُّبْحِ  
فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا كَادَتْ الشَّمْسُ  
تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ  
تَجِدْنَا غَافِلِينَ

فرماتے ہیں کہ ہم کو البکرہ صلیقی نے نماز فجر پڑھائی  
اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ  
سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ اگر  
نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۸ تا ۲۹۔ طحاوی اور ملا حسن و محدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابوحنیفہ

سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كَاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى التَّوْبَةِ فِي الْفَجْرِ وَالْعَجَلِ فِي الْغَرْبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصِحُّ أَنْ يَجْتَمِعُوا عَلَى خِلَافٍ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمانے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے، کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹۔ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَا قُنْبُرُ اسْفِرْ اسْفِرْ

فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے۔ اے قنبر اوجیالا کرو اوجیالا کرو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسفیر دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔ یہ ہر حال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا۔ سنت رسول اللہ سنت صحابہ اور صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہو گا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اوجیالے



میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اول وقت فجر کی جماعت کو لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اوجیالہ میں پڑھتے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو دراز قرائت سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالہ میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شبہ چل گیا، تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو۔ طحاوی شریف صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کاروبار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا۔ اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

تاخیر فجر پر اب تک دہائیوں غیر متقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا۔ تو

انشاء اللہ تیسرے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الصَّلَاةُ  
إِذَا أَتَمَّتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا أَحْضَرَتْ  
وَالْأَيُّمُ إِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُوءًا۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ہے  
علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ نماز جب اس کا  
وقت آجائے و جنازہ جب حاضر ہو لڑکی  
کا نکاح جب اس کے لئے کفول جہاؤں۔

تیسرا بھی ترمذی میں سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَوَّلُ الْوَقْتِ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ  
رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوَ  
اللَّهُ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی  
ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی  
معافی ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اول وقت پڑھنی چاہیے جتنی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ  
کی رضامندی سے محروم ہیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے،  
کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم  
ہو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے، نہ کہ  
مطلق وقت کا اول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ نماز فجر  
میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لئے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز  
فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے  
جواب۔ اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت  
کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر روشنی میں

ہی پڑھتے تھے۔

مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گہری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ دوسرے یہ کہ اگر غلص سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور نے اندھیرے میں فجر پڑھی گو ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو، سرکار نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں، مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ قول عمل پر ترجیح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضور کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کی خلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے، جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ اَلْوُضُوُّ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ اَگ کی کمی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوتی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلص سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشن کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو جیسے ہم نے اوجیائے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت اس حدیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لئے ہیں اور اوجیائے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لئے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیائے میں فجر پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔

اعتراف نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِعَاتٍ بِمِرْوَطِهِنَّ مَا يَكْرَهُنَّ مِنَ الْغُلَسِ۔

فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں پاتی تھیں۔

معلوم ہو کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آٹھنٹیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا سکے، حنفی اتنا اوجیالا کر کے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب :- اس کے جوابات اعتراف ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا وقت تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور

اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اغتراض نمبر ۴۔ ترمذی شریف نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً يُوقِتُهَا إِلَّا خِرَ مَرَّتَيْنِ حَتَّى يَبْصُرَهُ اللَّهُ۔

فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ خفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب۔ اس اغتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ اس لیے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَكِنَّ إِسْنَادَهُ بِمُتَّصِلٍ۔

ابو عیسیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لَآئِنَّهُ كَمْ يَشَبُّتُ مُلَاقَاةَ أَنَسٍ مَعَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا،

کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ سے ثابت نہ ہوئی

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور یکساں حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور صلی اللہ



علیہ وسلم نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں، جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عزیمت کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، قرآن کی رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور عصر اور وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت، عشاء اول وقت پڑھتے تھے۔ دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لیے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا (مشکوٰۃ باب الاسد،

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بار بار نمازیں آخر وقت میں پڑھیں، اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دوبار بھی نہ پڑھی، لہذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی تنہائی رات گئے پڑھنا، مستحب کیوں کہتے ہو، اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے وہ ہی جواب ہمارا۔

آخر ارض نمبر ۵:۔ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیالا سے میں پڑھوں، اس میں اوجیالا سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آجانا، یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شگ کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ جب یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی ملاو نہیں، جو خفیوں نے سمجھی، یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب بیان کیا۔

جواب :- مگر وہ نہیں کیونکہ اتنا ادب جیلا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس ادب جیلا سے کثرت زیادہ ہے، یعنی یہ ادب جیلا مستحب سے نہ کہ فرض۔ لہذا اس ادب سے مراد وہ ہی روشنی صبح سے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے، جو ہم نے معنی کیے، وہ ہی درست میں۔ حدیث سمجھنے کے لئے فقہ ضروری ہے۔

## انیسواں باب

### ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دوگنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، اگر دوپہر کی تیزی جاتی رہے، کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر متعدد دہائی نماز ظہر پہنچاتی دوپہر ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح حنفیوں کو بہکا تے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس باب کی معنی فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اختلافات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیئے کہ اپنے دلائل اور دہائیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

## پہلی فصل

### ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے، لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلنے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے، لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے تو دوپہر کا جوش کم ہو جاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۵۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نمبر ۱۰۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم بخاری، نسائی، بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کئے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فِيمَ حَقَّ لَهُمْ فَأَبْرِدُوا بِالنَّظْمِ وَاشْتَكَّتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ ذَبِّ أَكُلْ بَعْضُنِي بَعْضًا فَإِذَا كَانَ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٌ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٌ فِي الصَّيْفِ إِلَى

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی و خشکی کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کر دو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اگلے دو سالوں کی اجازت دی، ایک سال سردی میں ایک سال گرمی میں۔

نمبر ۱۱۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت سے خلاف ہے۔

نمبر ۱۲۔ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ، بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ

فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر

يُؤَذِّنُ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْتُمْ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ  
فَقَالَ أَبْرِدُ حَتَّى رَأَيْنَا بَيِّنَ السَّلَوِ فَعَالَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ شِدَّةَ  
الْجَرَمِ مِنْ فَيْحِ حَمَتِهِ فَإِذَا اشْتَدَّ  
الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ قَالَ  
السَّيْفِيُّ هَذَا أَحَدُ بَيِّنَاتِ حَسَنِ  
صَمِيحٍ

کی اذان دینی چاہی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا، ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان  
کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو، یہاں تک کہ ہم  
نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک  
سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز  
ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث  
حسن و صحیح ہے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
أَنَّ سَرَايَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ  
سَلَّمَ لَيُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ وَيُؤَخِّرُ  
هَآ فِي الصَّيْفِ۔

انہوں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی  
نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں  
میں دیر سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں، مگر اختصاراً انہیں جس  
حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، اگر تفصیل دیکھنی ہو، تو صبح البہاری۔ طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ  
مضیال رہے۔ کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی  
جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف  
سنت ہے غیر منقولہ دینی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔  
بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا اشْتَدَّ الْبُرْدُ مَكَّرَ بِالصَّلَاةِ إِذَا  
اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ لَيُعْنِي  
الْجُمُعَةُ۔  
فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی  
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ پڑھتے  
تھے۔ اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی  
کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے

پر پڑھنی چاہیے۔

حقل کا تقاضا بھی یہی ہے، کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹنڈی کر کے پڑھنا چاہیے، اگر تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے، اس سے جماعت گھٹ جائیگا اندیشہ ہے، کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں، اور دوپہر کی پیش گھر میں گزارنا چاہتے ہیں، اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھنی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مظہر آسانی کرتی ہے۔

نتیجہ۔ مذکورہ بالا احادیث شریفہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا، کہ نماز ظہر کا وقت دو ٹل سائے تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت دو ٹل سائے سے شروع ہوتا ہے، اس کی چند دلیل ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر ٹنڈی کر کے پڑھتے تھے، اور اس کا حکم دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک ٹل سائے کے بعد دوپہر کی پیش ٹوٹی ہے، ایک ٹل تک سخت بھڑک رہتی ہے، اگر ایک ٹل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا، ایک ٹل سائے کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھیلنے والے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک ٹل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک ٹل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ حدیث بھی غلط ہوگی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے نہ ہونا چاہیے، اگر ایک ٹل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر جگہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قالون شری کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوعہ نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے متناہل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی مزدور کو بیع سے دوپہر



تک ایک قیڑا پر رکھے، دوسرے کو دوسرے نماز عصر تک ایک قیڑا پر رکھے، تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیڑا اجرت پر رکھے، پہلے مزدور میوہ ہیں، دوسرے مزدور نصارے اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تقویراً، مزدوری دو گنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

نمبر وار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دو گنی ہے۔

الْأَفَانَتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلَوةِ الْعَصْرِ إِلَىٰ مَغْرِبِ الشَّمْسِ إِلَّا لَكُمْ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی۔ لہذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیے یہ جب ہی ہو سکتا ہے، جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو، اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے، تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے۔ اس یٹے ماننا پڑے گا، کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد دہا پیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں۔ جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز۔ توبہ۔ لڑائی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات . . . . . عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ البرادہ۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی، جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت ہبیر بن نے مجھے دو دن نماز پڑھائی، ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلَّى بِنِ الْعَصْرِ حِينَ صَارَ ظِلُّ  
كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ۔

حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر وقت  
پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کا  
وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس جگہ یہ بھی ہے  
فَلَمَّا كَانَ الْعَدَا صَلَّى بِالنَّظَرِ حِينَ  
كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ

جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز  
ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

فرمائیے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز  
ظہر پڑھائی۔ حالانکہ وقت عصر ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر ایک مثل سایہ پر  
وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے  
یکہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلَّى بِنِ الْعَصْرِ حِينَ كَانَ  
ظِلُّهُ مِثْلِيهِ۔

اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی  
جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت  
سورج کا غروب ہے۔

تفسیر یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور  
دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دو پہر کے وقت ہوتا ہے  
بالکل ذکر نہیں، حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو نماز  
جواب ہے، وہ جارا

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی  
اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، ان میں ذکر ہے کہ حضور نے گرمی میں نماز ظہر  
ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس

میں متعارض ہوئیں، لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے، تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوتی تھی اور حضور کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں، یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا ہماری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے، اس قاعدہ پر صداماں مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا۔ اور وقت عصر داخل نہ ہوگا۔ وشل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے۔ لہذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراف نمبر ۲۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے، اسی لیے مسجد کے بجگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے

اعتراف نمبر ۳۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز

عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی، کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام دہائی)

جواب :- یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ کمالاً غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے، اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں، ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس مثل میں ایک میل چل لیتے ہیں۔ تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پیر تیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَعَدَّى إِلَّا  
بِمَا نَحْنُ فِيهِ قِيلُولًا كَرْتَةً تَحْتَهُ نَاشِئَةٌ  
بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

کہاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو، کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب :- اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلول یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے، کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے۔ تم بھی اتنی جلد جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی طیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام سمجھ کر دیتے تھے، نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے۔





کہتے ہیں، یعنی پہلے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ پھر صحیح کر ایسے ہی اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کئے بجائے انیس ہیں اور اقامت تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی اذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گایا دیتے ہیں پہلی فصل میں اس مرویہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

### موجودہ اذان و اقامت کا ثبوت

مخبر یہ ہے کہ اذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ اذان میں ترجیح ہے، نہ اقامت تکبیر کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر بار بار آخر میں کل لالہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر آٹھ۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ دارقطنی نے سعیدنا عبد اللہ ابن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔  
اَنَّهُ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ  
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ  
وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهُ يَقُولُ  
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ الْم

وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ  
میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک  
ایک بار اس کے سوا کہ تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ  
بھی کہتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد کہتے ہیں۔

یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبری کی ابن حبان  
نے توثیق کی۔

هَذَا اسنادٌ صَحِيحٌ سَعِيدُ الْمُقْبَرِيِّ  
وَقَفَّهٖ ابْنُ حَبَّانٍ وَغَيْرُهُ (دہلوی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیح نہیں دینا اذان کے کلمات دو درجہ ہوتے  
شہادتیں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاوے گا  
حدیث نمبر ۷۰۱ بطریق نے معجم اوسط میں ابو مخذومہ مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتہ  
حضرت ابراہیم بن اسماعیل ابن عبد الملک ابن ابی مخذومہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبد الملک ابن  
ابی مخذومہ کو سنا وہ فرماتے تھے کہ انہوں نے  
اپنے والد ابو مخذومہ کو فرماتے سنا کہ حضور انور  
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کا ایک ایک  
لفظ بتایا، اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیح  
کا ذکر نہ فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنَ  
أَبِي مَخْذُومَةَ يَقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاكَ أَبَا مَخْذُومَةَ  
يَقُولُ أَلْقَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اللَّهُ أَكْبَرُ  
اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ  
مُتَرَجِّعًا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں ترجیح کا حکم حضور نے نہ دیا لہذا ترجیح سنت  
کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۹۰۸ :- ابن ابی شیبہ ترمذی نے حضرت ابن ابی سیلی تابعی سے کچھ اختلاف  
الفاظ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان اور تکبیر دو  
دو بار کہتے تھے۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ  
مُؤَذِّنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَشْفَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ،

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوتے ہیں کہ اذان میں ترجیح نہیں، دوسرے یہ کہ  
اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰۰۱ :- بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار ہے  
تکبیر بھی دو دو بار اور آپ رضی اللہ عنہ ایک  
شخص پر گزرے جو اقامت ایک ایک

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ الْأَذَانَ مَشْنِيَّ مَشْنِيَّ  
وَالْإِقَامَةَ مَشْنِيَّ مَشْنِيَّ وَمَرَّ بِرَجُلٍ  
يَقِيْمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا

مَثْنَى مَثْنَى لَا اَمَّ لَكَ

بارگاہ ربانہ تھا تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کہتیری  
ماں نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ ابو داؤد شریف نے حضرت مغاذ بن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبد اللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی، انہوں نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اللہ اکبر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہُ اَلْہُ کہا پھر کچھ ٹکھڑا کر اذان کی طرح تکبیر بھی کہی البتہ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِنَهَا بِلَا لَا  
فَاَذَّنَ بِهَا

راوی کہتے ہیں کہ حضور نے عبد اللہ سے فرمایا کہ یہ آذان حضرت بلال پر تلقین کرو پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے آذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی۔ جو حضرت بلال نے حضور کی موجودگی میں عبد اللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قد قامت الصلوٰۃ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ و ۱۳۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔  
قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَرْثَدٍ الْأَنْصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّمَا جَلَا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَانِ فَقَامَ عَلَى حَائِطٍ فَأَذَّنَ مَثْنَى مَثْنَى وَأَنَامَ مَثْنَى مَثْنَى

فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو بہتر کپڑے ہیں پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔

خیال دے کر اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی  
اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی اذان و  
تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴۱۱۔ وارظنی، عبد الرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یرید سے روایت کی  
اَنْ يَلَا لَا كَانَ يَشْنِي الْاَذَانَ وَيَشْنِي  
الْاِقَامَةَ وَكَانَ يَمْدًا عَوَّالًا تَكْبِيرًا  
يَخْتَمِرُ بِالتَّكْبِيرِ۔  
بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے  
تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر  
ہے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۴۱۲۔ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشاہین میں حضرت جنادہ ابن ابی امیر سے روایت کی۔  
عَنْ بِلَالٍ اَنَّكَ كَانَ يَجْعَلُ الْاَذَانَ وَ  
الْاِقَامَةَ سَوَاءً مَشْنًى مَشْنًى۔  
وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں کہ وہ  
اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار

حدیث نمبر ۱۴۱۳۔ وارظنی نے حضرت ابو حنیفہ سے روایت کی۔

اَنْ يَلَا لَا كَانَ يُؤَذِّنُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشْنًى مَشْنًى وَيُقِيمُ  
مَشْنًى مَشْنًى۔  
حضرت بلال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور  
اقامت دو دو بار

حدیث نمبر ۱۴۱۴۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ ثَوْبَانُ يُؤَذِّنُ مَشْنًى مَشْنًى  
حضرت ثوبان اذان و دو دو بار کہتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

اَنَّ سَلْمَةَ ابْنَ الْاَكُوْعِ كَانَ يَشْنِي  
الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ  
حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان  
و اقامت دو دو بار کہتے تھے۔

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل  
دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں  
معلوم ہوں گی۔

۱۔ عبد اللہ ابن زید ابن عبد اللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے

اس میں نہ تو ترجیح کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہی اذان و تکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

عقب فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیح بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ اچھا چارسی اذان ہے۔

۳۷ حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسئلوں میں مروج ہے یعنی حنفی اذان و اقامت۔

۳۸ سلیل القدر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی، عبداللہ ابن عمر، سلمہ ابن اکوع، عبداللہ ابن زید، ابراہیم خثعمی، حضرت عبید، ابو حنیفہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی اذان کہتے اور کہلاتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیح یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۳۹ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلاتے تھے، اگر ترجیح یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا یہی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیح نہ ہو، کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے، کہ اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے، باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں، جب صلوٰۃ اور فلاح میں ٹکراؤ اور ترجیح نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیح نہ ہونی چاہیئے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے، نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیئے، کانوں میں اگلیاں لگائی جاویں تاکہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دو شہادتوں کو اولاً آہستہ آہستہ کہنا، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر حکم بند آواز سے چاہیئے دیکھو اذان کے اول میں تکبیر چار دفعہ کہا جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا





شہادتین میں ترجیح سکھائی، لہذا اذان میں ترجیح سنت ہے۔  
جواب ۱۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں، اطمحادی شریف نے انہیں ابی محذورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اذان میں سبائے چار کے دو بار تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو محذورہ کی روایت متعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محذورہ کی یہ ترجیح والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔  
نکریہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیح نہ فرمائی۔  
لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محذورہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیح پر نہ تھا۔  
بلکہ ترجیح کے خلاف تھا۔ لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محذورہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو غائیہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محذورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔ تعلیم کے لیے اور شرم و درگزر کے لیے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ

آہستہ اذان کہہ دے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محمد ورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محمد ورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مذکورہ حدیثیں، اس لئے دوبارہ کے ساتھ کہلوائیں۔ بہر حال یہ ترجیح ایک خصوصی واقعہ تھا۔ مذکورہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابو داؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محمد ورہ سے روایت کی۔  
 اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ  
 اَلْاَذَانَ قِسْمَ عَشْرَةٍ ثَلَاثَةَ اَوَّلًا  
 سَبْعَ عَشْرَ ثَلَاثَةً  
 انہیں اذان ۱۴ کلمے اور تکبیر ۷ کلمے سکھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیح سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیح نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیح اذان میں چاہیے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیح ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات سبائے سترہ کے تیرہ ہوتے، اکی آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدمی کے انکاری ہو۔

ترجیح اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو محمد ورہ کو ترجیح ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَكَرُوا النَّادِيَ النَّاقُوسَ فَكَوْنُوا  
 الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى  
 فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يُشْفِعَ  
 الْأَذَانَ وَ يُؤْتِرَ  
 الْأَقَامَةَ  
 فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلان نماز کے لئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان بجات کرتے ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔  
 جواب :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے  
 معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اولاً  
 تکبیر چار بار ہو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی  
 ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کو دو بار کہنے کا حکم ہے تو منفی کہیں گے کہ دوسری  
 احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قابل عمل کیوں نہیں؟  
 دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب کا بالکل ذکر نہیں، بلکہ فرمایا گیا  
 کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں  
 یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت  
 بلال کو اذان و اقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان و اقامت سے موجودہ مرویہ شرعی اذان مراد نہیں  
 بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت  
 مسجد والوں کو جمع کرنے کے لیے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک  
 ہی بار کافی تھا۔ اس لیے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
 خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مرویہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تیسرے  
 یہ کہ حضرت عبد اللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت  
 دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہ ہی روایت قابل عمل ہے۔  
 دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل۔ خیال رکھئے کہ یہ خواب  
 صرف حضرت عبد اللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث  
 متواتر کے حکم میں ہو گئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترغیع  
 اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاة شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات  
 دو دو ہی رہے۔ تہیہ کیے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی  
 ساری عمر نہ تو اذان میں ترغیع کریں نہ تکبیر کے جملات ایک ایک بار کہیں حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے یکدم دیا ہو۔ لہذا ترجیح وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایت قیاس شری کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیح ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز استعمال کرنے سے وضو واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھائیے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کلی قانون ہے

## ایک سوال باب ۲۱

### متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شری یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے۔ فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام معتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر متقدم و بالی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضمنی وری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کرے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضروری نہیں لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر متقدم و بالیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر



افراضات مع جوابات -

## پہلی فصل

### متنفل کے پیچھے فقرہ فرض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۴۴۱۔ ترمذی، احمد، ابوداؤد و شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور مؤذنین کو بخش دے

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ اللَّهُمَّ ارْشِدِ الْأِمَمَةَ وَاعْفُ عَنِ الْمُؤَذِّنِينَ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے عقیدوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لے جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ شے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے مثل فرض کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضاء نہیں پڑھی جاسکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵۔ امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی۔

أَنَّ أَقِيَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَعَاذَ ابْنِ جَبَلٍ يَا تَبْنِيَا عَبْدَ مَا نَنَامُ وَنَكُونُ فِي أَحْمَالِنَا بِالْهَرَارِ فَيُنَادِي بِالصَّلَاةِ فَتُخْرِجُ إِلَيْهِ فَيُطَوِّلُ عَلَيْنَا فَقَالَ

حضرت سلیم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آئے

لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مَعَاذَ لَا تَكُنْ مَثَانًا  
إِمَّا أَنْ تَصِلَ مَرَّتِي وَإِمَّا أَنْ تَخْفِيفَ  
عَلَى قَوْمِكَ

بِسْمِ اللَّهِ

ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے  
حضور نے فرمایا کہ اسے معاذ فقہ کا باعث نہ ہو یا  
تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کر دیا اپنی قوم کو ملکی نماز  
پڑھایا کرو۔

خیال رکھئے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں  
پہنچ کر انہیں نماز پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہ نبوی میں ہوئی جس کا واقع  
یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور  
کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا  
میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم  
نخعی سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ وَأَمَنْتَ  
لَا تَتَّبِعِي صَلَاتَهُمْ لَا تَجْرِكَ وَأَنْ صَلَّيْتَ  
إِلَّا مَامَ صَلَاتُكَ وَلَوْ حَى الَّذِي خَلَقَهُ  
غَيْرَهَا أَجْزَابُ الْإِمَامَةِ وَكَمْ تَجْزِيهِمْ  
رَوَاهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَثَارِ

فرماتے ہیں کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم  
ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی  
نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور پیچھے والا  
مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی  
نماز تو ہو جاوے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علما و ملت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں  
پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے  
مقتدی اس کا تابع اور امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لیے امام کے  
سہو سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ  
سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی

قرأت امام کے لینے کافی نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی اگر امام بے وضو نماز پڑھا تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی نے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور فضل نماز، فرض نماز سے درجہ کم ہے۔ تو پیارے کونفل کے پیچھے فرض ادا نہ ہوں تاکہ اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے۔ اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی، مغرب پڑھانے والے کے پیچھے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے پیچھے عشاء کی قضاء بھی نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کیے تھے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوچھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراف نمبر ۱۔ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز نہ چمکانہ فرض ہوئی۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن پہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ان وقتوں کے

دریان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ وکیعہ حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل کے لئے نفل کیونکہ نماز بیچگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریل بھی۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بناءً جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل بغیر حکم الہی کبھی نہیں آتے رب فرمانا ہے۔

وَمَا تَنْزِيلُ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنِ رَبِّكَ | ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے

لہذا ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اقرار من جبر سے اوکھ گیا۔

آخر ارض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آئے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

قَالَ كَانَ مَعَاذُ ابْنِ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ۔

وکیعہ حضرت معاذ عشا کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض

پڑھنا سنت صحابہ سے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور توہم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لینے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ وہ نہیں حضور نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، اگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کر دیا مقتدیوں کو ملکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہو نیکی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہ ہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ  
إِلَى تَوْبِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ  
نَافِلَةٌ۔

فہمے ہیں کہ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے جواب۔ آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت



معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے انداز سے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراف نمبر ۴۔ بخاری شریف نے حضرت عمر ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے میں حجازی قافلوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیے ان سے حضور نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھاے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَى بُرْدَةَ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ  
قَلَصْتُ عَنِّي فَقَالَتْ إِمْرَأَةٌ مِّنَ  
النَّحْيِ لَا تَنْظُتُونَ عَنَّا إِمَامٌ قَارِئٌ سَكَنٌ  
فَاسْتَرَوْا فَقَطَعُوا لِي قِمِيمًا  
(مشکوٰۃ باب الامارۃ)

مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوڑے کیوں نہیں دیکھتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔

دیکھو عمر و ابن سلمہ صحابی ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمر و ابن سلمہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں پڑھے کی نفل بھی بہت ادا ہوتی ہے لیکن جو ان پڑھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں جواب۔ اس کے وہ ہی جوابات ہیں جو اعتراف عدل کے ماتحت گھر گئے کہ ان کا یہ نفل اپنی رائے سے تھا۔ نہ کہ حضور کے فرمان سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی

مان لو کہ ننگے لہجہ کے پیچھے بھی نماز جائز ہے کیونکہ عمر و ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ مسجد میں پیادہ ہٹ جاتی اور پتھر ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے کسی نے نماز نہ ٹوٹائی کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محض عداوت سے تہر کر رہے اور ان کی جناب میں گستاخیاں کالی گلوچ بجکتے ہیں

## باب سوال باب ۳۲

### نخن اور قے سے وضو ٹوٹ جانا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آنسو پیزیں وضو توڑ دیتی ہیں، جو چیز پیشاب پانسانہ کی راہ سے نکلے غفلت کی نیند غشی نشہ جنون نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسا بہتا ہوا نخن، منہ بھر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا نخن وضو توڑ دیتا ہے، نہ منہ بھر کر قے، لہذا کوئی محقق کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں کیا جبر ہے کہ قے کر کے یا کسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کیے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالیٰ قبول فرما دے۔

# پہلی فصل

قے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے۔

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کرنا بیخ حانا وضو توڑ دیتا ہے۔ ظاہر بدن وہ ہے جس کا وضو غسل میں فرض ہے، و لائل ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱۔ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ | وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے

نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
وَسَمِعْتُ مَنْ أَصَابَهُ قَيْءٌ أَوْ رَعَاتٌ أَوْ قَلَسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَغُضَّ | کسی کو قے یا کھیر یا نڈی آجائے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔

نمبر ۳۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جحش حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون آنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے۔

لہذا۔

اجْتَنِبِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِكَ ثُمَّ | حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور  
اغْتَسَلِي وَلَوْ حَبْشِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَإِنْ فَطَرَ | ہر نماز کے لیے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگرچہ خون چٹائی پر پٹکتا رہے۔

الْكَدُّ عَلَى الْحَصِيِّ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے ویکھو جسے دس یا قطرے کی بیماری ہو وہ۔ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

نمبر ۴۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں تھپے یا نکیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

نمبر ۵ و ۶۔ ترمذی و البواذری نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریج نکل جاتی ہے اور پانی میں تگی ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصاً)

قَالَ إِعْرَابِي يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ مِمَّا يَكُونُ فِي الْعَلَاةِ فَتَكُونُ مِنْهُ رَوِيْعَةٌ وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قِلَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ مَلْغَضًا

کذا فی جمع الفوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد۔

نمبر ۷۔ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں سے ہی ڈالنا یعنی میں نے ہی وضو کر لیا تھا۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَتَوَضَّأَ فَلَقِيْتُ ثُوبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا عَبَّيْتُ لَهُ وَضُوءَهُ وَ حَدِيثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ

نمبر ۸۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکیر آجاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دھو سے پھر وضو کرنا ہے

رَفَعَهُ قَالَ إِذَا رَعَفَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيُغْسِلْ عُنْتَهُ السَّدَّمَ ثُمَّ لِيَعِدْ وَضُوءَهُ

نمبر ۹۔ دارقطنی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ أَوْ رَعَفَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ  
أَوْ أَحْدَثَ فَلْيَتَصَرَّفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب  
نہم میں کسی کو نماز میں تھے یا نکیر آجاوے یا اور  
کوئی حدت کرے، تو علیحدہ ہو جاوے اور منوٹو کرے

نمبر ۱۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَعَفَ فِي صَلَاةٍ فَلْيَنْصَرِفْ  
فَلْيَتَوَضَّأْ فَإِنَّ لَكُمْ نِيَكَمَ بَيْنِي عَلَى  
صَلَاتِهِ وَإِنْ تَكَلَّمْتُمْ اسْتَأْنَفَ

فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکیر آجاوے تو وہ  
علیحدہ ہو جاوے اور منوٹو کرے پھر اگر کلام نکیر ہو  
تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام نکیر ہو تو اسے سر پرے

نمبر ۱۱۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن قطلیب سے روایت کی۔

إِنَّهُ رَأَى سَعِيدَ ابْنِ الْمُسَيَّبِ رَعَفَ  
وَهُوَ يَصَلِّي فَأَتَى حُجْرَةَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى الْوَضُوءَ  
فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنَى عَلَى مَا مَدَّ صَلَّى

انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ  
انہیں نماز میں نکیر آگئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ  
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے تو انہیں پانی دیا  
گیا انہوں نے وضو کیا پھر واپس گئے اور بقیہ نماز پوری کی۔

نمبر ۱۲۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُحْدِثْ  
بِأَنفِهِ ثُمَّ لْيَتَصَرَّفْ

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب  
نماز میں کسی کا منوٹوٹ جھاوے تو وہ اپنی  
ناک پر سے پھر ہلکا جاوے۔

(مشکوٰۃ باب ایحوز من العمل)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو تدبیر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کا ریح نکل جاوے  
تو اپنے عیب کو چھپانے کے لئے ناک پر ہاتھ رکھ دے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکیر چھوٹ گئی پھر مسجد  
سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کر لے، اگر نکیر سے وضو نہ ٹوٹتا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور  
نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں، اور نہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح البخاری  
نکیر کا مطالعہ فرماؤ۔



عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیے، اسی لیے پیشاب، پانچنا اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھر ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَذْذِمَّا مُمْسِقُوْهَا اِیْ لَیْسَ بِخَیْرِ لِّکُمْ وَ اَلَا بِاَلْوَرِیْحِ سَے ہلال ہوتا ہے۔ تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پانچنا اور ریح نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ اس لیے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بوا سیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوعہ بھی وارد ہے۔ جبکہ کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد و بابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور وصیات ہیں، مگر تکمیل بحث کے لیے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔  
 اعتراض نمبر ۱۔ احمد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَا وَضُوْءَ اِلَّا مِنْ صَوْتِ اَوْ رِيْحٍ | نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے  
 اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہیے الا حصر کے لیے ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پانچنا، بلکہ عورت یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جادے تو جو تمہارا جواب

ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی

اِذَا فَعَلْتَ أَحَدَ كُمُ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَاسْكَنْ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْئًا أَمْ لَا فَلَا يُخْرِجُكَ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا يَجِدُ رِيحًا۔

جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پاتے اس بیٹے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے یہاں تک کہ آواز نہ آئے یا بو پائے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے۔ جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو، حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اغتراض نمبر ۲۔ حاکم نے حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهُ كَانَ فِي عَزْوَةٍ ذَاتِ الزَّوَارِعِ فَرَمِيَ بِحَبْلٍ مِنْهُ فَتَوَقَّاهُ الدَّمُ فَزَكَّاهُ وَسَجَدَ وَصَلَّى فِي صَلَاتِهِ۔

کہ آپ غزوہ ذات الزوارع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا، مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلتا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب۔ اس اغتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے، تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب یا خانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز پائے کہ ہر سالانہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیے، لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت

سے عمل کیا، معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی۔ اس لئے ایسا کر گزرے۔  
تیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں  
عرض کر چکے، لہذا ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے  
پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِي جُذِّعَ لَكَ الْغَدُوكَ لَئِنْ لَمْ يَكُنْ  
أَوْفَرًا مَّا تَأْتِيكَ فَطَرْتَهُ زَيْتًا مِّنْ زَيْتٍ عَذْبٍ كَبِيرٍ۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ  
ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی۔ لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔  
پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں  
تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوعہ اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو  
اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے، اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے  
یہ ہوا بہر حال حدیث کی طرح قابل عمل نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ اگر خون وضو توڑتا ہے۔ تو پلہیے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے  
جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، اسے یا صرف ایک قطرہ ہی نیچے، جب تھوڑا خون یعنی نہ  
بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے اگر ناقص وضو ہے تو خواہ  
مٹہ بھر کر بھی تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے۔ یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب۔ الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب  
پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ میں دیے ہی آپ کا قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے  
پیشاب مطلقاً گندہ ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندہ ہے، رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے  
أَوْ دُمًا مَّسْفُوحًا نہ بہنے والا گندہ نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر  
گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو  
آنتوں میں پانچواں اور شانہ میں پیشاب بھرا ہے۔ مگر پاک ہے اس لئے آپ کی نماز درست ہوتی  
ہے۔ اگر یہ ناپاک ہوئے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے  
ہی گندہ انداز سے خون ہو گیا جو جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون

چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے۔ جب یہ سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو۔ پیشاب کی جگہ شاذ ہے، وہ شاذ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر چھٹکتا ہے، لہذا نجس ہے اگرچہ ایک بلند ہو کر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے۔ اگر کہیں سوئی چھو گئی اور خون چمک گیا، مگر بہا نہیں، تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے، ناپاک نہیں، ہاں جب بہے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے، اگر خون بہ کر توڑے گا۔ غرض کہ خون کا نکلنا اور بہے چمکنا کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ جتنی شرح بخاری نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔  
 اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَكَلَّمَ بَيَوتًا۔  
 بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور وضو نہ کیا۔

اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب۔ ماشاء اللہ کیسا نفیس اعتراف ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پانچا نہ بھی وضو نہیں توڑتا، جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی۔ وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، ہاں اگر حضور فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے۔ اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون دفعے کے ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراف نمبر ۵۔ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا کمیر آجائے تو وہ وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون دفعے سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْوُضُوءُ مِمَّا قُتِلَتْ

النَّارُ اگ کی بجلی پینر کھانے سے وضو ہے، وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھار کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے، یہ ناقض وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب :- واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آج تک کسی کو نہ سوچا ہوگا۔ ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عرفی معنی خود حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا، هَذَا وَضُوٌّ عَرَفِيٌّ مَسْتَنَّهُ النَّارُ اگ کی بجلی پینر کھانے سے وضو یہ ہے، یہاں آپ یہ معنی چھوڑ کر غیر معروف معنی کیوں مراد سے رہے ہو۔ نیز اس حدیث میں یہ ہے کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے۔ تو وضو کرے اور نماز کی بنا کر سے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا ہائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا۔ لہذا آپ کی یہ توجیہ محض باطل ہے۔

## تیسواں باب

### نپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، گڑھے یا گھر سے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی نپاکی گر جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے گا، کہ نہ پیا جاسکتا ہے، نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پشیاں کنوئیں کو گند کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی ان کے احکام سے پاک نہ ہیں۔ مگر غیر منقلد و ہلکی کہتے ہیں کہ جب پانی دو ٹکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے نپاک نہ ہوگا، جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بد سے، لہذا ان کے نزدیک کنوئیں میں خوب گھومو تو کنواں پاک ہے شرعی سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ



عند کو گالیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے گندگی گر جانے پر کنوئیں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کو مشاب کیوں نہ پینے دیا۔ حنفیوں کو چاہیئے کہ نہ تو غیر مغلد و باہیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بے تحقیق پیئیں۔ ان کے کنوئیں اکثر گندے ہوتے ہیں، جن سے یہ لوگ کپڑے دھوئے، نہانے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور آوازے کتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو تفصیل کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو، اور اس میں کتنا ہی پانی ہو۔ اگر اس میں ایک قطرہ شراب یا مشاب یا چوبائی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر پاک کیئے اس کا پانی باستعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۴۴۱۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ  
كُحِّيَ أَنْ يَبَالِي فِي الْمَاءِ التَّارِكِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ بِهِ  
نمبر ۴۴۲۔ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ  
أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جَبْنٌ  
فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَاهُ بَيْرَةَ قَالَ  
يَتَنَاوَلُكَ تَنَاوَلًا  
منع فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ  
ٹھہرے پانی میں مشاب کی جاوے پھر اس وضو کیا جاوے  
فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص ٹھہرے  
پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے البواسطہ  
نئے پوچھا کہ اسے ابو ہریرہ پھر جانی کیا کرے،  
فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔

بہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبد الرزاق، وغیرہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے

بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گڑھے، کنوئیں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل، اگر ایسا کر لیا گیا تو پانی گندہ ہو کر قابل استعمال نہ رہے گا۔ اگر درہنگے پانی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ممانعت نہ فرماتے  
 نمبر ۱۲۱۔ نزدیکی عالم دست رک، ابن عساکر سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 إِذَا دَلَعْتَ الْكَلْبَ فِي الْأَنْاءِ غَسِلَ سَبْعَ  
 مَرَّاتٍ أَوْ لَهَتْ بِالْتَرَابِ وَإِذَا دَلَعْتَ  
 الْهَرَّةَ غَسِلَ مَرَّةً الْلفظ لابن عساکر

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
 جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار  
 دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور  
 جب مٹی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے

ان احادیث سے پتہ چلا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور  
 ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر مٹی برتن سے پی سے تو ایک بار ہی دھویا جاوے برتن خواہ  
 چھوٹا ہو سبب سے ہانڈی، ٹوٹا یا ٹبر جس میں دو چار ٹکے پانی آجاوے اگر درہنگے پانی کسی نجاست سے  
 ناپاک نہیں ہوا تو وہ برتن کیونکہ ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور  
 پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہو گیا تو پانی یقیناً نجس ہو گیا خواہ درہنگے ہو یا کم و بیش۔  
 نمبر ۱۲۵۔ دارقطنی، طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔

أَنَّ عَلَامًا وَقَعَ فِي بَيْتِهِ مَزْمٌ  
 فَزَوَّجَتْ۔

زمانہ صحابہ میں چاہ نہ مزم میں ایک لڑکا گر گیا، تو  
 کنوئیں کا پانی نکالا گیا۔

نمبر ۱۲۶۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

أَنَّ جَبْشَةَ إِذَا وَقَعَ فِي زَمْرَةٍ مَرَدَّةَاتٍ فَأَمَرَ  
 بِهِ ابْنُ الرَّبِّ يَفْنِزُ حَمْلَهَا فَيَجْعَلُ  
 الْمَاءُ لَا يَنْقَطِعُ فَتَنْظُرُ فَإِذَا عَيْنُ  
 رُبِّي مِنْ قَبْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ

کہ ایک حبشی چاہ نہ مزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ  
 ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا گیا، پانی ختم نہ ہوا تھا  
 اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سنگ اسود کی  
 طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ

ابْنُ الزُّبَيْرِ حَسْبُكُمْ

نے فرمایا کہ کافی ہے۔

نمبر ۱۸۔ بہیقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبَّتَيَّاقَعَا فِي نَرٍ مُزْمَقَمَاتٍ فَأَنْزَلَ رَجُلًا إِلَيْهِ فَأَخْرَجَهُ ثُمَّ قَالَ اضْرَحُوا مَا فِيهَا مِنْ مَاءٍ۔

وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہہاں زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو انار اس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنوئیں میں ہے اسے نکال دو۔

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنوئیں نجس ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں، تیسرے یہ کہ اگر کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پردہ نہ کی جاوے، جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، چوتھے یہ ہے اس کا مضائقہ نہیں چوتھے یہ کہ جس ڈول وری سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے، اگر غیر مقلد و تابعی ان احادیث میں غور فرمائیں تو امام صاحب کو گالیاں دینا، حنفیوں کا مذاق اڑانا آواز سے کتنا چھوڑ دیں۔

نمبر ۱۹۔ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي التَّطْيِيرِ وَالسُّتُورِ وَنَحْوِ هُمَا يَقَعُ فِي الْبُئْرِ قَالَ يُنَزَّحُ مِنْهَا أَرْبَعُونَ دَلًّا۔

امام شعبی چٹیا، تابعی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مرجاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ فِي زُجَاجَةٍ دَقَعَتْ فِي بَيْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ يُنَزَّحُ قَدْرُ أَرْبَعِينَ دَلًّا أَوْ خَمْسِينَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهَا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔

نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت مسرہ اور نادان سے روایت کی۔

عَنْ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا سَقَطَتْ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

الْفَارَقَةُ أَوَّلَ الدَّائِمَةِ فِي الْبَيْتِ فَيُخْرِجُهَا  
حَتَّى يَغْلِبَ السَّاعِرُ -

ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوبایا کوئی اور جالو کنوئیں میں  
مر جائے تو اسکا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے

نمبر ۲۲ - طحاوی نے حضرت ابراہیم خلی تاہی سے روایت کی -

عَنْ إِبْرَاهِيمَ فِي الْبَيْتِ تَقَعُ فِيهَا الْفَارَقَةُ  
قَالَ يُنَزَّحُ مِنْهَا دِلْوًا -

ابراہیم خلی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوبایا  
جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں -

نمبر ۲۳ - شیخ علاؤ الدین محدث نے سہو الطحاوی حضرت انس سے روایت کی (رواۃ اطم)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفَارَقَةِ إِذَا مَا تَنَزَّحَ  
فِي الْبَيْتِ وَأُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَةِ مَا يُنَزَّحُ  
مِنْهَا عَشْرُونَ دَلْوًا -

حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا  
کہ جب چوبایا کنوئیں میں گر جاوے اور فوراً نکال لیا  
جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں -

نمبر ۲۴ - ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد بن مسلمہ سے روایت کی -

أَنَّ عَدِيًّا سَأَلَ عَمْرًا بَالَ فِي بَيْتٍ قَالَ  
يُنَزَّحُ (انتصار الحق ص ۲۵)

حضرت علی سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں  
میں پیشاب کر دے تو کیا کنوئیں کا پانی نکال جائے -

یہ جو بیس روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنوئیں نجس  
ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری  
شریف کا مطالعہ فرمادیں -

عقل کا تقاضا ہے کہ کنوئیں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں کیونکہ جب  
نجاست لگ جائے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو تہی چیز ہے جس میں  
نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے - بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیے - نیز جب دو ٹکے  
دردھ تیل - پتلا گھی - شہد - کشتی نجاست پڑھنے سے نجس ہو جاتے ہیں - تو پانی ان چیزوں سے  
زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیے - ورنہ فرق بیان کر دو کہ دو ٹکے دردھ کیوں ناپاک  
ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں نجس ہوتا اس لیے کہ کار محمد رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سوکر  
جاگو تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں نہ ڈال (درمسم و سناری)، پانی خواہ دو قفے ہو یا کم و بیش، دیکھو  
بے درد آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے

مختلف ہیں تانبے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جوتا صرف پلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، انجن زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ نجس کپڑا و جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ ملکر نہ جانے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ بہر حال حق یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات جوابات

اب تک غیر متلاہم واپی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بھناؤ کنوئیں سے دھو کر سکتے ہیں، بھناؤ ایسا کنواں تھا، جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

قَالَ قَبِيلُ يَارَسُولَ اللَّهِ اَتُتَوَضَّأُ مِنْ بَيِّنٍ بَضَاعَةٍ وَهِيَ بَيِّنٌ يُتَّقَى فِيهَا الْحَيْضُ وَلِحَوْمُ الْكِلَابِ وَالتَّنُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهَّرَهُ لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ

بھناؤ مذہب پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی حتیٰ کہ مرنے والے بھی پھینک دیے جاتے تھے، مگر اس کے باوجود مہرکار نے کنوئیں کی گندگی حتیٰ کہ ناپاک کا سکھ نہ دیا تعجب ہے کہ حضور تو بھناؤ کنوئیں کو کھتے، حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مگر امام ابو حنیفہ ایک قطار پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں جنہیں کایہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے کیا ابو حنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاک دشمن تھے۔



جواب :- اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیے کہ گھر سے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کنوئیں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کنوئیں کتنا ہے جو مرے کنوئیں حیض کپڑوں اور بدبو دار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ، بو، مزہ نہ بدے اور رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مٹی سے کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیے کہ وہابیوں کے کنوئیں میں مرادار کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبو دار پانی کو پیتے رہو، تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کر نیکو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مرادار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب التکرار ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کرو، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بعض کنوئیں ہمارے ملک کے کنوئیں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا۔ جیسا کہ آج کے مظفر کے کنوئیں نہر زبیدہ پر بستے ہوئے ہیں، اور مدنیہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت وہ آب رواں کی نہیں ہیں، چونکہ پانی جاری تھا، اس لیے جو گندگی گری بگنی، پاک و صاف پانی آگیا نہ اس میں بونہی، نہ کوئی گندگی جاری نہر اور جاری دیا

کا حکم یہ ہی ہے۔

چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

أَنَّ بِئْرَ بَصَانَةَ كَانَتْ طَرِيقًا لِلْمَاءِ  
إِلَى الْبَسَاطِينِ كَمَا كَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقِرُّ فِيهَا  
بِضَاعَةُ كُنُوزٍ أَوْ كَارِاسَةِ نَحَاجٍ أَوْ نَحَاجٍ فِي جَانِبِهَا  
اس میں پانی ٹھہرتا نہ تھا۔

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہو گئیں اور مشد یا نکل مل ہو گیا۔ لہذا کنواں گندگی گرنے سے

نچس ہو جاتا ہے۔

اختراصل نمبر ۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَهُوَ يُنَادِي عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِيهِ  
الْغَلَاظَةُ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يُنَوِّبُهُ مِنَ  
السَّبَإِ وَاللَّذَائِثِ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ  
قَلْبَيْنِ كَمْ يَحْمِلُ الْغُبْثَ  
فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو  
سالا نکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو  
جنگلوں میں ہوتا ہے، جس پر درختوں سے اور جانوروں  
دارد ہوتے ہیں، تو حضور نے فرمایا کہ جب پانی دو  
ٹنگے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو ٹنگے پانی نجاست گرنے سے نچس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق  
سے روایت کی کہ دو ٹنگے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نچس نہیں ہوتا تو کنوئیں  
میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے، وہ کیسے نچس ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ دو ٹنگے پانی کبھی نپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے خبث میں مقدار  
نجاست کی قید نہیں تو چاہیے کہ اگر دو ٹنگے پانی میں چار ٹنگے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بول، مزہ،  
رنگ سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہ پانی پیتے رہیں، رنگ و بول نہ بدلنے کی قید تم نے  
کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ كَمْ يَحْمِلُ الْغُبْثَ کے یہ معنی کیسے ہوئے کہ نچس نہیں ہوتا اس کے معنی ہیں  
نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نچس ہو جاتا ہے، جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال  
باطل ہے۔

تفسیر سے یہ کہ اگر یہی معنی کیے جاتیں کہ دوشکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام چیزوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور نے فقہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دوشکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا محمد اللہ ابن عباس نے سپاہ زمزم میں ایک حدیثی کرنے پر اس کا پانی ٹھکرایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں شکے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلمتیں قلمت کا تثنیہ ہے۔ قلمت شکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قدر و قامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلم کے معنی انسانی قدر و قامت ہے۔ اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور قدر و قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی کو بہا لے جا دیگا۔ فوراً دوسرا پانی آدے گا، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا۔ اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔ یہ وجہ بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اگر قلم کے معنی ہوں شکا تو پتہ نہ چلے گا۔ کہ کتنا بڑا شکا کہاں کا شکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں۔ نیز یہ خبر نہیں کہ مشکیزہ کتنا بڑا اور کہاں کا غیر شکہ حدیث محل ہوگی، محل پر عمل ناممکن ہے، پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دوشکے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو فٹ سطح ہوگی دو۔ اب چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو گیا، لہذا معمولی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لیا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔ حیرت ہے کہ جب کنوئیں میں پچھڑا مگرٹی جس سے جس سے سارا کنوئیں ناپاک ہو گیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو باقی کو کسارا کنوئیں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔ صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کرا ماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا۔ اگر کل کنوئیں ناپاک ہو گیا تھا۔ تو تیس ڈول نکل جانے سارا پانی پاک کیسے ہو گیا۔

جواب۔ یہ کرامت دہا بیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب کنوئیں کا پانی بوسرہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنوئیں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہاں مساجد اسے پاک کریں۔ بتاؤ اس صورت میں کل کنوئیں ناپاک ہو اے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک

ہو بسے، تو وہاں ہوں کا ڈول واقعی کرائی سب سے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گندہ پانی نکال لایا۔ اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنواں نپاک ہوا تھا تو کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو گیا یہ کیسے ہوا اس کا جواب دہانی دیں گے وہ ہی جاری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں نپاک ہو جاتا ہے۔ مگر نپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ دیکھو مٹی نپاک ہے۔ لیکن جب کپڑے میں لگ کر خشک ہو جاوے، تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے، اکیسے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہو گیا۔ صرف آسانی کے لئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر چڑیا چوہا مرنے سے کنواں نپاک ہو جاتا ہے۔ تو نپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہو گئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈول ڈالا گیا، تو وہ ڈول وری بھی نجس ہو گئی تو چاہیئے تھا کہ اسے پاک کر نیکو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول وری بھی پاک کی جاتی۔

جواب :- اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے کنوئیں کی دیواریں اور ڈول وری دھونے میں سخت دشواری تھی۔ اس لیے اس کی معافی دی گئی۔ تم بھی اپنے گندے کنوئیں پاک کرنے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوئے ہو نہ ڈول وری آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور بعض کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہہاں نہ مزم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول وری۔

# چوبیسواں باب

## نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقر عید گاؤں میں نہیں ہوتی۔ ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی طعنے جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آکر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقلد و بالی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلوں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نہوٹے ضحیٰ و دمی، خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں۔ ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں۔ اور وہاں کوئی ساکم بھی رہتا ہو۔ جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

## پہلی فصل

نماز جمعہ وعیدین کیلئے دوسری شرط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا قضاہ شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل و لا خطہ ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔

نمبر ۱۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّعَىٰ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے ہیں جمعہ کے لئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاموں کو چھوڑ دینا جس سے اشارہ معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا جہاں تجارتی کاموں کا





قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ أَدَاةَ الْيَسَلِ إِلَى  
أَهْلِهِ

فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات  
تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

أَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ كَانُوا يَجْمَعُونَ مَعَ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

قباء والے لوگ جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳ اور ۱۴۔ موطا امام مالک باب الْأَجْمَعَةُ فِي الْعَوَالِيِ اور موطا امام محمد باب صَلَوةِ  
الْعِيْدَيْنِ وَأَمْرُ الْخُطْبَةِ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبیدہ بن جریج عن ابی الزہرہ ہے۔

قَالَ شَيْخُ الدُّنْيَا الْعَبْدُ الْمُتَّقِيُّ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلَّى  
ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ نَكَمٌ  
فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيْدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ  
مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ  
فَيَنْتَظِرُ هَا وَمِنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ  
فَقَدْ آذَنْتُكُمْ۔

فرمایا میں حضرت عثمان کے ساتھ نماز عید میں حاضر  
ہوا اپنے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن  
میں دو عیدین جمع ہو گئی ہیں، تو گاؤں والوں میں  
سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ  
کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت  
دیتا ہوں۔

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ  
وعیدین پڑھنے کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ سکتے تھے  
اگر گاؤں میں نماز جمعہ جیسے موتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے۔ گرد و غبار پیش اور پسینہ کی زحماتیں  
اٹھا کر جمعہ وعیدین کے ایسے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ سناری کے لفظ یَنْتَظِرُ الْجُمُعَةَ اور موطا کے لفظ أَنْ  
يَرْجِعَ سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور

صرف عید پڑھ کر جمعہ کے دن تقی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جائیگا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو نہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کے دن جمعہ تھا۔ جس میں ایک لاکھ سے  
زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھانے کو کہے  
حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات

نے گاؤں میں جمعے قائم کیے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے۔

صحابہ کرام سے کہیں منقول نہ ہو اگر جب انہوں نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعے قائم کیے ہوں۔

وَبِهَذَا التَّمَيُّقْلُ عَنِ الصَّحَابَةِ حِينَ  
فَتَحُوا الْبِلَادَ وَاسْتَعْلَوْا بِصُحُبِ الْمَنَازِلِ  
وَالْجَمْعِ الْأَفْنَى الْأَمْصَادِ

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو یا کرا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعے قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کیلئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرض کہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیے گا کہتے ہو۔ قرآنی مطلق حدیث واحدہ مفید نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی تو چاہئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھا لیا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ محل ہے اور محل کی تفصیل حدیث واحدہ سے بھی ہو سکتی ہے تفسیر سے یہ کہ یہ احادیث واحدہ نہیں عرفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا۔ سنگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی، جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحدہ کیونکر ہوگی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے مکہ جمعہ کے ساتھ فرمایا وَذُرُوا الْيَتَامَىٰ جِثًا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعترض نمبر ۲۔ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جواثی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے پندرہ جواب ہیں ایک یہ کہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔  
 وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمَةٍ  
 دیکھو اس آیت میں کہ معظمہ وظائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مگر معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور فرماتا ہے۔  
 وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ | آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔  
 دیکھو اس آیت میں مگر کو قریہ فرمایا گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

ع۔ حَتَّىٰ إِذَا آتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ بِأَسْطِطْعَا  
 اَهْلِيهَا۔  
 یہ دونوں (موسیٰ وغیرہ علیہما السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا

اس آیت میں انطکیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جواثی

گاؤں تھا، بلکہ شہر تھا۔ چنانچہ صحاح میں ہے

أَنَّ جَوَاثِي حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ جَوَاثِي بَحْرَيْنِ میں ایک قلعہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر) مبسوط میں ہے

إِنَّهَا مَدِينَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔

بہر حال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جواثی قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر

یہاں قریہ یعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت

شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے

وقت بھی گاؤں تھا۔ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراف نمبر ۳۷۔ یہی شریف میں بروایت عبدالرحمن ابن کعب بن کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زرارہ نے مقام حرہ بنی میانہ پہنچایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے و کعب سعد بن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی ہستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادت کرتے ہیں ہم بھی عرب کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سعد ابن زرارہ نے حرہ بنی میانہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائ اور وہاں عرب کے دن جمع ہونا نماز و دعا کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہاد ہی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق یہی ہے اسی مقام پر اور فتح القدر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مرد و عجمہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی میانہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں سے تھا۔ یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ و عیدین جائز ہیں۔

اعتراف نمبر ۳۸۔ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب زریق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد ابن شہاب نے زریق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب۔ اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں شکہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری



میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے  
سالم نے ان سے عبد اللہ بن عمر نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چڑھا  
جمعہ اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب  
کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراف نمبر ۵۔ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علیؓ کے اقوال ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جاسکتا ہے۔  
جواب۔ صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے۔ اور یہ حدیثیں  
اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے  
کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لئے شہر کی صراحت قید نہ لگائی گئی اور پھر آپؐ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ  
جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپؐ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے بلکہ سفور صلی اللہ علیہ وسلم  
سے سن کر فرمایا اسی لئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعہ نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوعہ  
کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراف نمبر ۶۔ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی  
صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔  
جواب۔ یہ اعتراف تم پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے  
جماعت سے جنگل میں گھر میں مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔ اللہ کے بند و جب جمعہ اور ظہر میں بہت  
سے فرق ہیں کہ ظہر کی کعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت نمونہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں  
جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ  
شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لئے اذان عام کی جگہ  
ہذا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں جب جمعہ اور ظہر میں اتنے  
فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ  
ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ہجرت سے پہلے کہ معظمہ میں جمعہ  
پڑھا۔ اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت کہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا۔

اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیے دونوں چیزیں شرط ہیں۔  
اعتراف منبر پر۔ یعنی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل  
ہے اگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز نہ کیوں ہو گیا۔

جواب۔ حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی  
بنے ہوئے ہیں حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں ساکم بھی موجود ہوتا ہے۔ اس  
لیئے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں وہابی دکان پر کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض  
میدان ہے چاہے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ  
ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی۔ قربانی۔ حجامت۔ طوائف زیارت یہ سب دسویں  
تاریخ کو کیئے جاتے ہیں ان کی ادائیگی شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ  
عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

(فوسٹ خکووردی) جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے  
کا تاکید حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

## پچیسواں باب

### نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

اسناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو  
سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی ورد شریف اور  
دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الہی یا دعا کی نیت سے پڑھے  
تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں  
دیکھو ناپاکی اجناس کی حالت میں آیتہ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی

نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ  
 الْعَالَمِیْنَ۔ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر تلاوت قرآنی  
 کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقدور ہوا کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت  
 قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں،  
 پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

## پہلی فصل

### اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تَقْصِرْ عَلٰی اَحَدٍ مِنْهُمْ مَّاتٍ | منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ پر جنازہ نہ پڑھے

آیت کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ میں علیٰ ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت  
 دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا | اے مسلمانو تم نبی پر درود و سلام پڑھو

یہاں صَلُّوْا عَلَیْہِ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود دعا مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد علیٰ ارشاد ہے جب  
 صلوٰۃ کے بعد علیٰ ہو تو وہ یعنی دعا و رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ  
 و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے توجہ الہی و درود شریف چاہیئے چونکہ  
 جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لئے اس میں رکوع  
 سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ مؤطا امام مالک میں بروایت نافع عن ابن عمر ہے

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا یَقْرَأُ عَرَفِی الصَّلٰوۃِ | سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن  
 عَلِی الْجَنَائِزَةِ دفع القدیر نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۔ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔

عَنْ سَمِیْنٍ مِّنْ اَبَاہُرَیْرَةَ کَیْفَ یُصَلِّیْ | روایت ہے اس سے حضرت ابوہریرہؓ سے

عَلَى الْجَنَائِزَةِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا  
لَعَمْرِكَ أَخْبَرْتُكَ أَتَّبِعُهَا مِنْ عَنِّي  
أَهْلُهَا فَإِذَا وَضَعْتُ كَبَّرْتُ وَحَمَدُ  
اللَّهِ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ  
أَقُولُ اللَّهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ  
عَبْدِكَ وَابْنُ أُمْتِكَ كَانَ  
يَشْهَدُ الْخَوَافِ (رفیع)

پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں تو آپ نے  
فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے  
گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت  
رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس  
کے نبی صلعم پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا  
ہوں الہی تیرا یہ بندہ تیرے فلاں سے بندہ سے فلاں  
بنی کی کاویکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ

غور کرو کہ حضرت ابو ہریرہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد درود دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن  
کا بالکل ذکر نہیں معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۴۳۔ ابو داؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت فرمایا۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلَصُوا  
لَهُ الدُّعَاءَ۔  
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم  
میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خالص  
دعا کرو۔

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے  
لیے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات دہائی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔  
کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص  
اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی تلاوت نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں  
میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات، ودعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جہت سے کہ نماز میں  
بجز دعا کے کچھ نہ ہو رہی حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے ادب میں سے ہے  
بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انتہی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید  
کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۔ عینی شرح بخاری جلد دوم ص ۱۵۴ باب قراۃ الفاتحہ علی الجنائزہ میں

حسب ذیل اس حدیث میں۔

وَمِنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى  
الْجَنَازَةِ وَمِنْكُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ  
ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَالْبُؤَيْرِيُّ  
وَمِنْ النَّابِغِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدٌ  
وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَابْنُ سَيْرِينَ وَسَعِيدُ  
ابْنِ جَبْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ  
الْثَّوْرِيِّ قَالَ مُجَاهِدٌ وَحَمَّادُ  
الشَّوْزِيِّ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ  
لَيْسَتْ مَعْمُولًا بِهَا فِي بَلَدٍ نَافِي صَلَاةِ  
الْجَنَازَةِ۔

اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ  
کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں  
حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن  
عمر اور ابو ہریرہ میں ازنا بعلین میں سے حضرت عطاء  
طاووس، سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید  
ابن جبیر، امام شعبی اور حکم میں۔ ابن مسفر کہتے ہیں  
کہ یہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک  
فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ  
کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج  
نہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو، کیونکہ عام نمازوں میں جیسے  
تلاوت قرآن کرنا ہے ویسے ہی انہیں کرنا، سجدہ، التحیات میں بیٹھا بھی کرنا ہے، اور ان نمازوں  
میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو کرنا۔ سجدہ  
التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا  
ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی  
حضرات کو چاہیے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو کرنا سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں  
پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے  
سافر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز  
جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مردہ بچکانہ نماز نہیں سمجھتے، بہر حال نماز  
جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔



## دوسری فصل

## اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جن قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے ادیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائیگا۔  
اعتراض نمبر ۱۔ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْنٍ  
قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى  
جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِهَا تَحْتَ الْكِتَابِ وَقَالَ  
لَتَعْلَمُوا أَنَّهُ سُنَّةٌ

روایت ہے طلحہ ابن عبد اللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لیے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

**جواب۔** اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ فقہاء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی، تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر معی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ نہایت حمد و ثناء پڑھی یا نہایت تلاوت، نہایت دعا و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں، چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لیے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ سلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ سبجائے دوسری ثناء اور دعا کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز

جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، ساتویں یہ کہ سچر سیدنا عبداللہ ابن عباس کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ يَثْبُتَ الْقَضَاءُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قراءت ثابت نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل محمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، البداوی، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدَّثَنَا إِبْنُ عَبَّاسٍ | ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ البداوی نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے البداوی کا نام لے گئے (مرفوعہ) تفسیر سے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لیں تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورۃ

فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے  
 واحتمال دارو کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش  
 ازال بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ  
 آلاں متعارف است  
 یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 نماز جنازہ سے پہلے یا بعد جنازہ پر برکت کیلئے  
 پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ  
 حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جوازا یا استحباب ثابت کرنے کے لئے نہایت کھری صحیح مسکاتی  
 حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لئے ایسی محفل اور منکر وضعیف حدیثیں  
 پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراف نمبر ۳۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔  
 حدیث شریف میں ہے۔ لَا صَلَوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (یعنی سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی)  
 نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی پایا بیٹے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرے تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ  
 میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نماز دل میں یہ بھی فرض ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ  
 نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں،  
 جیسے دنوں قبلہ کو رخ۔ اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی اگر نہ رکھا جاتا۔

## خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند ہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل  
 باغ باغ ہو جاویں، گمشدہ عقیدے کے ایسے معمول سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان مہک  
 جاویں، کیونکہ وہابی غیر تقلیدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گہرا گیا۔

## ۲۶۷ پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر منقولہ وہابی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحبت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پختہ پائیاں کئے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے امام اعظمؒ کی تاریخ ولادت سبک اور تاریخ وفات کو کم جہاں پاک لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض اصناف نے کہا وہابی اور گد کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ لکھ بھی مردار خورد ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی، غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس کے عدد چوبیس، وہابی چوبیس کی طرح دین کرتے ہیں، گد کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے مدد ہو، دل نہ پاتا کہ اس عالی جناب کے کچھ سلاط اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شاید رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لئے کفارہ سیات بنا دے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرما دے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب :- حضرت ام ابو حنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق نثار اور آپ کے خاص مقررین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو سچے تھے حضرت علی مرتضیٰ کے پاس دعا کیلئے لے گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ثابت کیلئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیزران قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ و خالص دعا مانگ ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس ابن مالک

جو بصرے میں تھے، اب اللہ ان ابی ادنیٰ جو کوفہ میں تھے، ہیسٹ ابن سعد ساعری جو مدینہ منورہ میں تھے ابو طیفل عامر ابن واصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔ حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کر نیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم و مل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب - حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حدود سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ حیدر کرب رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چلنے دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں، ہمارا رسول رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ و کرمہ ہم تبرک کے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں، جنہیں سنیں اور بار بار پڑھیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشینگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔ اگر ایمان شریا تار سے کسے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے ملے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین شریا تار سے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔

كَوْكَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثَّرِيَّا لَتَشَاوُلَهُ رِجَالٌ مِّنْ أَهْلِ فَارِسٍ وَفِي رِوَايَةِ الْبَغَائِرِيِّ وَالْمَسَامِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَوْكَانَ الثَّرِيَّا مَعْلَقًا بِالثَّرِيَّا لَتَشَاوُلَهُ رِجَالٌ مِّنْ فَارِسٍ۔

تباؤ فارسی النفس میں اس شان کا امام اعظم ابو سفیان نعمان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کون ہوا؟



۲ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَرْفَعُ رِزْقُكَ الدُّنْيَا سِتَّةَ حُمْسِينَ | سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی رزقیت اٹھالی جاوے گی۔

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیا سے شریعت کی رزقیت کی رونق علم و عمل کی ریزائش تھے، امام کردی نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

۳ حضرت امام اعظم دنیا سے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

۴ حضرت امام اعظم تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد و چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاد و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم میں باقی علماء و تارے۔

۵ امام اعظم رحمۃ اللہ کے بلا واسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں جن میں سے اکثر مجتہد ہیں۔ جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیا سے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نو سو نو سے زنی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۶ تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار

چار فرشتے صحابہ میں افضل واسطے پیار یار، علمائے مجتہدین میں افضل پیار ہاں، پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل چار کتبوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، پیار یار میں ابوبکر صدیق افضل پیار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد ہیں، وہ ان سب کے والد۔

ع ۷ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہ سوار چنانچہ آپ نے پالیس سال عشاء کے وقت سے فجر کی نماز پڑھی، پالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے۔ باہر طلباء کو کھانا دیا۔ گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں اور ایک سارے مہینہ میں تراویح میں مکتدیوں کیساتھ پچیس حج کیے۔

ع ۸ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیے اکبر اعظم ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہ کی قبر النور پر حاضر ہوتے۔ تو حقیقی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازل نہ پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام واجب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں اور میرے آئمہ غلطی پر کہہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہنا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے۔ تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

ع ۹ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ستر بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ وہ الجہاز میں تفصیل وار درج ہے۔

۱۰ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اقواد حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ابراہیم، شقیق طحی، معروف کنجی، حضرت یازید بلسامی، فضیل ابن عیاض خراسانی، واود ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو عابد لفاف خزندی یعنی خلیف ابن ایوب، عبداللہ ابن مبارک دلی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابو بکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت وانا گنج بخش جویری جن آستانہ مرجع خلافت ہے حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام پشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۱ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، عربین، طہیین میں اکثر حنفی بلکہ دنیا بھر اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلج، بنگالہ، کابل، قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی و کھنفسہ میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی کم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

۱۲ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الامتصار الامام ائمۃ الامصار و جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبیض الصحیفۃ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبداللہادی حنبلی نے تنویر الصحیفۃ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی جس میں ابن عبداللہ کا قول نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ جلیلا عالم، فقیہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ امت مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں۔ مگر مٹھی بھر دہائی ان کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر سچا ڈر سورج کو بڑا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا، جیسے آج ردافض حضرات صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی دہائی غیر معتد حضرات امام پر۔

ع ۱۳ تمام ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریب ہے، کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ہجری میں ہے آپ تابعی میں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات و راایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبد اللہ ابن ابی اوفی جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں! آج بزرگوں سے ملنے دنیا کچی آتی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔ بہر حال آپ تابعی ہیں۔ اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرآن میں ہوئے۔ خیال رکھئے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سنہ ہجری میں ہے۔ وفات سنہ میں۔ عمر شریف ستر سال، مزار شریف بغداد میں، امام مالک کی ولادت سنہ ہجری میں وفات سنہ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف سنہ میں وفات سنہ عمر شریف ۵۴ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن منبل کی ولادت شریف سنہ میں وفات سنہ میں عمر شریف ۷۷ سال۔

ع ۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کیئے جو دوسرے ائمہ کو حاصل نہ ہوئے۔ کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔ **لَوْ كُنَّا الْإِثْنَانِ لَهَلَّكَ الْإِنْعَانُ** اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جانا۔

ع ۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق کے مظہر اتم ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر

مصدق نے امت مصطفویٰ کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ یکسر نہ دیا، امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر و الحاد و زندہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار و مرتدین کے قتلوں سے محفوظ ہے۔

ع ۱۶ جیسے حضور غوث اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر

غوث اعظم در میان اولیاء | چوں جناب مصطفیٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لیے طریقت کے امام اول کا لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اول کا لقب امام اعظم بغداد شریف معجم بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

## دوسرا مسئلہ

### تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہاد الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر تقلیدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرمادیں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے آمین۔

خیال رہے کہ امت بھری علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکل التمتہ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یا رکھا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور النور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بِأَيْهِيهِمْ أَقْتَدُ يُتَمِّدُ | میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اِهْتَدَى يُتَمِّدُ =

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی



بدعت کی فسق و فجور سے محفوظ رہا، خود ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَیًّا۔  
رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَسَّرَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَ  
الْعِصْيَانَ۔  
میں صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈال دی۔

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكَلَّا قَعْدَ اللَّهِ الْحُسْنَىٰ  
رب نے تمہارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جس کا ایمان ان کی طرح ہو

وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے کہ فرمایا

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُ بِهِ  
اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لادیں۔

فَقَدْ أَهْتَدُوا۔  
تو ہدایت پر ہوں گے۔

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ

کر۔ بہر حال حضور کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام کے دل روشن سینے نورانی تھے،

وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے خرقے

نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تمام

جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق

پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات

کو آئینہ کی طرح صاف فرمایا امت نے محسوس کیا، کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرض کہ

بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے

ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم کو کبھی

شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زیر لگائے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں زکوع سپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بدلنے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں۔ یہ ہی سال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سپارے بنانا، علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو امانو کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اسجگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن، حدیث عمل امت، عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سینے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

وَأَفَاسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ | پھر اگر تم جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
اسے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امرواے علماء کی، قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولو الامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت بہر حال میں واجب نہیں، صرف انہی احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

اول بوقت کرنوا سے ہاجرین اور انصار اور  
وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے  
راضی ہو یا اللہ سے راضی۔

عَلَىٰ وَأَنسَابُؤُنَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ  
وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ  
رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ ہاجرین، انصار اور  
قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ  
تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔  
عَلَىٰ وَاتَّبَعُوا سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىٰ | اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے  
چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا  
تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

عَلَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ  
كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ | اس ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے  
ساتھ رہو۔

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ  
اچھوں کی سنت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں دوکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں، اور امت  
کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے غیر مقلدوں میں  
اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھاؤ، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولہے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ  
اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں، وہ دوزخ کے قابل  
ہے کیونکہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ چکا ہے۔

عَلَىٰ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ  
الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ | ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستہ کی انکار راستہ  
جن پر تو نے انعام کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں  
دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں حضور غوث پاک خواجہ اجیری خواجہ بہاؤ الدین نقشبند امام  
ترندی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور

وہ بہت غیر مقلدیت طرز پر راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جادوہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہنچائینگے۔

عَنْ وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْهُدَىٰ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کر لیا اسے کفار کی ہے، وہ ہی سزا ان کو دے دیں گی جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔

عَلَىٰ ذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَتَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستہ یا جس مشد کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ واقعہ میں بُرا عام و دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں، مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو بُرا جانتے ہیں۔ لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

## احادیث شریفہ

اس بار سے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔

اتَّبِعُوا الشَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شِدَّةٍ شَدَّ فِي النَّاسِ (مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام المسلمین مقلد ہیں۔ غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲۴ - سلم ترمذی - احمد نے حضرت عمارہ اشعری سے روایت کی۔

جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَبْلَ شَبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ  
(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

حدیث نمبر ۵ - سلم بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان مذنیہ منورہ کی طرف ایسا سمت آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ نِارٌ تَأْتِي مِنَ الْمَذْيَنَةِ كَمَا تَأْتِي الْحَيَّةُ إِلَى حُجْرِهَا (مشکوٰۃ باب المقام)

معلوم ہوا کہ مذنیہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے۔ اور رہیگا۔ وہاں انشاء اللہ کئی کئی گنا الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وطن غیر مقلد ایک بھی نہیں تدریس حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں تفتیش کر کے مقلدین کو جان چھڑائی۔ پھر ہندوستان آکر غیر مقلدین گئے، تدریس حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے۔ مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک و صاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶ - امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑیا ریلوے سے علیحدہ رہنے والی یکانارہ والی یا بچھر جانور الی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گناہیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذُئْبُ الْإِنْسَانِ كَذُئْبِ الْعِزَّةِ يَأْخُذُ الشَّاذَّ وَالْفَاحِشِيَّةَ وَالنَّاجِيَّةَ إِيَّاكُمْ وَالشَّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ۔

(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی جماعت

لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَبَيِّنُ



پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہو کر رہا رہے گا۔

اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ قَاتٍ مَن شَدَّ  
شَدَّ فِي النَّاسِ (مشکوٰۃ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ گیا، امام جماعت مسلمین مقلد ہے۔ لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء، اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد دہاوی نہیں، چنانچہ امام قسطنطینی اور تاج الدین سبکی نے صراحتاً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابو داؤد، نسائی، واقفطی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ طحاوی و امام زمخشری، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المفیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر ضاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد دہاوی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا یہ بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری قرینہ ہے اور غیر مقلدیت نجدت زہر قاتل ہے، ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل نکالنے کے لئے آسان نہیں، ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لئے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لئے اتنے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے فرماتا ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ | وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔  
جیسے قرآن سمجھانے کے لئے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے ائمہ مجتہدین (ع) بھیجے جاتے۔

فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر تقلید و باہیوں کو بار بار اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتا دو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو۔ ہم اہل سنت میں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بنا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بنا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی دہائی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بنے سمجھے رٹ لیں، اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے۔ تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الہادی کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آئمہ آئمہ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

أَحَدُ جَبَلٍ يُحْيِيْنَا وَنَحْيِيْدُ۔ | اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے مستنبط کیئے۔

۱۔ حضور کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں، بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور کے سپاہی تھے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زیچا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں، حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گراں گزرا ہے۔

۳۔ جو بے حضور پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فراتے ہیں امدہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور کی بارگاہ میں عشق و محبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ

دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، اس قدر نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور پر روشن تھا۔ اگر حضور انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

۵۵ تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفویٰ کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

سجاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث :- حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خیر گہرا لگے۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا، جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا، اس لئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چہرے فرما کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

فوائد :- اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ حضور کی چشم مبارک کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پر وہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، انہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور کسی دلی پر نظر کر م فرمادیں تو اس

کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

۳ حضور ہر شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں۔ کہ فرما دیا کہ ایک جھیل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۴ حضور عذاب الہی سے بچانا عذاب دور کرنا بھی جانتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لئے ترشاخیں قبروں پر گاڑ کر فرمایا کہ ان سے عذاب ہٹا ہوگا۔

۵ ترسبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہٹا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے ترسبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۶ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْتَمِعُ بِحَمْدِہِ مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا، ذکر کی تاثیر کے لئے زبان بھی تاثیر والی چیز ہے، لہذا دہلی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جس کے دل میں محبت مصطفیٰ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۷ مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جہنم کہ یہ تر رہے گی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۸ حلال ہالور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کر لو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا دَلَّہُمْ عَلٰی مَوْتِہِمَا کَاٰدَاۤیْتُمَاۤیْتِیۡنِ | جنات کو حضرت سیدمان کی وفات نہ بتائی مگر قَاۤیِلُ یٰۤاٰدَمُ | زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔

حضرت سیدمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ

اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیکھ کر لاشی کھالی۔ لاشی گر نیکی  
وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ کام  
چھوڑ کر ہٹا گئے۔

فائدہ ہے۔ اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گھنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام  
کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

۲۔ انبیاء کرام کے اجسام شریف کو کثیر انہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیکھ کر حضرت سلیمان کی لاشی کھائی  
پاؤں شریف نہ کھایا لہذا یعقوب کو یقین تھا کہ یوسفؑ کو بیٹھنے سے نہ کھایا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں

۳۔ پیغمبر کا کفن بھی میلہ ہونی سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان کا لباس شریف ان چھ ماہ  
میں نہ گلانا میلہ ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴۔ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بعد  
وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵۔ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا دینا سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ  
نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن و فن رکھا، لہذا صحابہ کرام کا  
تکمیل خلافت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل  
مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶۔ ہاٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔  
دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے  
کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملا۔ لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیت کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیہ القرآن میں بیان کیے۔  
إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ  
بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دو خاص نعمتوں کا



ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ و دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا بحق و درجہ و درجہ قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس میں نہیں بلکہ ہزار ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل اسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر وائے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے مخلص مومن ہیں۔ جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مترد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ سبائے تسبیح و تہلیل کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائینگے، اب بتادینا واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وہا ابیسو! بولو آج تک قرآن و حدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کی دہائی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے۔ تم نے صرف غلط ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو، تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری الفسراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن و حدیث طلب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طلب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کر لیا تو جان سے ہاتھ دھو بیگا۔ ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔  
تیسرے یہ کہ قرآن و حدیث سمندر ہیں، جلیے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا، ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسئلہ قرآن و حدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا، کپڑا سینا پہننا، غرض کہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نیکیے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا دھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد و تابعوں کو چاہیے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر چوٹھا ٹانگوں میں کرتے اور کندھے پر پاشچامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد، یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ میں غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے نبوہر کام اٹکھا کر دے، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں انسان تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکر آجاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کہ ہر بائیں کوئی دہائی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھادیں جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور و تر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھادیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے۔ ایک دہائی صاحب نے آئین بالجبر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آئین بالا خفاء کی پانچ پڑھ دیں۔ بھارسے منہ تلکے روگئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس

رسول ہو۔ اور زلزہ دار پیغمبر پر مزاج شناسی زلزہ داری ہر ایسے غیرے کا کام نہیں۔

## دہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام دہابی ہے، لقب سنجہ کی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبد الوہاب ہے جو سنجہ کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو دہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جاوے تو سنجہ جیسے مزار غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ سنجہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هَٰذَاكَ الزَّكَالُ وَالْفِتْنُ وَيُخْرِجُ  
مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔

سنجہ میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبد الوہاب سنجہ ہی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جہاد الحی قصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحّد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ الربیع حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم جمعین کی شان اقدس میں تبرّے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر دہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ دہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب دہابی کے نام سے چڑھتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرو کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا

اہل حدیث یا عامل بالمحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے دو نقیضین یا دو ضدین کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

عَلٰی فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ۔ قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔

عَلَى اللَّهِ تَكُنْ لَكَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔

عَلَى وَصِيَّةِ النَّاسِ مَنْ يَشَاءُ تَرَى لَهُوَ الْحَدِيثُ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ۔ بعض لوگ وہ ہیں جو کہیں کی باتیں و ناول قہقہے خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

اس تفسیری آیت میں ناول قہقہے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جادیں، اس عامل بالمحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہئے کہ ہر ناول کو قہقہہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے۔ کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے، حضور فرماتے ہیں، اگر سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قاتل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے۔ تم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مباح یا فرض تھے،

ہمارے لیے حرام ہیں، جیسے منہ پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد دراز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر سے کر نماز پڑھنا، انویویاں نکاح میں رکھنا۔ بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ یوں پڑھتے تھے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُوفًى مُعْبُو وَنَهَبُوا فِيهِ مِنَ اللَّهِ كَارِسُولَ هُوَ، یہ حضرات اسی

حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لئے کفر۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطا سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ جب نام ہی جھوٹ ہے۔ تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ | لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاؤں افسانہ بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق و درست ہے۔ کہ ہم بفضل تعالیٰ حضور کی ہر سنت پر عامل ہیں۔ مگر وہاں بول کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے، کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لئے کون فعل شریف اقتداء کے لئے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتہ ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارہ کون دلالت کون اقتداء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بنا سکتے ہیں۔ ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے قرآن پر عمل کرنا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرنا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں۔

الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُصْلِحَانِ إِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ | بغیر مجتہد قرآن و حدیث مگر ہی کا باعث ہیں۔

رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔



يَعْلَمُ بِهِ كَثِيرًا كَيْفَ يَهْدِي بِهِ  
كَثِيرًا

اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت  
دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔

چکڑالوی اس ہی پتے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں،  
براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں کہ  
یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت  
کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج  
امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست  
ہے۔ اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا۔ جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے  
بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا۔ رب فرماتا ہے۔

يَوْمَ تَذْعُو كُلُّ اُنَاثَةٍ بِاِمْرٍ هَمٍّ | اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے  
خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی۔ لیکن ہم  
تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے نام خدا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی ذمہ  
واری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔  
انشاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ  
مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ  
تحرمی اور حرام میں کیا فرق ہے۔ اور نماز میں کتنے فرض ہیں۔ کتنے واجب، کتنی سننیں، کتنے مستحب  
کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحرمی اور کتنے حرام انشاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث  
سے نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے۔ تو دوستو ضد کیوں کرتے  
ہو، تقلید اختیار کرو۔ جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان ۱۳۷۶ھ اپریل ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ کو شروع ہو کر

۳ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو

پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔ میرے لئے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ پر کس گناہگار کے لئے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَتَوَسَّلْ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا  
مُحَمَّدٌ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمِينَ  
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۵

(مجموعہ تصانیف آیت گرامر ڈاکٹر شاہ ولی اللہ دہلوی)

## احمد یار خاں اشرفی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ تعلیمیہ گجرات (مغربی پاکستان) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ و ۲۷ دسمبر ۱۹۵۴ء

## فہرست مضامین ”جاء الحق“ حصہ دوم

| صفحہ | مضمون                       | صفحہ | مضمون                                     | صفحہ | مضمون                   | صفحہ | مضمون                |
|------|-----------------------------|------|-------------------------------------------|------|-------------------------|------|----------------------|
| ۲۰   | اللہ آہستہ پڑھنا            | ۱۷   | دوسرا باب نان کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے | ۶    | حدیث کا ضعف مقلد کو     | ۲    | درجہ تصنیف کتاب      |
| ۲۲   | عقلی دلیل                   | ۱۴   | اس کے عقلی دلائل                          | ۹    | مغربیوں کی رائے موت     | ۲۲   | حدیث صحیح حسن ضعیف   |
| ۲۳   | دوسری فصل اس پر سوال و جواب | ۱۵   | دوسری فصل اس پر اعتراض                    | ۱۰   | پہلا باب قانون نکاح کا  | ۱۱   | کن چیزوں سے حدیث     |
|      |                             | ۱۶   | دوسری فصل اس پر اعتراض                    | ۱۱   | پہلی فصل اسکا ثبوت      | ۵۵   | ضعیف حسن بن جاتی تھا |
|      |                             | ۱۸   | چوتھا باب نام کے                          | ۱۲   | اس کے عقلی دلائل        |      | امام صاحب کی امامیت  |
| ۲۶   | پچھے قرأت ذکر و             | ۱۹   | تیسرا باب نماز میں بسیر                   | ۱۳   | دوسری فصل اعتراض و جواب | ۶    | ضعیف نہیں۔           |

| صفحہ | مضمون           | صفحہ | مضمون                                   | صفحہ | مضمون                                       | صفحہ | مضمون                                        |
|------|-----------------|------|-----------------------------------------|------|---------------------------------------------|------|----------------------------------------------|
| ۱۰۸  | سوال و جواب     | ۱۱۲  | دوسروں سے سہولت                         | ۷۵   | سوال باب تہجد میں                           | ۲۴   | قرأت خلف اللام کس آیت سے منسوخ ہے۔           |
| ۱۱۲  | سوال و جواب     | ۱۱۲  | پروردگاری کرنا                          | ۸۰   | اعتراضات و جوابات                           | ۳۰   | عقل کا تقاضا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت منع ہے |
| ۱۱۵  | میں قصر واجب ہے | ۱۱۵  | دوسری فصل اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات | ۸۴   | احکام میں فرق                               | ۳۱   | دوسری فصل اس مسئلہ پر سوالات و جوابات        |
| ۱۱۸  | دوسری فصل اس    | ۱۲۱  | باجواب باب شہد ثواب                     | ۸۵   | قنوت نازلہ منع ہے                           | ۳۲   | قنوت و تعدیل قرآن میں فرق                    |
| ۱۲۹  | سوال و جواب     | ۱۲۵  | دوسری فصل شہدین پر اعتراضات و جوابات    | ۸۸   | حضور نے کن دشمنوں کو معافی دی اور کن کے لیے | ۴۰   | اسی صحابہ متقدمی کی قرأت کے مخالف ہیں۔       |
| ۱۳۱  | سوال و جواب     | ۱۲۹  | تیسرے سوال و جواب                       | ۸۹   | بد و عافاتی                                 | ۴۲   | پانچواں باب ابن ابی کعبہ                     |
| ۱۳۲  | سوال و جواب     | ۱۳۲  | جماعت سنت فجر پڑھنا                     | ۹۱   | عقلی دلائل                                  | ۴۳   | دوسری فصل اس مسئلہ پر                        |
| ۱۳۳  | سوال و جواب     | ۱۳۸  | دوسری فصل اس پر                         | ۹۲   | اعتراضات و جوابات                           | ۴۴   | اعتراضات و جوابات                            |
| ۱۳۸  | سوال و جواب     | ۱۳۸  | جمع کرنا منع ہے۔                        | ۹۴   | وتر میں وعائے قنوت                          | ۴۹   | ادنیٰ امین کی حدیث قرآن و عقل کے خلاف ہے۔    |
| ۱۳۹  | سوال و جواب     | ۱۳۹  | دوسری فصل اس پر                         | ۹۵   | ہمیشہ پڑھو                                  | ۵۳   | چھٹا باب رفع یدین نہ کرنا                    |
| ۱۴۰  | سوال و جواب     | ۱۴۲  | اعتراضات و جوابات                       | ۹۶   | نارواں باب التحیات میں                      | ۵۴   | امام اعظم کا امام اڑنا                       |
| ۱۴۱  | سوال و جواب     | ۱۴۳  | ہمارے معنی کی ناسد                      | ۹۷   | بیٹھنے کی کیفیت                             | ۵۵   | رفع یدین کی تعلیل عجیب مناظر                 |
| ۱۴۲  | سوال و جواب     | ۱۴۳  | پندرہواں باب سفر                        | ۹۸   | دوسری فصل اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات     | ۵۹   | عقلی دلیل                                    |
| ۱۴۳  | سوال و جواب     | ۱۴۳  | کافی صدقین دن کی راہ                    | ۱۰۰  | دوسواں باب میں کعبہ                         | ۶۰   | دوسری فصل اس پر سوال و جواب                  |
| ۱۴۴  | سوال و جواب     | ۱۴۳  | دوسری فصل اس پر سوال                    | ۱۰۲  | تراویح فصل                                  | ۶۱   | نحر کے عجیب معنی                             |
| ۱۴۵  | سوال و جواب     | ۱۴۳  | دوسری فصل اس پر سوال                    | ۱۰۵  | اس مسئلہ پر اعتراضات                        | ۶۲   | اذا شئت الحدیث فہو                           |
| ۱۴۶  | سوال و جواب     | ۱۴۳  | دوسری فصل اس پر سوال                    | ۱۰۹  | و جوابات                                    | ۶۳   | کی نفیس تحقیق                                |

| صفحہ | مضمون                                         | صفحہ              | مضمون                                                   | صفحہ       | مضمون                                                               | صفحہ       | مضمون                                             |
|------|-----------------------------------------------|-------------------|---------------------------------------------------------|------------|---------------------------------------------------------------------|------------|---------------------------------------------------|
| ۲۵۳  | صحابہ یثقلہ کیوں نہ تھے۔                      | ۲۳۸<br>۲۳۹<br>۲۴۲ | کی تلاوت نہ کرو<br>پہلی فصل دوم<br>خاتمہ امام ابو حنیفہ | ۲۲۱<br>۲۲۲ | کنواں پاک کرنا۔<br>۲۲۱ فصل<br>دوسری فصل اس                          | ۲۰۹        | پرسوال و جواب<br>بائیسواں باب قے و                |
| ۲۵۵  | قرآن وحدیث سے<br>مسائل کے استنباط<br>کا نمونہ | ۲۴۵               | کے فضائل مناقب<br>سپاروں اماموں کے<br>ولادت، وفات، عمر  | ۲۲۶        | پرسوال و جواب<br>چوبیسواں باب نماز                                  | ۲۱۳<br>۲۱۴ | خون سے وضو ٹوٹ جاتا<br>۲۱۳ فصل<br>دوسری فصل اس پر |
| ۲۴۴  | دہائی اور حدیث<br>سنت وحدیث<br>کا فرق         | ۲۵۰<br>۲۵۱        | مزار<br>دوسرے مسئلہ تقلید<br>کی اہمیت                   | ۲۳۱<br>۲۳۴ | نہیں ہوتی۔<br>دوسری فصل<br>پچیسواں باب نماز<br>جنازہ میں الحمد شریف | ۲۱۷        | قے اور خون میں عجیب<br>فرق<br>تیسواں باب ناپاک    |